ایڈیشن

قیمت ــــــ چھ روپیہ

پبلشر

مکتبہ دار الفرقان ۲۲/۷ جامع مسجد دہلی
(جمال پرنٹنگ پریس دہلی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شہیدِ اعظم حضرت امام حسینؑ

مقدمہ

حضرت سیدہ فاطمہ زہراؑ کے فرزند اور حضورؐ کے نواسے حضرت امام حسینؑ کے حالات زندگی اور واقعہ شہادت دنیائے اسلام کے لئے اس قدر سبق آموز اور عبرت انگیز ہیں کہ انسان اور پھر ایک مسلمان ان کو پیش نظر رکھ کر اپنی زندگی کو خالص اسلامی زندگی بنا سکتا اور انسانیت کو کامل انسانیت میں تبدیل کر سکتا ہے۔

حضرت امام حسینؑ مالک السمٰوات والارض کے خلیفہ اور رسول حضرت محمد مصطفٰےؐ کے نواسے تھے آپ ہی کی مبارک گود میں آپ کا نشو و نما ہوا آپ ہی کے کاندھوں پر سوار رہتے تھے آپ ہی کے منبر پر بیٹھے جبکہ آپ خطبہ دیتے تھے اور ایسا بھی ہوا ہے کہ نماز کی حالت میں آپ کی پشت مبارک پر سوار ہو کر آپ کو گھوڑا بنا لیا کرتے تھے ظاہر ہے کہ جس بزرگ و برتر بچے کی خدا کے رسولؐ نے اس قدر ناز برداریاں کی ہوں اس کی شخصیت کس قدر معزز و محترم ہو سکتی ہے اور اس کی زندگی کے حالات اور واقعات شہادت انسان کو کس قدر بہتر و برتر سبق دے سکتے ہیں یہی وجہ ہے کہ حضرت امام حسینؑ کے حالات زندگی یاد اور واقعات شہادت واعظین کی مجالس وعظ کو گرما دیتے ہیں اور علماء کی صحبت ان حالات و واقعات سے روحانی نشو و نما کا موجب بن جاتی ہے

محرم الحرام کا مہینہ گویا حضرت امام حسینؑ کی اُن یادگار قربانیوں کی سالگرہ کا مہینہ ہے جو حضرت امام حسینؑ نے دین اسلام کی حمایت و حفاظت اور مسلمانوں کی دیانت کے لئے اختیار کی تھیں مسلمانوں کے تمام فرقے اس غمگین سالگرہ کو غمی کے ساتھ مناتے ہیں۔ حضرت امام حسینؑ کی زندگی کے حالات اور واقعات شہادت کربلا خود بھی پڑھتے ہیں اور دوسروں کو بھی سناتے ہیں۔ اور اس طرح حق کی حمایت اور باطل کی مدافعت میں سرفروشی و جانبازی کے سبق کو تازہ کر لیتے ہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا باب

حالات زندگی

پیدائش حضرت امام حسینؑ پنجشنبہ کے دن ۵ شعبان سنہ ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ یعنی اپنے برادر بزرگ حضرت امام حسنؑ کی پیدائش کے تقریباً ایک سال بعد پیدا ہوئے اور کاشانہ نبوت آپکی پیدائش سے منور ہو گیا۔ حضورؐ کو آپ کی پیدائش کی خبر پہنچی تو جوش مسرت سے آپکا چہرہ جگمگا اٹھا۔ وہ فوراً حضرت علیؑ کے مکان میں تشریف لا کر فرمایا۔ "بچہ کو میرے پاس لاؤ اور بتاؤ کہ کیا نام رکھا ہے۔" بچہ کو حضورؐ کی خدمت میں لایا گیا اور حضورؐ نے حضرت امام حسینؑ کو کنار عاطفت میں لیکر اول داہنے کان میں اذان کہی اور پھر بائیں کان میں اقامت۔ اور پھر تحنیک فرمائی یعنی حضرت امام حسینؑ کے منہ میں لعاب دہن مبارک اور کھجور چبا کر تالو پر ملی۔

عقیقہ اور ختنہ وغیرہ پیدائش کے بعد ساتویں روز حضور نے ایک بکری ذبح کر کے حضرت امام حسینؑ کا عقیقہ کیا اور حضرت سیدہ فاطمہؑ کو حکم دیا کہ بچہ کے سر کے بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے خیرات کر دیں۔ چنانچہ حضرت فاطمہؑ نے ہموزن چاندی خیرات کر دی۔ مورخ کا بیان ہے کہ ساتویں دن ہی حضور نے حضرت امام حسینؑ کا ختنہ بھی کر دیا تھا۔

منقول ہے کہ والدین نے حضرت امام حسینؑ کا نام حرب رکھا تھا حضورؐ نے عقیقہ کے دن حرب نام بدل کر حسین نام رکھا۔ اور ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے حضرات امام حسنؑ و امام حسینؑ کے ناموں کی نسبت یہ فرمایا کہ میں اپنے ان بچوں کے نام حضرت ہارونؑ برادر حضرت موسیٰؑ کے بچوں کے نام پر رکھتا ہوں یعنی حضرت ہارونؑ کے بچوں کے نام شبر اور شبیر تھے حضورؐ نے ان ناموں کا عربی ترجمہ کر کے حسنؑ و حسینؑ نام رکھے۔

پرورش و تربیت | حضرت امام حسینؑ ۵ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے اور ربیع الاول ۱۱ھ تک حضورؐ کی تربیت و پرورش میں رہے۔ حضورؐ کو دونوں بچوں سے بے حد محبت تھی اور حضرات امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی سب سے زیادہ حضورؐ سے مانوس تھے۔ عام بچوں کی طرح اگرچہ حضرات امام حسنؑ و امام حسینؑ بھی شوخیاں کرتے تھے لیکن حضورؐ ان کی شوخیوں پر ناراض ہونے کے بجائے خوش ہوا کرتے تھے۔ چنانچہ احادیث میں آیا ہے کہ حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ حضورؐ کے کاندھوں پر چڑھ جاتے تھے اور نماز کی حالت میں حضور صلعم کی ٹانگوں کے درمیان سے نکل جاتے تھے۔ اور جب حضورؐ سجدہ میں جاتے تو دونوں صاحبزادے حضورؐ کی کمر پر سوار ہو جاتے تھے اور داڑھی سے کھیلا کرتے تھے۔ باایں ہمہ حضورؐ کبھی ناخوش نہ ہوتے تھے اور صاحبزادوں کی ان حرکتوں سے بہت خوش ہوتے تھے۔

حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ چھ ماہ تک آغوش مادر یعنی حضرت فاطمہ زہراؑ کے کنار عاطفت میں رہے اور اس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آغوش مبارک میں علم و عمل کی تعلیم حاصل کی۔

(۲) عہد شباب

تقریباً سات سال تک حضرت امام حسینؑ نے کاشانۂ نبوت دکنارۂ نبوی میں پرورش و تربیت حاصل کی۔ چھ ماہ تک ماں کی آغوش مبارک میں رہے اور پھر سن بلوغ تک حضرت علیؓ کی نگرانی میں زندگی بسر کی۔ اس زمانہ میں چونکہ بنو ہاشم اور قریش کے بچے آپ کے ساتھ رہتے تھے اس لئے اعیان بنو ہاشم اور قریش کے بچوں میں آپ نے علم و عمل کی زندگی کو خوب آراستہ کیا اور جوان ہونے پر بنو ہاشم کے بہترین شخص قرار پائے۔

اعیان بنو ہاشم اور قریش کے بچے چونکہ تمام حضرت امام حسینؑ سے قریب کا رشتہ اور تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے ہر نوعمر جوان اور بوڑھا آپ کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا اور آپ کی ہم نشینی کو اچھا خیال کیا کرتا تھا۔ یہاں تک کہ حضرات ابوبکرؓ و عمرؓ اور عثمانؓ بھی آپ کی بڑی عزت کیا کرتے تھے۔ اور اپنے بچوں

کو ہدایت کر رکھی تھی کہ خاندان نبوت کے ان نونہالوں کی ہم نشینی کو باعث فخر خیال کریں۔ اور ان کی عزت و عظمت کا کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں۔

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کے عہد میں حضرت امام حسینؓ بچے ہی تھے اور ان کی وفات کے وقت حضرت امام حسینؓ کی عمر تقریباً نو سال کی تھی۔ اس لئے اس زمانہ کے واقعات بہت کم ملتے ہیں لیکن مستند روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت علیؓ اور ان کے صاحبزادوں حضرات امام حسنؓ و امام حسینؓ کی بڑی قدر و منزلت کرتے تھے۔ اور علاوہ اس عظمت و بزرگی کے جو حضرت امام حسینؓ کو خاندان نبوت سے پیوستگی کے سبب حاصل تھی حضرت ابوبکرؓ ان کو اس اعتبار سے بھی اپنے بچوں سے زیادہ سمجھتے تھے کہ حضرت امام حسینؓ کے چچا جعفر بن ابی طالب کی بیوہ اسماء بنت عمیسؓ سے حضرت ابوبکرؓ نے نکاح کر لیا تھا جن کے بطن سے حضرت محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے تھے۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں حضرت امام حسینؓ شباب کی منزل میں داخل ہوئے اور حضرت عمرؓ نے بیت المال سے صحابہ کے وظائف مقرر کئے تو حضرت امام حسینؓ و حضرت امام حسنؓ کو ان معزز و محترم صحابہ کی صف میں شامل کیا جو سب سے زیادہ محترم تھے یعنی اور ان کے وظائف شرکاء بدر ہی کے وظائف کے برابر مقرر کئے یعنی دونوں صاحبزادوں کا وظیفہ بیت المال سے پانچ پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر کیا۔ حضرات حسنینؓ کی حضرت عمرؓ نے جو قدر و منزلت کی تھی وہ اس زمانہ کے اعتبار سے بڑی قدر و منزلت تھی جس عہد میں شرکاء بدر کی قدر و عظمت مسلمہ تھی اور تمام صحابہ و غیر صحابہ حضرات بدریین کو سب سے بہتر خیال کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے انھیں بدریین میں حضرات حسنینؓ کو داخل کیا تھا حالانکہ حضرات حسنینؓ جنگ بدر کے زمانہ میں پیدا بھی نہ ہوئے تھے۔

متعدد روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو حضرات حسنینؓ سے غیر معمولی عقیدت و محبت تھی اور حضورؐ کے محبوب نواسوں کو حضرت عمرؓ سب سے زیادہ محبوب خیال کرتے تھے چنانچہ ایک روایت

ملتا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت امام حسینؓ نے حضرت عمرؓ کے کسی صاحبزادہ کو غلام کہہ دیا تھا جس پر وہ بچہ بہت ناراض ہوا اور حضرت عمرؓ سے اس کی شکایت کی حضرت عمرؓ نے اس شکایت کو سنا اور صاحبزادہ کو حکم دیا جاؤ اور حسینؓ سے لکھا لاؤ کہ تم ان کے غلام ہو۔ حضرت امام حسینؓ نے یہ الفاظ لکھ دیئے۔ حضرت عمرؓ نے اس رقعہ کو سرمایۂ آخرت سمجھا اور غلامی پر فخر کا اظہار کرتے ہوئے حکم دیا کہ یہ رقعہ ان کے کفن میں رکھ دیا جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ عمرؓ اور ان کی اولاد حقیقت میں خاندان نبوت کی غلام ہے۔ اور یہ غلامی اس کے لئے باعث شرف ہے۔ اس لئے کہ آج قریش اور اس کے افراد کو جو عظمت حاصل ہے وہ نبوت کی غلامی ہی کے سبب سے حاصل ہے۔

عہد فاروقی کے چند واقعات حضرت عمر فاروقؓ کو حضرات حسنینؓ سے غیر معمولی محبت تھی۔ اور ہر موقعہ پر آپ خاندان نبوت کے ان نونہالوں کا خیال رکھتے تھے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ ایک مرتبہ دربار خلافت میں یمن سے کافی تعداد میں کپڑوں کے جوڑے آئے حضرت عمرؓ نے ان کپڑوں کو صحابہ پر تقسیم کر دیا اور صحابہ ان کو پہن پہن کر دربار خلافت میں حاضر ہوئے اور عطائے خلعت کا شکریہ ادا کیا۔ آپ ہر ایک کے سلام کا جواب دے رہے تھے اور خوش ہو رہے تھے کہ یکایک آپ کی نظر حضرات حسنینؓ پر پڑی جو روضہ کا لباس پہنے ہوئے تھے اور ان کے جسم مبارک ان کپڑوں سے خالی تھے جو یمن سے آئے تھے حضرت عمرؓ کو اس سے سخت تکلیف ہوئی اور خاندان نبوت کے ان نونہالوں کے محروم رہ جانے پر بہت افسوس ہوا۔ فوراً آپ نے حاکم یمن کو خط لکھا اور دو جوڑے اور طلب کئے جب وہ آ گئے تو حضرات حسنینؓ کو اپنے ہاتھوں سے پہنائے اور خوش ہوئے۔

حضرت عمرؓ کو حضرات حسنینؓ سے جو عقیدت و محبت تھی وہ اس بنا پر تھی کہ یہ دونوں حضرات آقائے دوجہاں کے نواسے اور محبوب تھے اور پھر اس اعتبار سے بھی کہ حضرات حسنینؓ کی بہن حضرت ام کلثومؓ بنت حضرت فاطمہ زہراؓ آپ کے نکاح میں تھیں گویا حضرت عمرؓ حضرات حسنینؓ کو اپنے

بچوں سے زیادہ اور واجب التعظیم خیال فرماتے تھے چنانچہ ایک روایت میں آیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسینؓ سے ایک موقع پر فرمایا تھا کہ حضورؐ کے بعد ہم لوگ آپ ہی کو بلند مرتبہ سمجھتے ہیں اور ہم کو جو کچھ عزت حاصل ہوئی ہے وہ خاندان نبوت ہی کی غلامی سے نصیب ہوئی ہے۔

عہد عثمانی حضرت عمرؓ نے اپنی وفات کے وقت منصب خلافت کے لئے چھ آدمیوں کو نامزد کیا تھا یعنی علیؓ، عثمانؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن وقاصؓ اور طلحہ بن عبید اللہؓ، زبیر بن عوامؓ کو اور یہ حکم دیا کہ تم باہم مشورہ کر کے اپنی جماعت میں سے ایک کو خلیفہ مقرر کر لینا۔ اور مجلس شوریٰ میں عبداللہ بن عمر اور حضرات حسنینؓ کو بھی شریک کر لیا۔ چنانچہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد مجلس شوریٰ کے متعدد اجلاس ہوئے اور کافی بحث و تمحیص کے بعد حضرت عثمانؓ کو خلیفہ مقرر کر دیا گیا۔ حضرت علیؓ اپنی خلافت کے زیادہ خواہشمند تھے لیکن اتفاق رائے ہو جانے پر خاموش ہو گئے۔ اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کو قبول کر لیا۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں بھی حضرات حسنینؓ کو وہی وظیفہ ملتا رہا جو حضرت عمرؓ نے مقرر فرمایا تھا اور جو قدر و منزلت حضرت عمرؓ کے عہد میں تھی وہی عزت و عظمت حاصل رہی۔ اور جس طرح حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ حضرات حسنینؓ سے محبت و عقیدت رکھتے تھے حضرت عثمانؓ بھی ان کے اسی طرح عقیدتمند رہے۔

حضرت عثمانؓ کے آخری ایام خلافت میں جبکہ کوفہ بصرہ اور مصر کے باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کا محاصرہ کر رکھا تھا اور سامان خورد و نوش بند کر دیا تھا حضرات حسنینؓ دوسرے اعیان قریش کے بچوں کے ساتھ حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مقرر تھے اور آخر وقت تک حفاظت کرتے رہے تھے یہاں تک کہ اس خدمت میں حضرت حسنینؓ کو غیر معمولی تکلیف اٹھانی پڑی۔ اور کسی قدر زخمی بھی ہوئے۔

مورخین کا بیان ہے کہ جب مصر، بصرہ اور کوفہ کے باغیوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر کو محاصرہ

میں لے لیا اور حضرت علیؑ کو یہ اندیشہ ہوا کہ باغی حضرت عثمانؓ کو کوئی ضرر نہ پہنچائیں تو انھوں نے حضرات حسنینؑ اور اپنے غلام قنبر کو ہتھیاروں سے مسلح کر کے حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر متعین کر دیا اور حکم دیا کہ گھر کے اندر کسی کو نہ آنے دیں اور حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کریں کہ وہ مروان کو باغیوں کے حوالہ کر دیں تاکہ باغی مطمئن ہو کر شورش و فساد سے باز آجائیں اور واپس چلے جائیں۔ حضرت زبیرؓ اور طلحہؓ اور دوسرے صحابہ کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے بھی اپنے لڑکوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کر دیا حضرات حسنینؓ نے حضرت عثمانؓ سے مروان کے معاملہ میں گفتگو کی لیکن حضرت عثمانؓ نے مروان کو حوالہ کرنے سے انکار کر دیا۔

باغیوں نے جب یہ دیکھا کہ صحابہ نے اپنے نوجوانوں کو حضرت عثمانؓ کی حفاظت پر مامور کر دیا ہے تو وہ غضبناک ہو گئے اور انھوں نے حضرت عثمانؓ کے گھر پر پتھر برسانے شروع کر دیئے اور پھر یکبارگی حملہ کر دیا اس سنگ باری اور حملہ میں حضرت امام حسنؑ کے چہرہ پر زخم آیا اور خون جاری ہو گیا محمد بن طلحہؓ بھی زخمی ہوئے اور قنبر غلام کے سر پر سخت چوٹ آئی باغیوں نے جب ان حضرات کو زخمی اور خون آلود دیکھا تو اس خوف سے کہ کہیں بنو ہاشم نہ بگڑ جائیں اور مقابلہ سخت ہو جائے سنگ باری اور حملہ کو موقوف کر دیا اور واپس چلے گئے۔

کچھ دیر بعد باغیوں میں سے چند لوگ مکان کے پیچھے سے مکان میں داخل ہوئے اور حضرت عثمانؓ کو جو تلاوت قرآن میں مشغول تھے شہید کر دیا حضرات حسنینؑ کو اطلاع ہوئی تو وہ دوڑے ہوئے گھر میں آئے اور حضرت عثمانؓ کو مقتول پاکر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور دیر تک کھڑے روتے رہے اور اس کے بعد باہر نکل آئے ادھر حضرات علیؓ طلحہؓ زبیرؓ اور سعدؓ وغیرہ کو خبر ہوئی تو وہ گھبرائے ہوئے آئے اور حضرت عثمانؓ کے دروازہ پر پہنچے حضرت علیؓ نے انتہائی رنج و غم کی حالت میں حضرات حسنینؓ سے فرمایا "کیا یہ مناسب ہے کہ تم لوگ دروازہ پر کھڑے رہو اور حضرت

عثمانؓ کو اس طرح گھر میں گھس کر خاموشی سے قتل کر ڈالا جائے اور تم ان ظالموں کو نہ روک سکو۔"
یہ کہہ کر حضرت علیؑ نے حضرت حسنؑ کے منہ پر طمانچہ مارا اور ایک ہاتھ حضرت حسینؓ کے سینہ پر جمایا اور محمد بن طلحہؓ اور عبداللہؓ بن زبیر کو بہت برا بھلا کہا اور پھر انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے واپس چلے گئے۔

ایک روایت یہ ہے کہ کچھ دیر بعد حضرت طلحہؓ حضرت علیؑ سے جا کر ان کے مکان پر ملے اور کہا۔" ابوالحسن! اس قدر غیظ و غضب کیا معنی رکھتا ہے کہ آپ نے حضرت حسینؑ کو بیگناہ مارا۔" حضرت علیؑ نے کہا۔" کیوں کر ایسا نہ کروں حالت یہ ہے کہ امیر المومنین کو بلا دلیل و حجت کے قتل کیا گیا حضرت عثمانؓ جلیل القدر صحابی تھے حضورؐ کے داماد تھے اور حضورؐ ان سے انتہا درجہ کی محبت رکھتے تھے بلا شبہ ان کا قتل ایک بڑا جرم اور خیانت ہے۔" اس کے بعد فرمایا۔" اے اللہ! میں عثمانؓ کے قاتل سے بیزار ہوں اور اس کو تیرے غضب و قہر کا مستحق خیال کرتا ہوں۔" اس کے بعد حضرت علیؑ نے انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا اور خاموش ہو گئے۔

حضرت علیؑ کا عہد خلافت: حضرت علیؑ کے عہد خلافت میں حضرت امام حسینؑ تمام مواقع پر اپنے والد ماجد کے کاموں میں شریک رہے۔ یہاں تک کہ جنگ جمل، جنگ صفین اور خوارج کی جنگوں میں فوجوں .... کی سربراہی بھی کی۔ خوارج کی جنگوں میں حضرت امام حسینؑ نے غیر معمولی جدوجہد کی۔ یہاں تک کہ خوارج کا استیصال کر دیا۔

ایک مورخ کا بیان ہے کہ جنگ صفین کے لئے جب حضرت علیؑ لشکر لے کر روانہ ہوئے تو کوفہ کی جانب سے گذرے حضرت امام حسینؑ آپ کے ہمراہ تھے دیر ابو موسیٰ سے گذر کر جب حضرت علیؑ سرزمین کربلا میں داخل ہوئے تو آپ نے حضرت عبداللہ بن عباس سے پوچھا۔" تم کو معلوم ہے یہ کونسی جگہ ہے۔" حضرت عبداللہ نے کہا۔" مجھ کو معلوم نہیں۔" حضرت علیؑ نے فرمایا۔" اگر تم کو یہ معلوم

ہو جائے کہ یہ کونسی جگہ ہے تو تم بے اختیار رونے لگو۔" یہ کہہ کر حضرت علیؑ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اس کے بعد آپ نے حضرت حسینؑ کو طلب فرمایا اور کہا۔ "فرزند صبر کرو اور دیکھ کہ تیرا باپ آلِ ابو سفیان سے کیسے صدمے اٹھا رہا ہے کل کو تو بھی ان کے ظلم برداشت کرے گا۔" اس کے بعد حضرت علیؑ تنہا زمین کربلا میں دیر تک ادھر سے اُدھر ٹہلتے اور غور سے اس مقام کو اس طرح دیکھتے رہے گویا کسی گمشدہ چیز کو ڈھونڈ رہے ہیں پھر واپس آ کر پانی طلب کیا اور وضو کر کے چند رکعت نماز پڑھی اور لشکر کو قیام کا حکم دے دیا۔ تھوڑی دیر کے لئے سو رہے اور پھر اس طرح گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے جیسے کوئی شخص کسی چیز سے ڈر گیا ہو فوراً آپ نے عبد اللہ رضؓ بن عباس کو بلایا اور فرمایا۔" اس وقت میں نے ایک عجیب خواب دیکھا ہے"۔ عبد اللہ رضؓ نے پوچھا۔ "وہ کیا خواب ہے"۔ حضرت علیؑ نے کہا۔ "میں نے خواب میں دیکھا کہ سفید چہرہ والے آدمی تلواریں لٹکائے اور سفید علم ہاتھوں میں لئے آسمان سے اتر رہے ہیں اور زمین پر پہنچ کر انھوں نے ایک خط کھینچا ہے۔ پھر میں نے دیکھا کہ اس جنگل کے کھجوروں کے درخت اپنی شاخوں کو زمین پر دے مار رہے ہیں اور تازہ خون کا دریا بہہ رہا ہے اور میرا فرزند حسینؑ خون کے دریا میں کھڑا فریاد کر رہا ہے لیکن کوئی اس کی فریاد کو نہیں سنتا وہ مدد مانگتا ہے اور کوئی مدد نہیں دیتا اتنے میں وہی سفید چہروں والے آدمی جو آسمان سے اترے تھے یہ منادی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ "اے آلِ رسول رضؓ! صبر کرو اور آگاہ رہو کہ تم بدترین مخلوقات کے ہاتھ سے مارے جاؤ گے۔ اے حسین! بہشت تیری آرزومند ہے۔" اس کے بعد وہ سفید چہروں والے آدمی میرے پاس آئے اور مجھ کو پُرسا دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ "اے ابو الحسن! تجھے خوش خبری ہو کہ اللہ تعالیٰ بروز قیامت تیری آنکھوں کو تیرے فرزند حسینؑ کے دیدار سے روشن کرے گا"۔ یہ کہہ کر حضرت علیؑ نے عبد اللہ سے کہا "میں یہ خواب دیکھ ہی رہا تھا کہ آنکھ کھل گئی اس خدا کی قسم! جس کے قبضہ میں علی کی جان ہے کہ جو خواب میں نے دیکھا ہے اس کی خبر صادق القول ابو القاسم صلعم نے مجھ کو دیدی تھی۔ یہ وہی زمین کربلا ہے جہاں میرے فرزند

حسینؓ۔ اس کے دوستوں اور فاطمہؓ دختر رسولؐ کی اولاد میں سے ایک جماعت کو دفن کریں گے۔

مورخ مذکور کا بیان ہے کہ اس خواب کے بعد حضرت علیؑ انتہا درجہ کے مغموم رہا کرتے تھے یہاں تک کہ ایک موقع پر سرداران فوج نے آپ سے عرض کیا۔ "آپ شامیوں سے لڑنے کے لئے جا رہے ہیں اور اس قدر غمگین ہیں آخر کیا بات ہے۔" آپ نے فرمایا کہ "میرا رنج اس خواب کی وجہ سے ہے جو زمین کربلا پر میں نے دیکھا تھا اور حسین کو اس حال میں ملاحظہ کیا تھا کہ آسمان پھٹ پڑے ہیں پہاڑ دب کر زمین کے برابر ہو گئے ہیں اور درختوں کی شاخیں زمین سے ٹکراتی ہیں اس وقت میں نے صرف یہ ایک آواز سنی کہ حسین ابن علی کو مار ڈالا جب سے میں نے یہ خواب دیکھا ہے میں غمگین اور رنجیدہ رہتا ہوںؑ"۔

خوارج کی جنگوں میں حضرات علی، حسن اور حسینؑ کی کوششیں اگرچہ کامیاب رہیں اور ہر موقع پر خوارج کو شکستیں دیکر ان کا استیصال کر دیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہی کامیابی حضرت علیؑ کی شہادت کا موجب بنی مورخین کا بیان ہے کہ جنگ جمل کے خاتمہ کے بعد حضرت علیؑ نے حضرت امیر معاویہؓ سے جنگ کی اور فوجی وجنگی اعتبار سے امیر معاویہ پر غلبہ کر لیا لیکن سیاست کی بازی میں حضرت علیؑ ہار گئے اور امیر معاویہ نے بازی جیت لی یعنی جنگ کو ختم کر دینے کے لئے امیر معاویہؓ نے قرآن مجید کے فیصلہ کو قبول کر لیا اور جنگ رک گئی ثالث مقرر کئے گئے اور انھوں نے یہ فیصلہ کر لیا کہ علیؑ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیا جائے لیکن امیر معاویہؓ نے اس فیصلہ کو قبول کر کے آخر میں یہ کہا کہ علیؑ کے حق میں یہ فیصلہ ناطق ہے معاویہ کے حق میں نہیں اس لئے کہ معاویہؓ حضرت عثمانؓ کے ولی اور ان کے خون کے طالب ہیں مختصر یہ کہ اس فیصلہ سے علیؑ کے لشکر کی بڑی تعداد علیؑ کی مخالف ہو گئی اور علیؑ کا ساتھ انھوں نے چھوڑ دیا یہی جماعت خوارج کہلاتی ہے پھر

ے اردو ترجمہ تاریخ کوفی مطبوعہ دہلی صفحہ ۳۴۳ سے صفحہ ۳۴۵ تک ۱۲ مؤلف

جب علیؓ نے خوارج کا استیصال کر دیا تو حضرت علیؑ کی خلافت کا خاتمہ کرنے کے لئے ایک خارجی نے ان کو ۱۹۔ رمضان ۴۰ھ کو شہید کر دیا۔

زخمی ہونے کے بعد حضرت علیؑ تین دن زندہ رہے اور ان ایام میں اہلبیت کو برابر وصیت کرتے رہے آخری وقت میں حضرت امام حسنؑ حضرت امام حسینؑ اور محمد بن حنفیہ رضؓ کو طلب کیا اور فرمایا "تم خدا سے ڈرنا۔ اس کی عبادت میں مشغول رہنا۔ دنیا میں کسی پر فوقیت کا خیال نہ رکھنا اگرچہ لوگ تم پر فوقیت کے خواستگار ہوں۔ دنیا کی نعمتوں کے زوال کا غم نہ کرنا حق بات کہنے سے نہ رکنا اگرچہ اپنی ذات ہی کے متعلق ہو۔ یتیموں پر رحم کرنا۔ فقیروں کو کھانا دینا۔ احسان کرنا مظلوموں کے مددگار رہنا۔ اور اس کا ہر وقت خیال رکھنا کہ طریق حق کی پیروی میں تم پر کوئی ملامت کرنیوالا نہ ہو۔" اس کے بعد محمدؓ بن حنفیہؒ کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا "بیٹا! جو وصیت میں نے تمہارے بھائیوں (حسنینؑ) کو کی ہے انھیں امور کی وصیت تم کو کرتا ہوں تم اپنے بڑے بھائیوں کی عزت و حرمت کا خیال رکھنا۔ ان کی عظمت بڑھاتے رہنا۔ کوئی کام ان کے مشورہ کے بغیر نہ کرنا" اس کے بعد حسنینؑ سے فرمایا "میں نے تمہارے بھائی محمدؓ کو تمہارے لئے وصیت کی ہے اور تم کو اس کے بارہ میں وصیت کرتا ہوں وہ تمہارا بھائی اور تمہارے باپ کا بیٹا ہے تم کو معلوم ہے مجھ کو اس سے بہت محبت ہے تم بھی اس سے محبت کرنا۔ ایک دوسرے سے جدا نہ ہونا۔ رشتہ داروں کے ساتھ لطف رکھنا صلہ رحمی کرنا اور باہم اصلاح میں سعی کرنا کہ یہ نماز اور روزے سے بہتر ہے۔"[۵]

امام حسن کا عہد خلافت حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد شام میں امیر معاویہؓ نے اپنی الگ حکومت قائم کر لی اور کوفہ کے لوگوں نے حضرت امام حسنؑ کو حضرت علیؑ کا جانشین قرار دیکر اپنا خلیفہ منتخب کیا۔ چونکہ حضرت امام حسن کی خلافت عام مسلمانوں کا اتفاق حاصل نہ کر سکی تھی اس لئے جب کوفیوں کی عام

---

۵ تاریخ اعثم کوفی ترجمہ اردو مطبوعہ دہلی صفحہ ۲۶۰ ۱۲ مؤلف

خواہش سے حضرت حسنؑ نے امیر معاویہ پر لشکر کشی کی تو لشکر کے بہت سے آدمی میدان کارزار کے قریب پہنچ کر حضرت امام حسنؑ کے مخالف ہو گئے اور بہت سے اس فوجی اجتماع سے جدا ہو کر بھاگ گئے آخر حضرت امام حسنؑ نے خلافت حضرت معاویہؓ کے سپرد کر دی اور تمام اہل و عیال کو لے کر مدینہ میں تشریف لے آئے۔

اگرچہ حضرت امام حسینؑ تفویض خلافت کے مخالف تھے لیکن بھائی کی ناراضگی کے خیال سے ان کی مخالفت نہ کر سکے۔ اور ان کے ساتھ مدینہ میں چلے آئے مدینہ کی زندگی امن و سکون کی زندگی تھی اور خاندان نبوت سکون و طمانیت اور عزت و عظمت کے ساتھ بسر کر رہا تھا کہ فتنہ پسند لوگوں نے حضرت امام حسینؓ کو ورغلایا اور خلافت کو حاصل کرنے کی ترغیب دی لیکن ادھر تو حضرت معاویہؓ کے حسن سلوک کے سبب اور ادھر حضرت امام حسنؑ کی ناراضگی کے خیال سے حضرت امام حسینؑ نے اس ترغیب کا اثر قبول نہ کیا اور حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں کسی قسم کی جد و جہد کو مناسب نہ سمجھا یہاں تک کہ ۴۹ھ میں حضرت امام حسن نے موت کو قریب پا کر اپنے عزیز بھائی حضرت امام حسینؑ کو اپنے قریب بلایا اور تاکیدی الفاظ میں یہ وصیت کی کہ:۔

"حسینؑ! کوفہ کے بیوقوف اور فتنہ پسند لوگوں سے دور رہنا اور فتنہ میں پڑنے سے اپنے آپ کو بچانا ممکن ہے میرے بعد وہ تم کو بہکائیں اور کوفہ بلا کر تم کو فتنہ میں مبتلا کر دیں۔ تم ہرگز ہرگز کوفیوں کی باتوں میں نہ آنا۔ یہ لوگ انتہا درجہ کے خود غرض اور بیوفا ہیں جب وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں تو اپنے ساتھیوں کو چھوڑ دیتے ہیں اور دوسروں کو مصیبت میں مبتلا کر کے بھاگ جاتے ہیں"

حضرت امام حسنؑ کی یہ وصیت حق بجانب تھی امیر معاویہ پر لشکر کشی کے وقت وہ کوفیوں کی خود غرضی اور بیوفائی کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے تھے پھر پیغمبر اسلام کے عہد حکومت میں متعدد بار ایسے مواقع پیش آ چکے تھے جن میں کوفیوں کی غداری کا ثبوت مل چکا تھا لیکن افسوس ہے کہ حضرت امام حسینؑ

کوفیوں کے فریب میں آگئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ جان شیریں جان آفریں کے سپرد کردی جس کی کیفیت واقعات شہادت میں معلوم ہوگی۔

حضرت امام حسنؓ کی خلافت اور دست برداری کے جو مختصر حالات اوپر لکھے گئے ہیں مستند مورخین کے بیانات یہی ہیں بعض دوسرے مورخین کا بیان یہ ہے کہ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد کوفہ کے لوگوں نے حسن بن علیؑ کے ہاتھ پر بیعت کی اور آپ کو خلیفہ اور امام حسینؑ کو ولی عہد بنالیا۔ امام حسنؑ نے بیعت لے کر ایک خطبہ دیا جس میں امن وسکون سے زندگی بسر کرنے کی ہدایت کی۔

دو مہینے تک امام حسنؑ کوفہ میں امن وسکون سے رہے نہ تو معاویہؓ کی طرف سے کوئی خط ان کے پاس آیا اور نہ انھوں نے کوئی خط معاویہ کو لکھا اس مدت کے بعد بصرہ سے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا ایک خط امام حسنؑ کے نام آیا جس میں لکھا تھا کہ "آپ کو مسلمانوں نے اپنا امام بنایا ہے تو آپ کا فرض ہے کہ آپ اپنا حق معاویہؓ سے طلب کریں اور اس سے جنگ کی تیاریاں کرلیں۔ استحکام امامت کی سعی کیجئے اور جو خرابیاں مقبوضات خلافت میں پیدا ہوگئی ہیں ان کو دور کر دیجئے تاکہ ملک آپ کا مطیع ہو جائے" امام حسنؑ کو اس خط سے یہ معلوم ہو کر مسرت ہوئی کہ عبداللہ بن عباسؓ ان کی خلافت سے خوش ہیں اس کے بعد امام حسنؑ نے معاویہؓ کو ایک خط لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ "خلافت کے بارہ میں اول انصار و مہاجرین میں جھگڑا ہوا پھر قریش میں اختلاف ہوا اور قریش نے دیدہ و دانستہ ہم کو نظر انداز کردیا ہم نے اس خیال سے صبر کیا کہ جھگڑا نہ بڑھے اور امور دین میں خلل نہ آجائے اب ایک تمہارے سوا ہمارا جھگڑا کسی سے باقی نہیں ہے چونکہ امیرالمومنین علیؑ نے اپنی وفات کے بعد عہد خلافت کو میرے حوالہ کردیا تھا اس بناء پر نیز اس لئے کہ امامت و خلافت باقتضائے عدالت میرا حق ہے میں خلیفۃ المسلمین ہوں۔ معاویہ! خدا سے ڈر اور ایسا کام کر جس میں مسلمانوں کا خون نہ بہے۔"

امیر معاویہؓ نے اس خط کا جواب یہ دیا کہ "آپ کو معلوم ہے کہ حضورؐ کے بعد خلافت کے لئے قریش

کا قبیلہ جس میں سے حضورؐ تھے افضل و برتر تھا انصار اور مہاجرین نے یہ مصلحت دیکھی کہ قریش میں سے جو شخص زیادہ عالم، زیادہ خداترس اور مسلمان ہونے میں سب سے مقدم ہو اس کو خلیفہ بنالیا جائے چنانچہ انھوں نے ابوبکر الصدیقؓ کو خلیفہ بنالیا اگر ان سے زیادہ عالم و فاضل کوئی اور شخص ہوتا تو یقیناً خلافت اس کو ملتی آج یہی صورت میرے اور تمہارے درمیان واقع ہوئی ہے اگر میں یہ سمجھتا کہ تم اس کام کے لئے مجھ سے زیادہ لائق ہو اور خلافت کے کاموں کو خوبی کے ساتھ انجام دے سکو گے تو یقیناً خلافت تمہارے حوالے کر دیتا لیکن مجھ کو یقین ہے کہ تم اس کام کو انجام نہ دے سکو گے اور خلافت کے آرزو مند دشمنوں کو تم منتشر نہ کر سکو گے

تم نے خلافت کو وراثت کی بنا پر اپنا حق بتایا ہے تم کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جب صفین کے بعد ثالثوں کے فیصلہ کی بنا پر خلافت تمہارے والد کا حق نہیں رہا تھا تو وہ تم کو کیونکر خلافت دے سکتے تھے بہتر یہ ہے کہ اس حق سے ہاتھ اٹھالو"

اس خط و کتابت کے بعد فریقین نے جنگ کی تیاریاں کیں امیر معاویہؓ ساٹھ ہزار سپاہ لے کر شام سے عراق کی طرف بڑھے اور امام حسنؓ چالیس ہزار پیدل و سوار لے کر شام کی جانب روانہ ہوئے مدائن پہنچ کر امام حسنؓ نے فوج کے سرداروں کو طلب کر کے کہا "تم لوگوں نے اس شرط پر مجھ سے بیعت کی ہے کہ جس شخص سے میں صلح کروں گا تم بھی اس سے صلح رکھو گے اور جس سے لڑوں گا تم بھی اس سے لڑو گے" امام حسنؓ کے یہ الفاظ سن کر سرداران فوج نے یہ رائے قائم کر لی کہ حسنؓ خلافت کو ترک کر کے معاویہؓ سے صلح کر لیں گے اس رائے نے ان کو برہم کر دیا اور وہ غضبناک ہو کر امام حسنؓ پر جھپٹ پڑے انہوں نے آپ کے کپڑے نوچ ڈالے اور نیچے سے مصلیٰ کھینچ لیا اور آپ کا تمام سامان لوٹ لیا اور لشکری اپنے سرداروں کے حکم کے مطابق اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہو گئے امام حسنؓ لاحول ولا قوۃ الا باللہ پڑھتے ہوئے اٹھے اور مدائن کے مورچوں کی طرف روانہ ہوئے راستہ میں سنان

بن جراح نے کمین گاہ سے نکل کر آپ کی ران پر حربہ مارا اور آپ بیہوش ہو کر گر پڑے لوگ آپ کو اٹھا کر سفید محل میں لائے اور آپ کے زخم کی مرہم پٹی کی جب ذرا سکون ہوا تو آپ نے بقیہ فوج کے افسروں اور معتمد ہوا خواہوں کو طلب فرما کر کہا "اب میں تم سے کیا کہوں اور کیا کام کروں تمہارے کوفیوں، مکر و فریب جہالت اور جرائم کا ذکر کروں یا تمہاری ان ذلیل و کمینہ خصلتوں اور نالائق افعال کا بیان کروں جو تم نے اس وقت سے بھی زیادہ ظاہر کیے ہیں جبکہ تم میرے والد کی مخالفت کر کے گروہ در گروہ علیحدہ ہو کر چلے گئے تھے اور ان کے کاموں کو خراب کر دیا تھا تم وہی لوگ تو ہو جنہوں نے میرے والد کو سرپنچ مقرر کرنے کے لیے مجبور کیا تھا اور جب انہوں نے مجبور ہو کر عبداللہ بن عباسؓ کو ثالث مقرر کیا تو تم نے ابوموسیٰ کے تقرر پر زور دیا جو میرے والد کا دشمن تھا غرض پنچوں نے جو فیصلہ کیا سو کیا اس کے بعد میرے والد نے پھر معاویہؓ سے جنگ کی تیاریاں شروع کیں تو تم جی چرا گئے اور ان کا ساتھ نہ دیا یہاں تک کہ وہ رحمت الٰہی میں شامل ہو گئے اس کے بعد تم نے اپنی خوشی سے مجھ کو خلیفہ بنایا میں نے تمہاری بات مان لی اور تمہارے مکر و فریب اور دغابازی کا کچھ خیال نہ کیا پھر تمہارے ساتھ جنگ کرنے کے لیے کوفہ سے باہر آیا میرے ساتھ تم نے جو کچھ کیا وہ سامنے موجود ہے اب میں اپنے آپ کو تم سے علیحدہ سمجھتا ہوں اور معاویہ سے صلح کر لینا چاہتا ہوں۔" امام حسینؓ نے بھائی کی یہ تقریر سن کر عرض کیا "بھائی جان! ایسی بات نہ فرمائیے اور ایسا کام نہ کیجیے کہ ہمیں دشمن کا شکار بنا دے۔" امام حسنؓ نے فرمایا "میری آنکھوں کی روشنی، تم نے جو کچھ کہا درست ہے مگر کون سے مددگاروں اور وفاداروں کے بھروسہ پر دشمنوں سے میں جنگ کر سکتا ہوں اور کس یار و غمگسار کی امداد سے اپنا حق طلب کر سکتا ہوں تم دیکھ رہے ہو کہ اس گروہ نے والد کے ساتھ کیا سلوک کیا اور آج میرے ساتھ کس طرح پیش آئے ہیں اس گروہ کا کیا اعتبار اور ان سے کس امر کی امید ہو سکتی ہے۔" امام حسینؓ بھائی کا یہ جواب سن کر خاموش ہو رہے۔ مختصر یہ کہ امام حسنؓ نے صلح کی گفتگو شروع کی عبداللہ بن حارث

بھیجا پھر معاویہؓ سے مل کر کہا "اس معاملہ میں امام حسنؓ کی کئی خواہشیں ہیں، ایک تو یہ کہ خلافت تم کو اس شرط کے ساتھ حوالے کی جائے گی کہ اگر تم پہلے مر گئے تو خلافت حسنؓ بن علیؓ کو ملے گی۔ دوسرے یہ کہ جب تک تم زندہ اور خلیفہ ہو ہر سال پانچ لاکھ درہم بیت المال سے ہم کو دیتے رہو، تیسرے یہ کہ دارالجبرد کا خراج میرا حق سمجھا جائے۔" امیر معاویہؓ نے تمام شرائط کو منظور کر لیا اور ایک سادہ کاغذ پر اپنی مہر کر کے دیدیا کہ جو شرائط امام حسنؓ کو پسند ہوں اس پر لکھ لیں اور لوگوں کی گواہیاں کرالیں۔ امیر معاویہؓ کے آدمی حاضر ہوئے اور عبداللہ بن حارث نے جو شرائط پیش کی تھیں ان کو بیان کیا۔ امام حسنؓ نے فرمایا "معاویہ سے جو بیان کیا گیا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد میں خلیفہ ہوں گا صحیح نہیں ہے میں خلافت کا خواہش مند نہیں ہوں۔" اس کے بعد محرر کو بلایا اور یہ صلح نامہ لکھوایا۔

"بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ صلح نامہ حسن بن علیؓ اور معاویہ بن سفیان کے درمیان اس قرارداد پر ہوا ہے کہ (۱) صلح کے ذریعہ خلافت اس شرط پر امیر معاویہؓ کے سپرد کی جاتی ہے کہ جب اس کی وفات کا وقت قریب آئے تو کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کرے خلافت کے معاملہ کو مشورہ پر رہنے دے۔ مسلمان جس کو مناسب سمجھیں خلیفہ بنا لیں (۲) تمام مسلمان اس کے عہد میں امن و امان سے رہیں (۳) علی بن ابی طالب کے دوست، عزیز اور رشتہ دار جہاں ہوں اس کے ہاتھ سے محفوظ رہیں۔

اس کے بعد معاویہ اور اس کا لشکر شام کو واپس چلا گیا اور امام حسنؓ اپنے ہمراہیوں اور اہل و عیال کو لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے اور آخر عمر تک مدینہ ہی میں رہے یہاں تک کہ سنہ ۴۹ھ یا سنہ ۵۰ھ میں آپ نے انتقال فرمایا۔

(۳) واقعہ شہادت

حضرت امام حسنؓ کی زندگی میں حضرت امام حسینؓ کو فتنہ پرداز اور امویوں کی خلافت کے

۵؎ تاریخ اعظم کوفی اردو مطبوعہ دہلی ص ۔۔۔۔

مخالف لوگوں نے بہت کچھ بہکایا اور خلافت بنو ہاشم کے سبز باغ دکھائے لیکن حضرت امام حسینؑ
نے برادر محترم حضرت امام حسنؑ کے نصائح کو پیش نظر رکھ کر ہمیشہ یہی کہا کہ چونکہ برادر محترم نے عہد کیا ہے
اس لئے امیر معاویہ کی زندگی میں کسی مخالف تحریک کی سرپرستی نہیں کر سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت
حسینؑ اپنے برادر معظم حضرت امام حسنؑ کی زندگی میں کبھی کسی ایسی تحریک میں شامل نہیں ہوئے
اور حضرت امام حسنؑ کی وفات کے بعد بھی امیر معاویہ کی زندگی تک کبھی امیر معاویہ کی مخالفت نہیں کی۔
حضرت امام حسنؑ تھے اپنے بزرگ محترم نانا حضرت محمد مصطفیٰ صلعم کے ارشاد والا ان کے لئے تھا

ھذا ابنی سید و لعل اللہ ان یصلح بہ بین طائفتین عظیمتین من المومنین

یعنی میرا یہ بیٹا یعنی حسنؑ سید (سردار) ہے امید ہے کہ خداوند تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی
جماعتوں میں صلح کرا دے۔ کیونکہ مسلمانوں کی جماعت میں محض خلافت کے اختلاف و انشقاق کو
پسند نہیں کیا۔ اور امیر معاویہ کے حق میں خلافت سے دست بردار ہو کر مسلمانوں کے درمیان اتحاد
و اتفاق کو قائم رکھا۔ حضرت امام حسنؑ کی وفات کے بعد حضرت امام حسینؑ نے بھی اسی بنا پر امیر معاویہ
کی خلافت سے اعراض نہیں کیا۔ اور تفویض خلافت کی جو کاروائی آپ کے برادر معظم نے کی تھی اس
پر امیر معاویہ کی زندگی تک برابر قائم رہے۔ اور ان کی خلافت کو ان کی زندگی کے آخر تک مسلمانوں
کی جمعیت [illegible] خلافت تسلیم کرتے رہے۔ بہت ممکن تھا کہ حضرت امام حسنؑ کی وفات کے بعد بعض ان
[illegible] بیعت سے متاثر ہو کر جو وقتاً فوقتاً آپ کو پہنچتی تھیں اور پھر بنو ہاشم کی مسلسل تحریک سے
حضرت امام حسینؑ اپنے برادر [illegible] تفویض خلافت کو حاصل کرنے کی جدوجہد کرتے لیکن حضرت
امام حسینؑ نے [illegible] مصائب کو برداشت کیا لیکن جو عہد برادر محترم نے کیا تھا اس کو توڑ دینا اچھا نہیں سمجھا۔

یزید کو ولی عہد بنانے کی کاروائی | حضرت امام حسنؑ نے سنہ ۵۰ھ یا بقول بعض سنہ ۴۹ھ میں
انتقال فرمایا۔ حضرت امام حسینؑ اور خاندان نبوت کے دوسرے افراد کو آپ کی وفات کا سخت صدمہ ہوا

لیکن بنو ہاشم کے وہ افراد جو خلافت بنو ہاشم کے خواب دیکھ رہے تھے اور اسلامی ممالک کے وہ اشخاص جو فتنہ و فساد پیدا کرنے کے خواہشمند رہتے تھے حضرت امام حسنؓ کی وفات سے خوش ہوئے اسلئے اور صرف اس لئے کہ اب ان کو اموی امارت کے خلاف علم بغاوت بلند کرنے کا موقع ملے گا اور حضرت امام حسینؓ کو آسانی سے خلافت کا منصب قبول کرلینے و بصورت انکار بنو ہاشم میں سے کسی دوسرے شخص کو خلافت کیلئے منتخب کرلینے کا موقع مل جائے گا لیکن بنو ہاشم اور فتنہ پرداز اشخاص کی یہ امید بر آ پوری نہیں ہوئیں اور جو خواب وہ دیکھ رہے تھے حضرت امام حسینؓ کے استقلال سے وہ شرمندہ تعبیر نہیں ہوئے

مدینہ اور کوفہ و بصرہ میں جو مخالفانہ کوششیں جاری تھیں امیر معاویہؓ ان کا گہری نظر سے مطالعہ کرتے رہے تھے اور بساط سیاست پر جو مہرے ایک دوسرے کو تنگ اور شہ دینے کی فکر میں تھے امیر معاویہؓ کی عقاب جیسی نگاہیں ان کو دیکھ رہی تھیں، وہ اس امر پر آمادہ ہو گئے کہ خلیفہ کے انتخاب کے طریقہ کو عام رائے سے بدل دیا جائے۔ اور عام رائے سے خلیفہ کے انتخاب کے دستور کو ختم کر کے .... خلافت کو موروثی قرار دیا جائے موروثی خلافت کا طریقہ چونکہ شرع اور عام رائے کے خلاف تھا اور عام رائے کی تائید حاصل کر کے خلافت کو موروثی قرار دے دینا مشکل کام تھا اسلئے امیر معاویہ نے بتدریج موثر تدبیروں سے اس کام کی ابتداء کو شروع کیا یعنی اول اپنے ہوا خواہوں کو ہموار کیا پھر رعب شاہی اور عہدہ حکومت سے عراق و شام کو اپنا ہم خیال بنایا۔ اس کے بعد ۵۶ھ میں ان تمام لوگوں کو جمع کر کے اپنے بیٹے یزید کو ولی عہد خلافت قرار دے کر اس کی ولایت عہد پر بیعت لے لی۔ اور یہی وہ سب سے بڑا فتنہ تھا جو اسلام میں امیر معاویہ کے طفیل پیدا ہو کر خلافت اسلامیہ کے خاتمہ کا باعث ہوا اور حکومت الٰہیہ کی جو بنیاد آنحضرت نے رکھی تھی اور اس پر قصر خلافت تعمیر ہوا تھا وہ منہدم ہو گیا۔

امیر معاویہؓ اس امر سے اچھی طرح واقف تھے کہ میرے بعد خلافت کا منصب حاصل کر لینے کے لئے بنو ہاشم اور بنو امیہ وغیرہ میں پھر باہمی آویزش شروع ہو جائے گی۔ اور بہت ممکن ہے اس آویزش یا

خوف تھا کہ سلسلۂ خونریزی کے بعد خلافت بنوامیہ کے ہاتھوں سے نکل جائے۔ اسلئے انھوں نے اپنی مصلحتوں کو پیش نظر رکھ کر خلافت کو موروثی قرار دے دیا۔ ان کا یہ فعل ایک بدعت تھی اور اس بدعت کا سنگ بنیاد امیر معاویہؓ نے اپنے ہاتھوں سے رکھا تھا۔ جس نے بدعتوں اور تباہیوں کا کبھی نہ بند ہونے والا دروازہ کھول دیا۔

عراقیوں اور شامیوں اور دوسرے ممالک و امصار کے اپنے ہوا خواہوں کے اجتماع میں یزید کی ولی عہدی کی بیعت لے کر امیر معاویہؓ نے نہایت ہوشیاری سے اول ان شہروں میں اس بیعت کا اعلان کیا جن سے مخالفت کی بہت کم امید تھی اور جب اس کا اطمینان ہو گیا کہ ان شہروں میں مخالفت کی کوئی آواز نہیں اٹھی ہے یا مخالفت ہوئی ہے تو وہ اس قدر کمزور اور پست آواز میں ہے جس کی طرف توجہ نہیں کی جا سکتی ہے۔ تو انھوں نے دوسرے شہروں میں بھی اس کا اعلان کر دیا اور اپنے عمال اور حاکموں کو حکم دے دیا کہ وہ لوگوں سے یزید کی ولی عہدی پر بیعت لے لیں

یزید کی ولی عہدی پر اہل حجاز کی بیعت جس زمانہ میں یزید کی ولی عہدی پر بیعت لینے کے فرمان جاری ہوئے تھے اس وقت مدینہ کا عامل مروان بن حکم تھا۔ مروان کے نام یہ حکم پہنچا تو اس نے اعیان مدینہ حضرت امام حسینؑ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خدمت میں یزید کی بیعت کا معاملہ پیش کیا۔ ان حضرات نے یزید کی ولی عہدی پر بیعت کرنے سے انکار کر دیا۔ امیر معاویہؓ کو اس کی خبر پہنچی تو وہ خود ایک ہزار سواروں کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ پہنچے اور اہل مدینہ کو نرمی و اخلاق سے سمجھایا۔ اہل مدینہ اس قدر لشکر کو دیکھ کر یوں ہی ڈر گئے تھے۔ اور پھر امیر معاویہؓ کی زمانہ ساز باتوں کا اثر بھی ان پر پڑا تھا۔ اس لئے نہ صرف اہل مدینہ بلکہ سارے حجاز نے یزید کی ولی عہدی کو باکراہ تسلیم کر کے بیعت کر لی لیکن مذکورۂ بالا چاروں حضرات نے بیعت نہیں کی۔

امیر معاویہ نے یہ دیکھ کر کہ جب تمام اہل حجاز بیعت کر چکے ہیں ان حضرات پر دباؤ نہ ڈالا اور شام کو واپس چلے گئے۔

یزید کو امیر معاویہؓ کی وصیت امیر معاویہؓ نے اپنی زندگی میں تقریباً تمام ماتحت ممالک و امصار کو یزید کی ولایت عہد پر ہموار کر لیا تھا صرف حجاز کے چند لوگ جن میں مذکورہ بالا جلیل حضرات بھی شامل تھے یزید کی بیعت کے مخالف و منکر تھے ان حضرات کے اقتدار کو ملحوظ رکھ کر امیر معاویہؓ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹے یزید کو نصائح کرتے ہوئے چند خاص ہدایات کیں چنانچہ انھوں نے یزید کو مخاطب کر کے کہا۔

ا۔ میں نے تمہارے راستہ سے تمام موانعات کو دور کر دیا ہے۔ تم تخت خلافت پر بیٹھ کر اہل حجاز سے بہترین سلوک کرنا اور ان کی عظمت و بزرگی کا ہر وقت خیال رکھنا اور ایک مورخ کا بیان یہ ہے کہ امیر معاویہ نے اس سلسلہ میں یہ بھی ہدایت کی تھی کہ اگر اہل حجاز تم سے روزانہ عمال کے عزل کا مطالبہ کریں تو تم ان کے مطالبہ سے انکار نہ کرنا اور ان کی خواہش کے مطابق روزانہ عمال کو بدلتے رہنا۔

۲۔ شامیوں کو تم اپنا ہمدرد و ہمراز سمجھنا اور ان کے مشوروں کی قدر کرنا۔

۳۔ اہل عراق مستقل مزاج نہیں ہیں ان کی خواہشات کا خیال رکھنا۔ اگر وہ روزانہ عمال کے عزل و تقرر کا مطالبہ کریں تو تم ان کی خواہش کو پورا کرنا۔

۴۔ صرف چار آدمی ہیں جن سے میں خائف ہوں۔ اگر تم نے حکمت و دانشمندی سے کام لیا تو آج نہیں کل تم ضرور ان لوگوں کو اپنا ہمنوا بنا لوگے ان میں سے عبد الرحمٰن بن ابوبکرؓ محترم و بزرگ آدمی ہیں اگر تم ان سے اسی طرح خائف رہے جس طرح میں خائف ہوں تو تمہارے حق میں بہتر ہوگا امید ہے کہ وہ جلد یا کچھ دیر بعد تمہاری حکومت کو تسلیم کر لیں گے عبد الرحمٰن بن عمرؓ پرہیزگار اور بے نیاز آدمی ہیں ان کو حکومت اور ملک گیری کی ہوس نہیں ہے اس لئے ان کی جانب سے کسی قسم کا خطرہ نہیں

ہے حضرت حسینؑ حضورؐ کے نواسے اور تمہارے قرابت دار ہیں ان کا ہر وقت خیال رکھنا اور ان کی
باتوں سے درگذر کرنا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نہایت ہوشیار اور چالاک ہیں۔ اگر تم ان پر قابو پا جاؤ تو ان سے
نجات حاصل کر لینا"۔

امیر معاویہ کی وفات اور یزید کی تخت نشینی

امیر معاویہؓ نے چالیس سال حکومت کی وہ بیس سال تک عہدۂ امارت پر سرفراز رہے اور
پھر حضرت امام حسنؓ سے خلافت کو حاصل کر کے بیس سال تک خلافت کے منصب پر فائز رہے۔
پچھتر سال کی عمر پائی اور ۶۰ھ میں وفات پائی۔

امیر معاویہؓ کی وفات کے بعد تخت خلافت پر یزید متمکن ہوا اول اس نے گرد و پیش کے
لوگوں کو جمع کر کے دارالامارت میں ان سے بیعت لی اور پھر مختلف ممالک کے عمال اور حکام کے نام
بیعت لینے کے فرمان جاری کیے۔ تمام ممالک اور امصار کے لوگوں نے یزید کی بیعت کر لی یہاں تک کے
حجاز کے باشندوں نے بھی۔ صرف ان چار آدمیوں میں سے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے تین نے یزید کی بیعت سے
انکار کر دیا۔ یعنی حضرت امام حسینؑ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اور چوتھے منکر
بیعت حضرت عبدالرحمن بن ابوبکرؓ تھے جن کا انتقال معاویہ کے عہد میں ۵۸ھ میں ہو چکا تھا۔

چند روز تو یزید اپنی حکومت کو مضبوط کرنے اور بعض پیچیدگیوں کو سلجھانے میں مشغول رہا اور
جب اس خوف سے اطمینان ہو گیا اور تمام ممالک و امصار میں اس کی خلافت پر اعتماد کر لیا گیا۔ تو اس
نے اپنے عامل مدینہ ولید بن عتبہ بن ابی سفیان کو تاکیدی فرمان بھیجا کہ وہ ان لوگوں سے جنہوں نے
بیعت نہیں کی ہے مجبور کر کے بیعت لے۔ یہ فرمان ولید کے پاس پہنچا تو اس نے حضرت امام حسینؑ
عبداللہ بن زبیرؓ اور عبدالرحمن بن عمرؓ سے بیعت کا مطالبہ کیا عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر اور لوگ
بیعت کر لیں گے تو میں بھی بیعت کر لوں گا اور حضرت امام حسینؑ اور عبداللہ بن زبیرؓ نے بیعت سے قطعاً

انکار کردیا اور بعض مورخین کا بیان ہے کہ حضرت امام حسینؓ نے فرمایا کہ عام اجتماع میں جب اور لوگ بیعت کرلیں گے تو میں بھی بیعت کرلوں گا۔

ابن خلدون کا بیان ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ انکار بیعت کے بعد فوراً ہی مکہ معظمہ کی طرف روانہ ہو گئے اور سکون و اطمینان کے ساتھ چند روز میں مکہ معظمہ پہنچ گئے۔ ولید بن عتبہ نے یزید کو اس کی اطلاع دیدی۔ یزید چونکہ عبداللہ بن زبیرؓ کو اپنا سب سے بڑا حریف خیال کرتا تھا اور ان کی خطرناک سیاست اور خیال حصول خلافت سے واقف تھا اس لئے سب سے پہلے اس نے اسی خار راہ کو ہٹا دینا چاہا اور ابن زبیرؓ کے حقیقی بھائی عمر بن زبیرؓ کو جو بھائی کے سخت مخالف تھے لشکر گراں دے کر مقابلہ کے لئے مکہ معظمہ کی جانب روانہ کردیا۔ عبداللہ بن زبیرؓ نے یزید کے لشکر کو شکست دی اور اپنے بھائی عمر بن زبیرؓ کو گرفتار کر کے قید کردیا اور وہ قید خانہ ہی میں چند روز رہ کر مر گئے۔

امام حسینؓ مکہ میں حضرت امام حسینؓ نے جب دیکھا کہ یزید بیعت پر مصر ہے اور اس کا عامل ولید برابر بیعت کا مطالبہ کر رہا ہے تو انھوں نے اپنے بھائی حضرت محمد بن حنفیہؓ سے مشورہ طلب کیا۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا کہ "سردست نہ تو یزید کی بیعت کیجئے اور نہ سازشی لوگوں کی باتوں میں آکر حجاز سے باہر جانے کا ارادہ کیجئے بلکہ امن و سکون کی جگہ میں قیام اختیار کر کے اپنی خلافت کی دعوت دیجئے"۔ حضرت امام حسینؓ نے پوچھا "مجھکو کہاں قیام کرنا چاہئے"۔ محمد بن حنفیہ نے فرمایا "مکہ معظمہ" میں۔

حضرت امام حسینؓ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اہل و عیال کو لیکر مکہ معظمہ چلے گئے۔ مکہ معظمہ میں امام حسینؓ کا گھر بہت جلد بساط سیاست بن گیا اور کثرت سے لوگ یزید کی بیعت و خلافت پر بحث و گفتگو کے لئے آنے جانے لگے۔ عبداللہ بن زبیرؓ بھی مکہ ہی میں تھے اور دن بھر خانہ کعبہ کے طواف اور نماز میں مشغول رہتے تھے۔ کبھی کبھی امام حسینؓ کے ہاں بھی چلے جاتے اور صورت حال پر بحث و تبصرہ میں حصہ لیتے تھے۔

باشندگان کوفہ نے امیر معاویہؓ کی وفات اور یزید کی خلافت کی خبر پا کر اپنے سردار سلیمان بن صرد سے مشورہ کیا اور یہ قرار پایا کہ یزید کی خلافت کو تسلیم نہ کریں اور امام حسینؑ کو بلا کر خلافت ان کے حوالہ کر دیں اس قرارداد کے بعد کوفیوں نے امام حسینؑ کو خطوط لکھنا شروع کئے جب ڈیڑھ سو خط طلبی کے پہنچ چکے تو امام حسینؑ نے کوفیوں کو لکھا "میں اپنے بھائی مسلم بن عقیل کو بھیجتا ہوں وہ جب صورت حال سے مجھ کو آگاہ کریں گے تو میں روانگی کا قصد کروں گا" کوفہ میں مسلم بن عقیل کے پہنچنے پر سارا کوفہ ان کے ساتھ ہو گیا اور بیشمار کوفیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی مسلم بن عقیل نے حقیقت حال سے امام حسینؑ کو آگاہ کیا اور امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے کوفہ کے قریب پہنچ کر امام حسینؑ کو معلوم ہوا کہ کوفیوں کے وعدے جھوٹے تھے اور جس طرح انھوں نے ان کے والد علیؑ اور بھائی حسنؑ کے ساتھ غداری و بیوفائی کی تھی اسی طرح میرے ساتھ کی ہے اس نتیجہ پر پہنچ کر امام حسینؑ نے واپسی کا ارادہ کر لیا لیکن کوفہ کے حاکم ابن زیاد نے کہا کہ "جب تک تم یزید کی بیعت نہ کر لو گے واپس نہ جا سکو گے" امام حسینؑ نے یزید کی بیعت کو گوارا نہ کیا اور صلح و امن پر جنگ کو ترجیح دی چنانچہ محرم الحرام کی دسویں تاریخ کو حضرت امام حسینؑ اور ان کے ہمراہیوں نے کوفہ کی فوج سے مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد کوفیوں نے امام حسینؑ اور ان کے ساتھیوں کو نہایت سفاکی و بے رحمی سے شہید کر دیا۔

دوسرا باب

کربلا کے خونین مناظر

کوفیوں کو جب یہ اطلاع ہوئی کہ امیر معاویہ رضؓ نے وفات پائی اور یزید بن معاویہ تخت خلافت پر قابض ہو گیا۔ تو انھوں نے حضرت امام حسین کی خدمت میں پیہم خطوط بھیجے جن میں ان سے یہ خواہش کی گئی کہ امیر معاویہ کی وفات کے بعد اب آپ ہی خلافت کے مستحق ہیں والد ماجد حضرت علیؑ کے دارالامارت کوفہ میں تشریف لے آئیے اور بار خلافت کو سنبھالئے کوفہ کے تمام لوگ آپ کے مطیع و فرماں بردار اور بعیت پر تیار ہیں۔ حضرت امام حسینؑ نے ان خطوط کو پا کر اول تو غور کیا اور پھر چند روز صبر و سکون سے واقعات کی رفتار کو دیکھتے رہے لیکن جب خطوط کی آمد برابر جاری رہی اور اعیان کوفہ نے آپ کو عراقیوں کی عام بعیت کا یقین دلایا تو آپ نے کوفہ کی طرف روانگی کا ارادہ کر لیا۔

مکہ معظمہ کے اعیان کو جب حضرت امام حسینؓ کے ارادہ کا علم ہوا تو انھوں نے آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنے کی پوری کوشش کی اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے تو یہاں تک کہا کہ آپ کوفہ کا ارادہ ترک کر دیجئے۔ اور یہیں مستقل اقامت اختیار کر کے اپنی خلافت کی دعوت دیجئے ہم آپ کی بعیت کے لئے تیار ہیں۔ لیکن حضرت امام حسینؑ نے ان مشوروں کو قبول نہیں فرمایا۔ اور اس کی وجہ غالباً یہ تھی کہ حضرت امام حسینؑ کو کوفیوں کے خطوط پر اعتماد ہو گیا۔

مسلم بن عقیل کی روانگی | اہل مکہ اور اعیان بنو ہاشم و قریش نے جب دیکھا کہ امام حسینؑ نے کوفہ کی طرف روانگی اور حصول خلافت کا ارادہ پختہ کر لیا ہے تو انھوں نے مزاحمت ترک کر دی

صرف اتنا کہا کہ پہلے آپ خود تشریف نہ لے جائیں بلکہ کسی دوسرے شخص کو اپنا نائب بنا کر بھیجیں کہ وہ آپ کی طرف سے بیعت لے اور پھر جب بیعت میں کامیابی ہو جائے تو آپ تشریف لیجائیں امام حسینؑ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور اپنے چچازاد بھائی حضرت مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ کر دیا۔ اور ایک خط لکھ کر ان کو دے دیا جس میں کوفیوں کو اطلاع دی گئی تھی کہ "میں اپنے بھائی کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں تم ان کے ہاتھ پر میری بیعت کر لو اگر اعیان شہر نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور انھوں نے کوفہ کی مناسب فضا سے مجھ کو مطلع کیا تو میں بھی جلد سے جلد کوفہ پہنچ جاؤں گا"

مورخین کا بیان ہے کہ حضرت مسلم بن عقیل مکہ سے روانہ ہو کر کوفہ میں پہنچے شیعان علیؑ نے ان کا پرتپاک خیر مقدم کیا اور بہت جلد تیس ہزار آدمیوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ حضرت مسلمؑ کی آمد سے کوفہ میں جوش پھیل گیا تھا۔ اور حضرت امام حسینؑ کی خلافت کی آوازیں سارے کوفہ میں گونج رہی تھیں۔ مسلم بن عقیل نے فضا کو سازگار پایا اور حضرت امام حسینؑ کو اطلاع دیدی کہ آپ تشریف لے آئیں۔

یزید بن معاویہ کی تشویش

یزید بن معاویہ کے جاسوس ہر جگہ لگے ہوئے تھے انھوں نے مکہ معظمہ سے حضرت مسلم بن عقیلؓ کی روانگی حضرت امام حسینؑ کے خط، اور مسلم بن عقیل کی کوفہ میں آؤ بھگت اور بیعت کے تمام حالات سے یزید بن معاویہ کو اطلاع دی یزید ان خبروں سے گھبرا گیا اور اعیان دولت کو بلا کر مشورہ کیا ہوا خواہان حکومت نے جن میں حجازی بھی تھے اور شامی بھی، یہ مشورہ دیا کہ کوفہ کے موجودہ حاکم نعمان بن بشیر کو جو اہل بیت نبویؐ کا ہوا خواہ ہے معزول کر کے عبیداللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کیا جائے اس لئے کہ عبیداللہ بن زیاد خیر خواہ دولت ہے۔ اور بہترین سیاست داں و حاکم یزید بن معاویہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور نعمان بن

بشیر کو معزول کر کے عبید اللہ بن زیاد کو کوفہ کا حاکم مقرر کر دیا اور عبید اللہ بن زیاد بصرہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ یزید بن معاویہ نے عبید اللہ بن زیاد کو یہ حکم دیا کہ کوفیوں کو راہ راست پر لانے کی موثر تدابیر اختیار کرے۔ اور نوبت قتال تک پہنچے تو اس سے بھی دریغ نہ کرے۔

امام حسینؓ کی روانگی

حضرت امام حسینؓ شعبان اور بقول بعض رجب ۶۰ھ میں مدینہ سے روانہ ہو کر مکہ معظمہ میں پہنچے تھے ذی قعدہ ۶۰ھ تک امن و سکون سے آپ مکہ معظمہ میں رہے پھر مسلم بن عقیلؓ کے خطوط آنے پر آپ نے کوفہ کی طرف روانگی کا ارادہ کیا حضرت عبد اللہ بن عمر، عبد اللہ بن زبیر اور عبد اللہ بن عباسؓ نے پھر آپ کو اس ارادہ سے باز رکھنا چاہا لیکن حضرت امامؓ نے ان کے مشورہ کو قبول نہیں فرمایا اور ہر دفعہ جواب میں یہی کہا کہ میں ارادہ کر چکا ہوں۔ میرے ارادہ میں تبدیلی نہیں ہو سکتی عبد اللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اگر مجھ کو اس کا یقین ہوتا کہ آپ کی پیشانی کے بال پکڑ لینے سے آپ کی روانگی رک جائے گی تو میں ضرور ایسا کرتا۔ حضرت امامؓ نے اس پر بھی کہنا نہ مانا آخر مجبور ہو کر ابن عباسؓ نے فرمایا کہ اگر آپ نے روانگی کا پختہ ارادہ کر لیا ہے اور اس قصد میں تبدیلی ممکن نہیں ہے تو پھر آپ کم از کم میری دو باتوں کو ضرور قبول کر لیجئے۔ ایک تو یہ کہ اہل و عیال کو ہمراہ نہ لے جائیے اور دوسرے یہ کہ کوفہ کے بجائے یمن تشریف لے جائیے۔ یمن کا علاقہ محفوظ و مستحکم ہے اور وہاں کے لوگ آپ کے والد ماجد کے عقیدت مند اور خیر خواہ ہیں۔ وہاں آپ کی دعوت کو فروغ حاصل ہو گا اور بہت جلد آپ کامیابی حاصل کر لیں گے حضرت امام حسینؓ نے اس کے جواب میں فرمایا میں جانتا ہوں تمہارا مشورہ خیر خواہانہ ہے۔ لیکن میں جو ارادہ کر چکا ہوں اس کو فسخ نہیں کر سکتا حضرت

امام حسینؑ اعیان بنو ہاشم و قریش کے مشورہ کو یقیناً صحیح اور نیک نیتی پر مبنی جانتے تھے۔ بایں ہمہ انھوں نے ان مشوروں سے فائدہ نہیں اٹھایا اس کی نسبت صرف یہی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امامؑ کو اپنی کامیابی کا یقین ہو چکا تھا اور کوفیوں نے جو خطوط آپ کو لکھے تھے اور پھر مسلم بن عقیلؑ کے جو بیانات پہنچے تھے ان سے آپ نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ کوفہ کا تخت خلافت آپ کا ہے اور صرف آپ کا یا پھر یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ قضا و قدر کا حکم یہی تھا۔ کہ حضرت امام حسینؑ بنو ہاشم کے صحیح مشورہ کو قبول نہ فرمائیں اور کربلا کے خونیں حادثات کا شکار ہوں۔ مختصر یہ کہ حضرت امام حسینؑ اہل و عیال کو ہمراہ لے کر مکہ معظمہ سے نکلے اور کوفہ کی جانب روانہ ہو گئے۔

عبیداللہ بن زیاد کی کوفہ میں آمد

ابن زیاد حضرت امام حسینؑ کے آنے سے پہلے کوفہ میں پہنچ گیا اور دیکھا کہ کوفہ میں حضرت امامؑ کی آمد کا انتظار بے چینی کے ساتھ کیا جا رہا ہے اور باشندگان کوفہ کی بڑی تعداد مسلم بن عقیلؑ کے ہاتھ پر بیعت کر چکی ہے۔ دوسرے روز اس نے اعیان کوفہ کو طلب کر کے جامع مسجد میں تقریر کی اور لوگوں کو بتایا کہ یزید بن معاویہ نے مجھ کو کوفہ کا حاکم بنا کر بھیجا اور یہ حکم دیا ہے کہ خیر خواہان دولت اور فرماں برداران حکومت کے ساتھ میں احسان و سلوک کروں اور باغیوں کی شورش سے ملک کو محفوظ رکھنے کے لئے پوری سختی سے کام لوں اس لئے میں تم کو آگاہ کر دینا چاہتا ہوں کہ تم لوگ امن و سکون کے ساتھ رہو اور حکومت کی مخالفت سے باز رہو ورنہ پھر میں مخالفوں کے ساتھ وہ طریقہ اختیار کروں گا جو انتہائی جابرانہ ہو گا۔ اور ایک بدخواہ کو بھی زندہ نہ چھوڑوں گا۔" اس تقریر سے ہو ا ابن زیاد کی سخت گیری کی عام شہرت سے کوفہ کی آبادی ڈر گئی، اور مسلم بن عقیلؑ کا ساتھ چھوڑ دیا۔ جب مسلم بن عقیلؑ نے کوفیوں

کی غداری کو دیکھا اور اپنے آپ کو بے کس و بے بس پایا تو اپنے ایک خاص مددگار ہانی بن عروہ رضی
کے ہاں پہنچے اور ان کے زنانہ مکان میں چھپ رہے۔

مسلم بن عقیل کی شہادت

ابن زیاد نے جب دیکھا کہ کوفہ میں اس کے اعلان سے خوف و ہراس پھیل گیا ہے۔
اور مسلم بن عقیل کہیں چھپ گئے ہیں۔ تو اس نے بہ خیال خواہش استیصال فتنہ کے لئے حضرت
مسلم کی گرفتاری کے احکام جاری کر دیئے۔ اور جاسوسوں کو ان کی تلاش میں روانہ کر دیا۔ کئی روز
کی تلاش کے بعد پتہ چلا کہ مسلم ہانی بن عروہ کے مکان میں پوشیدہ ہیں فوراً اس نے ہانی بن عروہ
کو طلب کیا اور حکم دیا کہ تم نے مسلم بن عقیل کو جو حکومت کے دشمن ہیں اپنے گھر میں چھپا رکھا
ہے اور یہ ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا نہایت سخت ہے بہتر ہے کہ تم فوراً مسلم بن عقیل کو ہمارے
پاس لے آؤ ہانی بن عروہ نے نہایت جرأت سے ابن زیاد کی اس خواہش کو پورا کرنے سے انکار
کر دیا اس پر ابن زیاد کو غصہ آگیا اور اول ان کو ڈرانے دھمکانے کے لئے مارا پیٹا لیکن جب مار
پیٹ بھی بے نتیجہ رہی اور ہانی نے مسلم بن عقیل کو بتانے سے قطعی انکار کر دیا تو اس نے ہانی
کو قتل کر دیا۔

حضرت مسلم کو جب یہ خبر پہنچی کہ ابن زیاد نے ہانی کو قتل کرا دیا ہے تو وہ ہانی کے
گھر سے باہر نکل آئے اور شاہراہ پر کھڑے ہو کر کوفیوں کو غیرت دلائی اور اپنی مدد پر آمادہ
کیا بہت سے لوگ حضرت مسلم کی غیرت دلانے سے متاثر ہو کر آپ کے گرد جمع ہو گئے اور
دارالامارت پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب ابن زیاد نے منادی کرائی کہ جو شخص مسلم
بن عقیل کو پناہ دے گا یا ان کی حمایت کرے گا۔ اس کو حکومت کا باغی و دشمن تصور کیا
جائے گا۔ تو تمام لوگ حضرت مسلم کو تنہا چھوڑ کر چلے آئے اور ابن زیاد کے آدمیوں نے

ان کو گرفتار کر کے ابن زیاد کے سامنے پیش کر دیا اور ابن زیاد نے ان کو شہید کر دیا۔

امام حسینؑ کے سفر کے حالات

مکہ معظمہ سے روانہ ہو کر جب امام حسینؑ مقام بطن الرمہ پر پہنچے تو آپ نے کوفیوں کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ مسلم بن عقیلؑ کا خط ہمارے پاس پہنچا جس سے یہ معلوم ہوا کہ تم نے میری خلافت پر مسلم بن عقیل سے بیعت کر لی ہے اور تم دل سے میری خلافت کے آرزومند ہو خدا تم کو جزائے خیر دے اور تمہاری کوششوں کو بار آور فرمائے میں عنقریب تمہارے پاس پہنچتا ہوں اطمینان رکھو" یہ خط آپ نے قیس بن مسہر نامی ایک شخص کو دیا اور کوفہ کی جانب روانہ کر دیا مقام قادسیہ پر وہاں کے حاکم حصین بن نمیر نے اس قاصد کو گرفتار کر لیا اور ابن زیاد کے پاس بھیج دیا اور ابن زیاد نے اس سے خط لے کر اس کو قتل کرا دیا۔

ذات عرق کے مقام پر پہنچ کر امام حسینؑ نے ایک شخص سے جو کوفہ سے آرہا تھا کوفہ کا حال پوچھا اس نے بیان کیا کہ کوفی غدار اور بے وفا ہیں۔ ان کا اعتبار نہ کرنا چاہیئے۔

مقام صفاح پر حضرت امام کی ملاقات فرزدق شاعر سے ہوئی اور آپ نے اس سے کوفہ کا حال پوچھا اس نے کہا "کوفیوں کے دل آپ کے ساتھ ہیں۔ مگر ان کی تلواریں حکومت یا بنو امیہ کے ساتھ ہیں۔"

مقام زرود پر پہنچ کر حضرت امامؑ کو ایک مسافر سے معلوم ہوا کہ ابن زیاد نے مسلم بن عقیلؓ اور ان کے خاص مددگار ہانی بن عروہ کو قتل کر دیا ہے اور کوفہ کے عام و خاص سب ابن زیاد کے خوف سے لرزہ براندام ہیں۔ یہ واقعہ سن کر جناب امام نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا رنج و غم آپ پر چھا گیا اور مایوسی آپ پر طاری ہو گئی ہمراہیوں نے یہ کیفیت دیکھی تو جناب امامؑ سے عرض کیا۔ "بہتر یہ ہے کہ جناب یہیں سے لوٹ چلیں کوفہ میں اب ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے

حضرت امامؑ اس مشورہ پر غور کر رہے تھے کہ حضرت مسلم بن عقیلؑ کے بھائیوں نے آگے بڑھ کر عرض کیا "ہم ہرگز واپس نہ جائیں گے جب تک اپنے بھائی مسلم کا انتقام نہ لے لیں گے" حضرت امامؑ یہ سن کر خاموش ہو رہے۔

حضرت امامؑ کے ہمراہیوں میں ایک جماعت ان دیہاتیوں کی بھی تھی جو کوفہ میں حضرت امام حسینؑ کے ساتھ عیش وعشرت کی زندگی بسر کرنے کے خیال سے آئی تھی۔ حضرت امامؑ نے ان کی غرض شمولیت کو محسوس کر کے ان کو طلب فرمایا اور کہا "کوفہ میں اب ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے۔ جن لوگوں نے ہماری اعانت کا وعدہ کیا تھا وہ ہم سے علیحدہ ہو گئے ہیں، اور حکومت کا خوف ان پر چھایا ہوا ہے۔ آئندہ کے سفر میں اب کوئی بھلائی نظر نہیں آتی۔ اس لئے جو لوگ میری ہمراہی ترک کر کے واپس جانا چاہیں میں ان کو خوشی سے اجازت دیتا ہوں" یہ سن کر دیہاتیوں کی جماعت کے لوگ ایک ایک کر کے چلے گئے اور حضرت امامؑ کے ساتھ صرف وہی لوگ رہ گئے جو مکہ معظمہ سے ساتھ آئے تھے۔

حر بن یزید تمیمی سے ملاقات

عبیداللہ بن زیاد نے حضرت امام حسینؑ کی آمد کی خبر پا کر مقام قادسیہ کے حاکم حصین بن نمیر کے نام یہ حکم بھیجا کہ جب امام حسینؑ اس کے علاقہ میں پہنچیں تو وہ اپنے کسی افسر کے ماتحت امام حسینؑ کی نگرانی کے لئے فوج مقرر کر دے۔ اس حکم کے مطابق حصین بن نمیر نے حر بن یزید کو پانچ سو سپاہیوں کو دے کر اس کام پر مقرر کیا اور یہ فوج امام حسینؑ کے قادسیہ سے آگے بڑھ آنے پر ان کے ساتھ ہولی حضرت امامؑ نے پوچھا تم کون ہو تو حر نے کہا مجھکو آپ کی نگرانی پر مامور کیا گیا اور یہ حکم دیا گیا ہے کہ آپ کو عبیداللہ بن زیاد تک پہنچا دیا جائے۔ امام حسینؑ نے فرمایا "میں خود نہیں آیا ہوں تم ہی لوگوں نے خطوط بھیج کر مجھ کو بلایا ہے۔" حر نے کہا "جن خطوط

کا آپ ذکر فرماتے ہیں ہم کو ان کا بالکل علم نہیں ہے۔ اور نہ ہم نے وہ خطوط لکھے ہیں۔ حر کا یہ جواب سن کر حضرت امام نے حر کو کوفیوں کے خطوط نکال کر دکھائے۔ اتنے میں نماز ظہر کا وقت آگیا اور حضرت امام حسینؑ نے حر کی ماتحت فوج اور اپنے ہمراہیوں کو نماز پڑھائی۔

حضرت امام حسینؑ کی تقریر

نماز کے بعد امام حسینؑ نے اپنے ہمراہیوں اور حر کی ماتحت فوج کو مخاطب کر کے ایک تقریر کی جس کے بعض الفاظ یہ ہیں۔

"میں تمہاری طلب پر یہاں آیا ہوں۔ تم نے مجھ کو لکھا تھا کہ ہمارا کوئی امام نہیں ہے آپ آجایئے تاکہ خداوند تعالیٰ ہم کو تمہارے ہاتھ پر بیعت کی توفیق دے، میں آگیا ہوں اگر اب بھی تمہارا خیال یہی ہے تو تم بیعت کے لئے تیار ہو جاؤ۔ ورنہ مجھ کو اجازت دو کہ میں واپس چلا جاؤں۔"

امام حسینؑ کی تقریر کے بعد تمام مجمع پر خاموشی طاری رہی اور کسی نے جواب نہیں دیا عصر کی نماز کے بعد آپ نے پھر خطاب کیا اور فرمایا۔

"لوگو! اگر پرہیزگاری پر قائم رہو مستحق کے حق کو پہچانو تو ہم اہل بیت نبوتؐ ہی ہیں اور موجودہ اعیان حکومت سے خلافت کے زیادہ حقدار ہیں اگر اب تمہاری وہ رائے نہیں رہی جس کا اظہار تم نے خطوط میں کیا تھا تو میں خوشی کے ساتھ واپس جانے پر آمادہ ہوں۔"

حر بن یزید نے اس کے جواب میں کہا "میں حاکم کے حکم کا پابند ہوں البتہ اتنا کر سکتا ہوں کہ ابن زیاد سے دریافت کر کے آپ کو مدینہ اور کوفہ کے سوا دوسرے مقامات میں جانے کی اجازت

دے سکتا ہوں۔ حضرت امام حسینؑ نے اس کو منظور کر لیا اور عمر نے ابن زیاد کو اس کی بابت لکھ دیا۔ ابن زیاد نے جواب میں لکھا کہ حسینؑ کو کبھی نکل جانے یا کسی شاداب و محفوظ مقام پر قیام کرنے کا موقعہ نہ دو اور ایسے مقام پر ان کو لے جا کر اتارو جو کھلا ہوا اور اجاڑ ہو۔" حُر نے ابن زیاد کے اس جواب سے امام حسینؑ کو آگاہ کر دیا۔

امام حسینؑ کربلا میں

مختصر یہ کہ امام حسینؑ حُر کی فوج کے ساتھ ۲۔ محرم ۶۱ھ کو ایک غیر آباد زمین پر پہنچے لوگوں سے آپ نے پوچھا اس جگہ کا کیا نام ہے لوگوں نے کہا "کربلا"۔ حضرت امام حسینؑ نے فرمایا "یہ مقام کرب و بلا ہے۔" یہ مقام پانی سے فاصلہ پر تھا اور دریائے فرات اور اس جگہ کے درمیان ایک پہاڑی حائل تھی۔

عمرو بن سعد کی آمد

حُر بن یزید نے ابن زیاد کو اطلاع دی کہ حسینؑ کربلا میں پہنچ گئے ہیں یہ اطلاع پا کر ابن زیاد نے عمرو بن سعد گورنر رے کو زبردستی چار ہزار سپاہ دے کر امام حسینؑ کے مقابلہ پر روانہ کیا عمرو بن سعد بتاب امام حسینؑ سے مقابلہ کرنا نہ چاہتا تھا اور اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ مصالحت کی کوئی صورت نکل آئے تو بہتر ہے چنانچہ اس نے کربلا پہنچتے ہی حضرت امامؑ کی خدمت میں ایک آدمی بھیجا اور یہاں آنے کی غرض دریافت کی۔ حضرت امام حسینؑ نے جواب میں وہی الفاظ فرمائے جو حُر سے کہے تھے۔ عمرو بن سعد یہ معلوم کر کے کہ جناب امام حسینؑ واپس جانے پر آمادہ ہیں۔ بہت خوش ہوا اور ابن زیاد کو حقیقت حال سے آگاہ کیا۔ ابن زیاد نے جواب میں لکھا کہ حسین ہمارے قبضہ میں آ کر نجات پا جانے کی خواہش رکھتے ہیں۔ اب واپسی اور نجات کی صرف ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ حسینؑ اور ان کے تمام ساتھی یزید بن معاویہ کی بیعت کر لیں عمرو بن سعد نے جناب امام حسینؑ کو ابن زیاد کے اس جواب سے

سے آگاہ کر دیا اور حضرت امامؓ نے یزید کی بیعت سے قطعاً انکار کر دیا۔

مصالحت کی گفتگو

عمر بن سعد کو زیاد نے حکم دیا کہ دریائے فرات پر پہرہ لگا دو کہ حسینؓ کے پاس پانی نہ پہنچنے پائے جس طرح کہ باغیان خلافت نے حضرت عثمانؓ کے پاس نہ پہنچنے دیا تھا عمر بن سعد نے یہ حکم پا کر پانچسو سپاہیوں کو دریائے فرات پر مقرر کر دیا اور ان سپاہیوں نے دریائے فرات کی ہر طرف سے نگرانی شروع کر دی۔ بایں ہمہ ایک روز حضرت عباس بن علیؓ حضرت امام حسینؓ کے بھائی اپنے آدمیوں کو لے کر دریائے فرات پر گئے اور لڑ بھڑ کر بیس مشکیں پانی کی بھر لائے۔ ایک روز حضرت امامؓ نے گفتگو کے لئے عمر بن سعد کو طلب کیا اور خفیہ طور پر باہمی مصالحت کی گفتگو ہوتی لیکن کوئی بات طے نہ پائی مختصر یہ کہ ۲ محرم سے ۹ محرم تک گفتگو کا سلسلہ جاری رہا۔ حضرت امام حسینؓ نے معاملہ کو طے کرنے کے لئے یہ تین شرطیں پیش کیں

(۱) مجھ کو میرے حال پر چھوڑ دو تا کہ میں جہاں سے آیا ہوں وہاں واپس چلا جاؤں

(۲) مجھ کو تنہا یزید کے پاس جا کر معاملہ طے کر لینے دو۔

(۳) مجھ کو خلافت کی سرحد پر بھیج دو۔ وہاں جو کچھ اوروں پہ گذرے گی مجھ پر بھی گذر جائے گی

عمر بن سعد نے ان شرطوں کو ابن زیاد کے پاس لکھ کر بھیجا اور اطلاع دی کہ خدا نے جنگ کی آگ بجھا دی اور اتفاق کی صورت پیدا کر دی ہے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانا چاہئے ابن زیاد بھی ان شرطوں سے متاثر ہو گیا۔ اور مصالحت پر آمادگی ظاہر کی لیکن شمر بن ذی الجوشن نے اس تجویز کی سختی سے مخالفت کی اور یزید بن معاویہ سے ڈرا کر یہ مشورہ دیا کہ اس وقت حسینؓ تمہارے قبضہ میں ہیں۔ اگر اس وقت ان سے بیعت نہ لی گئی اور ان کو نکل جانے کا موقعہ دے دیا تو پھر ان کی اطاعت ناممکن ہے۔ اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ کسی وقت وہ طاقت حاصل کر کے

مقابلہ پر آمادہ ہو جائیں۔ ابن زیاد شمر ذی الجوشن کے ڈرانے سے ڈر گیا اور اس کے مشورہ کو قبول کر کے عمرو بن سعد کے نام یہ خط لکھا کہ "اگر حسینؑ اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ اپنے آپ کو ہمارے حوالہ کر دیں، تو ان سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے ان کو فوراً ہمارے پاس بھیج دیا جائے ورنہ پھر ان سے جنگ کی جائے۔" اس کے بعد ابن زیاد نے یہ خط شمر ذی الجوشن کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ یہ خط تم عمرو بن سعد کے پاس لے جاؤ اگر وہ اس حکم کے مطابق عمل کرے تو تم اس کی ماتحتی میں کام کرو۔ ورنہ فوج کی افسری اس کے ہاتھ سے لے لو۔ اور حسینؑ سے لڑو۔

ایک دن کی مہلت

عمرو بن سعد ابن زیاد کا خط پا کر جنگ پر آمادہ ہو گیا اور محرم ۶۱ھ کو لشکر لے کر امام حسینؑ کی طرف بڑھا۔ عباس بن علیؑ نے ان کے لشکر کو قریب پا کر اور جنگ پر آمادہ دیکھ کر امام حسینؑ کی طرف سے یہ درخواست پیش کی کہ ہم کو ایک دن کی مہلت دی جائے تاکہ ہم پھر ایک مرتبہ معاملہ پر غور و خوض کریں اور ایک روایت یہ ہے کہ حضرت عباسؓ نے عمرو بن سعد سے یہ کہا کہ ہم کو کل ۱۰ محرم تک مہلت دو تاکہ ہم اپنی آخری رات کو تلاوت قرآن اور عبادت میں گذار دیں۔" عمرو بن سعد نے اس درخواست کو قبول کر لیا اور اپنے ماتحت لشکر کو واپس لے گیا۔

صبح عاشورہ

رات بھر عبادت الٰہی، دعا اور جنگ کی تیاریوں میں مصروف رہنے کے بعد عاشورہ کی صبح کو ہمراہیان امام نے امام کے پیچھے نماز فجر ادا کی اور پھر نماز فجر سے فراغت کر کے عمرو بن سعد کا لشکر میدان کربلا میں آیا اور صف باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ امام حسینؑ نے دشمنوں کو صف بستہ پا کر اونٹنی طلب کی اور اس پر سوار ہو کر ابن زیاد کے لشکر کے سامنے پہنچے لشکر کو خطاب کیا۔ اپنا استحقاق خلافت۔ کوفیوں کی طلبی اور خلافت حضورؐ سے اپنی قرابت کا مؤثر الفاظ میں ذکر

کیا، پھر اپنے فضائل بیان کیئے اور آخر میں کہا کہ میں نے کوئی ایسا جرم نہیں کیا ہے جس کی پاداش میں تم مجھ کو قتل کرنا چاہتے ہو مگر تم مجھ کو پسند نہیں کرتے تو موقعہ دو کہ میں یہاں سے چلا جاؤں۔ اس کے جواب میں لشکر ابن سعد کے افسروں نے کہا کہ اپنے آپ کو ہمارے حوالے کر دیں، آپ کے ساتھ کوئی برا سلوک نہیں ہوگا حضرت امام حسینؑ نے فرمایا جب تک اہل بیت کا ایک بچہ موجود ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔

ہمراہیان امام کی صف بندی

امام حسینؓ یہ فرما کر واپس چلے آئے اور اپنے بہتّر ہمراہیوں کو جن میں ۳۲ سوار اور ۴۰ پیدل تھے صف آرا ہونے کا حکم دیا۔ ہمراہیان امام ہتھیاروں سے آراستہ ہوئے اور مخالف کے سامنے صف باندھ کر کھڑے ہوگئے۔

حُر کی آمد

حُر بن یزید نے جب دیکھا کہ عمرو بن سعد جنگ پر آمادہ ہے تو اس کو اپنے اس فعل پر ندامت ہوئی کیوں کہ وہ امام حسینؑ کو گھیر کر ادھر لایا اس خیال نے اس کو بے چین کر دیا آہستہ آہستہ وہ یزیدی لشکر سے گھوڑے پر سوار ہو کر باہر نکلا اور پھر گھوڑے کو دوڑا کر حضرت امام حسین کے ہمراہیوں میں پہنچ گیا اور جناب امام حسینؑ کی خدمت میں حاضر ہو کر اپنے قصور کی معافی طلب کی حضرت امام حسینؑ نے اس کے قصور کو معاف کر دیا اور وہ حضرت امام حسینؑ کے لشکر میں شامل ہوگیا۔

آغاز جنگ

جب دونوں جانب کے نبرد آزما صف بستہ ہوگئے تو عمر بن سعد نے لشکر کے سامنے کھڑے ہو کر اس طرح جنگ کا آغاز کیا کہ اپنی کمان میں تیر جوڑ کر ہمراہیان امام کی جانب تیر

پھینکا اور پھر فریقین کے درمیان تیر برسنے لگے تھوڑی دیر بعد سالم ولیاد دو غلام بنرد آزما ہونے کے لئے لشکر سے باہر آئے اور ہمراہیان امام سے مقابل کو طلب کیا حبیب بن مظاہر اور جریر بن حضیر ہمراہیان امام میں سے مقابلہ کے لئے اجازت کے طالب ہوئے لیکن جناب امام حسینؑ نے عبداللہ بن عمیر کلبی کو مقابلہ پر روانہ کیا جس نے دونوں غلاموں کو بہت جلد ٹھکانے لگا دیا۔ اسی طرح دشمن کے متعدد آدمی مارے گئے جب ابن سعد نے یہ صورت دیکھی تو عام حملہ کا حکم دیا۔ یزیدی لشکر کا بایاں بازو آگے بڑھا اور لشکر امام حسینؑ کے دائیں ہاتھ پر حملہ کرنا چاہا ہمراہیان امام حسینؑ کے داہنے بازو نے اپنے نیزوں کو سیدھا کیا اور گھوڑوں کے منہ پر نیزے مار مار کر ان کو بھگا دیا۔ اس دار وگیر میں ہمراہیان امامؑ نے تیر برسا کر بہت سے آدمیوں کو مار ڈالا۔

عام حملہ

اس کے بعد ابن سعد نے اپنی فوج کو یک بارگی حملہ کا حکم دیا۔ فریقین ایک دوسرے پر حملہ آور ہوئے اس حملہ میں ہمراہیان امام علیہ السلام میں سے مسلم بن عوسجہ ام وہب حبیب ابن مظاہر، حر ابن یزید اور زہیر بن القین شہید ہوئے۔

علی اکبرؑ کی شہادت

حنظلہ ابن سعد کی شہادت کے بعد جب کوئی باقی نہیں رہا تو امام حسینؑ کے بڑے صاحبزادہ حضرت علی اکبرؑ میدان میں آئے بلند آواز سے اپنی خاندانی شجاعت کا ذکر کیا اور اس کے بعد لشکر یزید پر حملہ آور ہوئے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا اور پھر مرہ ابن منقذ کے ہاتھوں جام شہادت نوش فرمایا۔

قاسمؓ بن حسن کی شہادت

پھر جناب امام حسینؓ کے بھتیجے حضرت قاسمؓ میدان میں آئے اور بپھرے ہوئے شیر کی طرح دشمن پر حملہ آور ہوئے بہت سے دشمنوں کو قتل کیا عمرو بن سعد ازدی نے ان کے سر پر تلوار ماری زخم کھا کر وہ گر پڑے۔ اور چچا جان یعنی حضرت امام کو پکارا جناب امامؓ دوڑے گئے اور قاتل پہ وار کیا وہ بھاگ نکلا اور آپ دم توڑتے بھتیجے کی نعش اٹھا لائے اور خیموں کے سامنے حضرت علی اکبرؓ کی نعش کے پاس رکھ دی۔

اہلبیت کے بقیہ بزرگوں کی شہادت

حضرت قاسمؓ کے بعد ان کے بھائی ابو بکرؓ پھر حضرت علیؓ کے صاحبزادے عبداللہ، جعفر اور عثمان داد شجاعت دے کر اور بہت سے دشمنوں کو مار کر شہید ہوئے پھر محمد بن ابی سعید عبداللہ بن مسلم، عبدالرحمن بن عقیل، عبداللہ بن جعفر اور عون بن جعفر یکے بعد دیگرے شہید ہوئے اس حالت میں حضرت امام حسینؓ کے حرم میں بچہ پیدا ہوا جس کو جناب امام کی خدمت میں لایا گیا تاکہ آپ اس کے کان میں اذان پڑھ دیں۔ جناب امام بچہ کے کان میں اذان دے رہے تھے کہ ایک تیر آیا اور بچہ کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ اور اسی وقت اس کی روح پرواز کر گئی۔

عباسؓ بن علی کی شہادت

جب اہلبیت کے تمام افراد شہید ہو گئے تو حضرت عباسؓ برادر معظم و محترم حضرت امام حسینؓ کو دشمنوں کے ہاتھوں سے بچانے کی پوری کوشش کرنے لگے جو تیر ادھر آ رہے تھے ان کو روکتے تھے۔ اور جو شخص قریب آتا تھا اس کو موت کے گھاٹ اتار دیتے تھے۔ اسی طرح بہت سے دشمنوں کو مارا یہاں تک کہ تیروں نے ان کا جسم چھلنی کر دیا آخر اسی حالت میں برادر معظم پر اپنی جان فدا کر دی۔

حضرت امام حسین کی شہادت

حضرت عباسؑ کی شہادت کے بعد حضرت امام حسینؑ اور امام زین العابدینؑ کے سوا اہلبیت میں سے کوئی باقی نہ رہا۔ امام زین العابدین بیمار تھے اور بستر پر پڑے تھے اور حضرت بہتر آدمیوں کی شہادت کے غم میں ہوش و حواس سے بیگانہ تھے آخرا تنے بہتر آدمیوں کی شہادت نے آپ کو زندگی سے بیزار کر دیا۔ اور آپ ہتھیار لگا کر میدان جنگ میں تشریف لے آئے دشمن کی صفوں میں آپ کو دیکھ کر انتشار پیدا ہو گیا۔ ہر شخص مقابلہ پر جاتے اور حضورؐ کے نواسے کو شہید کرنے سے ڈرتا تھا اور جناب امام حسینؑ کی تیغ براں سے بھی خوف زدہ تھا۔ آپ نے دشمنوں پر حملہ کیا بہت سے بہادروں کو تہہ تیغ کیا اور جدھر رُخ کیا صفوں کو ہٹا دیا۔ آخر زرعہ بن شریک تمیمی نے آپ کے شانہ پر تلوار ماری اور سنان بن انس نخعی نے پہلو میں نیزہ مارا آپ زخموں سے نڈھال ہو کر گر پڑے۔ سنان بن انس آگے بڑھا اور آپ کا سر سجدہ میں تن اطہر سے جدا کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ شہادت کے بعد دیکھا گیا تو آپ کے جسم پاک پر ۳۳ زخم نیزوں کے اور ۳۴ زخم تلوار کے تھے۔

تیسرا باب

فضائل اور صفات وغیرہ

حضرت امام حسینؑ کے حالات زندگی اور واقعہ شہادت کے بعد آپ کے فضائل خصائص اخلاق و عادات و اولاد کے حالات کا مطالعہ بھی ضروری ہے اس لئے مختصر طور پر ہدیہ ناظرین ہیں۔

فضائل ۱۔ آیت مباہلہ قل تعالوا ندع ابناءنا و ابناءکم نازل ہوئی تو حضورؐ

نے علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو بلوایا، اور فرمایا: "اے اللہ یہ لوگ میرے اہلبیت ہیں" (مسلم)

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں، حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "حسن اور حسینؓ میری دنیا کے دو پھول ہیں" (بخاری)

۳۔ انسؓ کہتے ہیں کہ حسینؓ رسول اللہؐ سے بہت مشابہ تھے۔ (بخاری)

۴۔ اسامہ بن زیدؓ کہتے ہیں کہ حضورؐ مجھ کو اپنی ایک ران پر بٹھاتے اور دوسری ران پر حسنؓ یا حسینؓ کو بٹھاتے اور فرماتے "اے اللہ ان پر رحم کر میں ان پر مہربانی کرتا ہوں" (بخاری)

۵۔ ابو سعیدؓ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے "حسن اور حسین نوجوان جنتیوں کے سردار ہیں" (ترمذی)

۶۔ اسامہؓ کہتے ہیں میں ایک ضرورت سے رات کو نبی صلعم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ گھر کے اندر سے چادر میں کسی چیز کو چھپائے ہوئے باہر تشریف لائے میں نے پوچھا "حضورؐ یہ آپ کیا چیز لئے ہوئے ہیں" آپ نے چادر کو ہٹا کر دکھایا تو وہ حسن اور حسین تھے جو آپ کے دونوں کولہوں یا بغلوں میں تھے اور آپ ان کو چادر میں چھپائے ہوئے تھے پھر آپ نے فرمایا "یہ دونوں میرے اور میری بیٹی کے بیٹے ہیں، اے اللہ میں ان سے محبت کرتا ہوں اور جو شخص ان سے محبت کرے اس سے بھی تو محبت کر" (ترمذی)

۷۔ انسؓ کہتے ہیں حضورؐ سے پوچھا گیا "اہل بیت میں کون شخص آپ کو سب سے زیادہ پیارا ہے" آپ نے فرمایا "حسن اور حسین" آپ حسن اور حسین دونوں کے جسموں کو سونگھتے اور گلے سے لگاتے تھے" (ترمذی)

۸۔ یعلیٰ ابن مرہ کہتے ہیں حضورؐ نے فرمایا ہے کہ "حسینؓ مجھ سے ہے اور میں حسینؓ سے ہوں جس نے حسینؓ سے محبت کی خدا نے اس سے محبت کی اور حسینؓ سبط ہے اسباط میں سے یعنی

میری بیٹی کا بیٹا ہے!" (ترمذی)

صفات

حلم اور تواضع حضرت امام حسینؓ انتہا درجہ کے بردبار اور متواضع تھے۔ حضرت امام حسنؓ نے جب خلافت امیر معاویہ کے حوالہ کر دی تو مخالفوں نے ان کو برا بھلا کہا یہاں تک کہ بعض لوگوں نے "مسلمانوں کے لئے ننگ و عار" اور مسلمانوں کے چہروں کو سیاہ کر دینے والا" الفاظ تک استعمال کئے امام حسینؓ نے ان تمام باتوں کو سنا اور صبر کیا اور ایک حرف اپنی زبان سے نہ کہا۔

ابن قتیبہ کا بیان ہے کہ امیر معاویہ کی بیعت خلافت کی تکمیل کے بعد شیعیان کوفہ کا سردار سلیمان بن صرد امام حسنؓ کی طرف سے مایوس ہو کر حضرت امام حسینؓ سے ملا اور ان کو جنگ کی ترغیب دی امام حسین علیہ السلام نے فرمایا "جب تک معاویہ زندہ ہیں اس وقت تک ہر مسلمان کو یہ چاہئے کہ وہ اپنے گھر کا ٹاٹ (فرش زیریں) بن جائے (یعنی خاموش پڑا رہے)" اس کے بعد امام حسینؓ نے فرمایا "سلیمان! تمہاری طرح میں بھی معاویہؓ کی بیعت کو بہتر نہیں سمجھتا ہوں لیکن اب معاویہؓ کے مرنے کے بعد ہی اس مسئلہ پر غور کیا جائے گا اس وقت ہم اور تم دونوں مل کر جو مناسب ہو گا کریں گے۔"

حضرت امام حسینؓ اگرچہ منکسر مزاج اور متواضع تھے لیکن انتہا درجہ کے خود دار بھی تھے ایک شخص نے آپ کی خودداری کو تکبر پر محمول کیا اور آپ سے اس کی شکایت کی آپ نے انکسار کے ساتھ حقیقت کو سمجھایا اور اس کی شکایت کو رفع کر دیا۔

سخاوت امام حسینؓ کی سخاوت اور داد و دہش کے بہت سے واقعات مشہور ہیں ایک مرتبہ آپ کی ایک لونڈی نے گلدستہ کی ایک شاخ آپ کی خدمت میں پیش کی اور آپ کو دعا دی آپ

بہت خوش ہوئے اور لونڈی سے کہا "جا میں نے تجھ کو آزاد کیا" اس واقعہ کا راوی کہتا ہے کہ میں نے امام حسینؓ سے عرض کیا "آپ نے ایک شاخ ریحان کے بدلے ایسی خوبصورت لونڈی کو کیوں آزاد کر دیا۔" آپ نے فرمایا "انس (راوی کا نام) یہ خدا کا سکھایا ہوا ادب ہے کیا تم نے یہ آیت نہیں پڑھی واذا حییتم بتحیۃ فحیوا باحسن منھا (یعنی جب تم کو کوئی شخص تحفہ دے تو بدلے میں اس سے اچھی چیز دو) میرے نزدیک اس کے تحفے شاخ ریحان کا بدلہ اس کے آزاد کرنے سے بہتر نہ تھا۔" —— ایک مرتبہ آپ کے بڑے بھائی امام حسنؓ نے آپ کے نام ایک خط لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "برادر عزیز! تم شاعروں کو زیادہ انعام دیا کرتے ہو اس کا کیا سبب ہے" امام حسینؓ نے اس کے جواب میں لکھا کہ "انت اعلم منی بان خیر المال ما وقی العرض (آپ مجھ سے زیادہ اس بات سے واقف ہیں کہ بہترین مال وہی ہے جو آدمی کی عزت کا محافظ ہو۔"

ادب بزرگان | امام حسینؓ بزرگوں کے ادب و احترام کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے تفویض خلافت کے بعد لوگوں نے امام حسینؓ کو بہت کچھ بہکایا اور ورغلایا اور خلافت کی ترغیب دی۔ لیکن بڑے بھائی کے ادب و احترام کے خیال سے انھوں نے کسی ترغیب اور مشورہ پر کان نہ دھرا اور جو عہد بڑے بھائی نے کیا تھا اس پر قائم رہے۔

ایک مورخ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام حسینؓ اور امام حسنؓ کے درمیان کسی بات پر شکر رنجی ہو گئی۔ محمد بن حنفیہؓ نے صلح کرا دینے کی کوشش کی آپ پہلے امام حسینؓ کے پاس گئے اور کہا "آپ چھوٹے بھائی ہیں اور امام حسنؑ بڑے اس لئے آپ کو ان کے پاس جا کر دل صاف کر لینا چاہیئے۔" امام حسینؑ نے فرمایا "بھائی جان! نانا جان نے فرمایا ہے کہ جب دو شخص شکر رنجی کے بعد صلح کرنی چاہیں تو جنت میں پہلے وہ شخص داخل ہوگا جو صلح میں پیشقدمی کرے گا اس لئے

مجھے شرم آتی ہے کہ میں اپنے بڑے بھائی سے پہلے جنت میں داخل ہوں۔" یہ سن کر محمد بن حنفیہؓ امام حسنؑ کے پاس گئے اور امام حسینؑ کی بیان کی ہوئی حدیث سنائی امام حسنؑ نے فرمایا "میرے بھائی نے بلاشبہ صحیح حدیث بیان کی ہے۔" یہ کہہ کر آپ کھڑے ہو گئے اور امام حسین کے پاس پہنچکر صلح کر لی۔

ازواج و اولاد

حضرت امام حسینؓ نے اپنی عمر میں متعدد شادیاں کی تھیں لیکن کسی صحیح روایت سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کی پہلی شادی کب اور کس سے ہوئی تھی بیویوں کے علاوہ آپ کے حرم میں لونڈیاں بھی تھیں جو اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں مدینہ میں لائی جاتی تھیں اور تقسیم کی جاتی تھیں اور ان میں سے امام حسینؑ کو بھی حصہ ملتا تھا بعض مورخین کے بیان کے مطابق آپ نے اپنی عمر میں پانچ عورتوں سے نکاح کیا تھا جن کے حالات یہ ہیں۔

ا۔ لیلیٰ بنت مرہ بن عروہ بن سعود ثقفیہ ان کے بطن سے علی اکبر پیدا ہوئے جو کربلا کے معرکہ میں اپنے والد کے ساتھ تھے اور جنگ میں شہید ہو گئے۔

۲۔ رباب بنت امرء القیس ان کے بطن سے حضرت سکینہ اور حضرت عبداللہ پیدا ہوئے رباب کا انتقال واقعۂ کربلا کے ایک سال بعد ہوا بعض مورخین نے عبداللہ کا نام علی اصغر بتایا ہے اور ظاہر کیا ہے کہ علی اصغر بھی کربلا میں شہید ہوئے تھے اور یہ کہ عبداللہ رباب کے بطن سے نہیں قضاعہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

۳۔ قضاعہ بعض مورخ کہتے ہیں ان کے بطن سے کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا بعض کہتے ہیں ان کے بطن سے جعفر پیدا ہوئے اور بلوغ سے پہلے فوت ہو گئے بعض کا بیان یہ ہے کہ کربلا کے میدان میں اپنے والد کے پاس کھڑے تھے کہ ایک کوئی کے تیر سے شہید ہو گئے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ کربلا میں جو صغیر سن بچہ شہید ہوا تھا اس کا نام عبداللہ تھا۔

۵۔ شہربانو یزدجرد بن شہریار شاہ فارس کی پوتی تھیں ان کے حالات تاریخوں میں نظر سے نہیں گزرے ابن جوزی محدث نے ربیع الابرار مولفہ زمخشری سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ فارس کی فتوحات میں یزدجرد شاہ فارس کے خاندان کی تین لڑکیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح ان کو بازار میں بیچنے کا حکم دیا حضرت علیؓ نے کہا کہ بادشاہ کی بیٹیوں کیساتھ شاہانہ سلوک مناسب ہے اول ان لڑکیوں کی قیمت تجویز کروا اور پھر جو شخص اس قیمت کو دے اس کے حوالہ کر دینی چاہئیں چنانچہ قیمت تجویز ہوئی اور حضرت علیؓ نے مجوزہ قیمت ادا کر کے تینوں کو خرید لیا اور حضرت شہربانو کو آزاد کر کے حضرت امام حسینؑ کے عقد میں دیدی گئیں اور بقیہ دو کو عبداللہ بن عمرؓ اور محمد بن ابی بکرؓ کے عقد میں دیا گیا ان تینوں سے تین مشہور شخص پیدا ہوئے یعنی امام زین العابدین سالم اور قاسم اگر یہ روایت درست ہے تو کہا جا سکتا ہے کہ حضرت امام حسینؑ کا سب سے پہلا نکاح حضرت شہربانوؓ سے ہوا تھا اس لئے کہ حضرت شہربانو ۲۱ھ میں گرفتار ہو کر آئی تھیں اور اس وقت حضرت امام حسینؑ کی عمر صرف بارہ سال کی تھی مختصر یہ کہ حضرت شہربانو کے بطن سے دو بیٹے پیدا ہوئے علی اوسط اور علی اصغر

اس مختصر تشریح کے بعد یہ بتانا ضروری ہے کہ مورخین میں حضرت امام حسینؑ کی اولاد کی نسبت بڑا اختلاف ہے بعض کہتے ہیں آپ کے چھ صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں تھیں اور بعض کا بیان یہ ہے کہ چار لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں محدث ابن جوزی کی تحقیق یہ ہے کہ علی اکبر علی اصغر اور جعفر تین لڑکے تھے اور فاطمہ و سکینہ دو لڑکیاں تھیں بہر نوع عام روایت کی بنا پر یہ مسلم ہے کہ امام حسینؑ کے تین لڑکوں کا نام علی تھا ان میں سے علی اکبر اور علی اصغر کربلا میں شہید ہو گئے اور علی اوسط جن کا دوسرا نام امام زین العابدین ہے کربلا سے صحیح و سالم مدینہ واپس آ گئے جن سے سادات حسینی کا سلسلہ چلا ہے۔

امام زین العابدینؑ کی اولاد کا مختصر حال

امام زین العابدینؑ کے آٹھ صاحبزادے تھے محمد باقر زید عبداللہ عبیداللہ حسن حسین علی عمر

شیعوں کے فرقۂ اثنا عشریہ کے بارہ اماموں میں پہلے علیؑ دوسرے حسنؑ تیسرے حسینؑ چوتھے زین العابدین ہیں امام زین العابدین کی اولاد میں سے چھ کی نسل چلی اور دو لڑکوں نے بڑی عظمت حاصل کی محمد باقرؑ نے جو اثنا عشریوں کے پانچویں امام ہیں اور زیدؑ نے جن کو کوفیوں نے ورغلا کر پھر حصول خلافت پہ آمادہ کر لیا تھا اور اموی خلیفہ ہشام کے عہد میں اس سے کافی مناقشہ ہوا تھا۔

امام محمد باقرؑ کے تین لڑکے ہوئے جعفر۔ عبداللہ۔ ابراہیم ان میں سے عام روایت کی بنا پہ حضرت جعفرؑ سے سلسلۂ نسل چلا جو فرقۂ اثنا عشری کے چھٹے امام ہیں انھیں کو امام جعفر صادق کہا جاتا ہے۔

امام جعفر صادقؑ کے چھ بیٹے تھے اسمٰعیل عبداللہ۔ اسحٰق محمد۔ علی۔ موسیٰ ان میں سے چار کا سلسلہ نسل چلا اور اسمٰعیل ان میں مشہور ہوئے امام اسمٰعیل فرقۂ اسمٰعیلیہ کے امام ہیں اثنا عشری ان کو امام نہیں مانتے موسیٰ کو امام مانتے اور کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق نے اسمٰعیل سے ناراض ہو کر موسیٰ کو اپنا جانشین مقرر کر دیا تھا یہ ساتویں امام ہیں۔

امام موسیٰ کاظمؑ ان کے بیس لڑکے ہوئے جن میں سے چودہ کا سلسلۂ نسل جاری رہا ان میں سے علی رضا کو خاص فضل و کمال حاصل تھا جو فرقۂ اثنا عشری کے آٹھویں امام ہیں۔

امام علی رضاؑ ان کے پانچ لڑکوں کا سلسلۂ نسل چلا ان میں سے حضرت امام محمد تقی بہت مشہور ہیں جو فرقۂ اثنا عشری کے نویں امام ہیں۔ امام محمد تقی کے دو لڑکے تھے علی اور موسیٰ دونوں کا سلسلۂ نسل جاری ہوا حضرت امام علی نے بہت شہرت حاصل کی جو فرقۂ اثنا عشری کے دسویں امام ہیں

امام علی نقیؑ کے تین لڑکے ہوئے حسن حسین جعفر ان میں سے حسن فرقۂ اثنا عشریہ کے گیارہویں امام ہیں

امام حسنؑ جن کو عسکری کہا جاتا ہے آپ کا صرف ایک لڑکا تھا جو بچپن ہی میں گم ہو گیا تھا اس کا نام محمد تھا انھیں کو اثنا عشری بارہواں امام مانتے اور امام غائب و منتظر کہتے ہیں ان کا خیال ہے امامت ان پر ختم ہو گئی اور یہ آخری دور میں ظاہر ہو کر امامت کے فرائض انجام دیں گے۔ تمت

إِنَّمَا يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا ۝

(اے اہلبیت یقیناً اللہ چاہتا ہے، تم کو ناپاکی سے محفوظ رکھے اور پاک رکھے جیسا کہ پاک رکھنے کا حق ہے)

دوسرا حصّہ

کربلا کے غمناک واقعات

شہادت نامہ منظوم

مقتبس از مراثی مداح اہلبیت

انیس مرحوم

شہادت نامہ منظوم

دعا اور حمد باری تعالیٰ

یارب چمن نظم کو گلزار ارم کر
اے ابر کرم خشک زراعت پہ کرم کر
توفیض کا مبدا ہے توجہ کوئی دم کر
گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر

جب تک یہ چمن ہمہ کے پہ توسے نہ جلائے
اقلیم سخن میرے قلمرو سے نہ جائے

اس باغ میں چشمے ہیں ترے فیض کے جاری
بلبل کی زباں پہ ہے تری شکرگذاری
ہر نخل برومند ہے یا حضرتِ باری
پھل ہم کو بھی مل جائے ریاضت کا ہماری

وہ گل ہوں عنایت چمن طبع نکو کو
بلبل نے بھی سونگھا نہ ہو جن پھولوں کی بو کو

مدح حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

فخرِ ملک و اشرفِ آدمؑ ہے محمدؐ
اکلیلِ سرِ عرشِ معظم ہے محمدؐ
مقصد کہ خداوندِ دو عالم ہے محمدؐ
آخر ہے مگر سب سے مقدم ہے محمدؐ

ایسا کوئی محرم نہیں اسرار احد کا
حال اس سے ہے پوشیدہ ازل کا نہ ابد کا

مختار دو من باعثِ افلاک نبیؐ ہے — والا گہر قلزم لولاک نبیؐ ہے
مصباح حریم حرم پاک نبیؐ ہے — شیرازۂ مجموعۂ ادراک نبیؐ ہے
عالم میں وہ آیا تھا پہ دل سوئے خدا تھا
حق اس کا رضا جو وہ رضا جوئے خدا تھا

مخزن عنایت خدا سب پہ محمدؐ کے ہیں احسان — اس شاہ کے ہیں خوان کرم کے سب ہی مہماں
وہ اصل ہے اور فرع ہے سب عالم امکاں — تھا خلق وہ عالم سے وہی مقصد یزداں
باطن میں بھی فیض اسکا ہے ظاہر بھی وہی ہے
اول بھی ہے سب سے وہی آخر بھی وہی ہے

اللہ نے دی تھی اسے کونین کی شاہی — امی تھے پہ تھا دل میں بھرا رازِ الٰہی
دی سنگ نے بھی اس شہ کی رسالت پہ گواہی — اشجار بھی آئے بانہ سے اس کے ہوئے راہی
دی مردوں کو جاں سبز کیا خشک شجر کو
دو کر دیا انگلی کے اشارے سے قمر کو

بے سایہ جو مشہور وہ سلطان عرب ہے — پیش عقلا وجہ یہ ہے اسکا یہ سبب ہے
ہے کون عدیل اس کا کہ وہ سایۂ رب ہے — دنیا میں کسی سایہ کا سایہ کہو کب ہے
ہے دوسری یہ وجہ کہ وہ جانِ جہاں تھا
بے سایہ ہو وہ جاں کی طرح سایہ کہاں تھا

حضرت امام حسینؑ کے فضائل و مناقب

حقا کہ عجب مرتبۂ سبطِ نبیؐ ہے — کیا خالق اکبر نے شرافت اُسے دی ہے

۱۔ اشارہ ہے حدیث قدسی کی طرف لولاک لما خلقت الافلاک یعنی خدا فرماتا ہے کہ اے محمدؐ اگر میں تم کو پیدا نہ کرتا تو آسمان کو بھی پیدا نہ کرتا ۱۲

ہے فاطمہؑ ماں نانا نبیؐ باپ علیؑ ہے بچپن سے وہ مقبولِ جنابِ احدی ہے
جبریلؑ سوا کیا کوئی اس راز کو جانے
جس شے پہ ہٹا ہے وہ ہی بھیجی ہی خدا نے

اک سال ہوئی شہر مدینہ میں گرانی دانہ ہوا نایاب کہ برسا نہ تھا پانی
خلقت نے مناجات بھی کی نذر بھی مانی جز اشک زمیں پہ نہ ہوئی قطرہ فشانی
غلہ کے لئے خلق ترستی تھی زمیں پر
پانی کے عوض آگ برستی تھی زمیں پر

سب مل کے گئے پاس محمدؐ کے بصد غم کی عرض کہ اے کعبۂ دیں قبلۂ عالم
ہیں آپ تہی دستیٔ امت سے تو محرم پانی جو نہ برسے گا تو بچنے کے نہیں ہم
آپ آیۂ رحمت ہیں عطا کیجئے مولا
مینہ برسے خدا سے یہ دعا کیجئے مولا

حضرتؐ نے انھیں مضطرب الحال جو پایا دل آپ کا امت کی غریبی پہ بھر آیا
شبیرؑ کا منہ چوم کے اس طرح سنایا اللہ نے ہے عقدہ کشا تم کو بنایا
حق سے طلبِ بارشِ باراں کرو بیارے
مشکل مری امت پہ ہے آساں کرو بیارے

زانوئے پیمبرؐ سے اٹھے سبطِ پیمبرؐ قبلہ کی طرف منہ کیا اور کھول دیا سر
خالق سے کہا چھوٹے سے ہاتھوں کو اٹھا کر بندوں پہ بس اب رحم کر اے خالقِ اکبر
ساحت کی گرانی ہوئی افزائی ہے غم کی
مشتاق ہے خلقت تمہ سے باراں کرم کی

جس دم یہ محمدؐ کے نواسے نے دُعا کی گردوں پہ گھٹا چھا گئی قدرت سے خدا کی
برسانے لگی پانی کو تحریک ہوا کی یہ رعد نے بجلی کے چمکتے ہی صدا کی
عالم کی طرف رحمتِ حق کی جو نظر ہے
فرزندِ محمدؐ کی دعا کا یہ اثر ہے

حضرت امام حسینؑ کی پیدائش

ہاں اے فلک پیر نئے سر سے جواں ہو اے ماہِ شب چاردہم نور فشاں ہو
اے ظلمت غم دیدۂ عالم سے نہاں ہو اے روشنیٔ صبح شب عید عیاں ہو
شادی ہے ولادت کی ید اللہ کے گھر میں
خورشید اترتا ہے شہنشاہ کے گھر میں

یا ختمِ رسل گوہرِ مقصود مبارک یا نورِ خدا رحمتِ معبود مبارک
یا شاہِ نجف شادیٔ مولود مبارک یا خیر نساءؑ اختر مسعود مبارک
رونق ہوسوا نور دو بالا ہے گھر میں
اس ماہ دو ہفتہ کا اجالا ہے گھر میں

قربان شب جمعۂ شعبان خوش انجام پیدا ہوا جس شب کو محمدؐ کا گل اندام
قائم ہوا دین احمد بڑھی رونق اسلام ہم پلۂ صبح شب معراج تھی وہ شام
خورشید کا اجلال و شرف بدر سے پوچھو!
کیا قدر تھی اس شب کی شب قدر سے پوچھو

مژدہ یہ سنا احمد مختار نے جس دم بس شکر کے سجدہ کو جھکے قبلۂ عالم
آئے طرف خانۂ زہرا خوش و خُرم فرمایا مبارک پسر اے ثانیٔ مریم

چہرہ مجھے دکھلاؤ وہ ہے نورِ نظر کا
ٹکڑا ہے یہ فرزند محمدؐ کے جگر کا

شعباں کی ہے تاریخ سوم روزِ ولادت
اور ہے دہم ماہِ عزا یوم شہادت
دونوں میں بہر حال ہے تحصیل سعادت
وہ بھی عمل خیر ہے یہ بھی ہے عبادت
مداح ہوں کیا کچھ نہیں اس گھر سے ملا ہے
کوثر ہے صلہ اس کا بہشت اسکا صلہ ہے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے فضائل و مناقب

عرشِ خدا مقامِ جناب امیرؑ ہے
کرسی بھی تختِ بامِ جنابِ امیرؑ ہے
مسطور بر لوح نامِ جناب امیرؑ ہے
آیاتِ حق کلامِ جناب امیرؑ ہے
ایسا کسی کو خلق میں رتبہ ملا نہیں
ساری خدا کی شان ہے لیکن خدا نہیں

اندحال یہ عبادتِ حیدرؑ کا ہے رقم
حمدِ خدا سوا نہ گذرتا تھا کوئی دم
پڑھتا تھا جب نماز وہ شاہنشہ امم
خوفِ خدا سے کانپتے تھے سر سے تا قدم
احوال تھا یہ سجدہ میں اس خوش خصال کا
ہوتا تھا فاطمہؑ کو گماں انتقال کا

ادنیٰ سا یہ سخاوتِ حیدر کا ہے بیاں
عالم پہ جرأتِ اسد اللہ ہے عیاں
مشہور تھا وہ ناصرِ پیغمبرؐ زماں
کیں فتح اہلِ کفر کی کیا کیا لڑائیاں
جتنے دلاورانِ جہاں اور دلیر ہیں
شیرِ خدا کی ضرب کی دہشت سے زیر ہیں

بدر و حنین و کعبہ و خیبر سے تا اُحد — ہر جنگ میں علیؑ نے محمدؐ کی، کی مدد
دستِ خدا کا وار کسی سے ہوا نہ رد — اس ادعا راست پہ ہے لافتیٰ سند

بُرّش پہ ذوالفقار کی قاطع دلیل ہے
اب تک دو نیم جس سے پرِ جبرئیل ہے

ہجرت زمین کعبہ سے جب مصطفےٰ نے کی — اس روز مصطفےٰ کی مدد مرتضیٰ نے کی
فیصل لڑائی بدر کی شیرِ خدا نے کی — جنگ احد میں فتح اسی مقتدیٰ نے کی

واللہ اس سے زورِ عیاں لاتعد ہوا
قتل اس کے ہاتھ سے عمر عبدود ہوا

خیبر میں مصطفےٰ ہوئے جب گرمِ کارزار — سہ روزہ جنگ سے ہوئے کافر نہ جب قرار
تب آگیا جلال میں محبوبِ کردگار — فرمایا شام کو یہ پیمبر نے یوں پکار

بھیجوں گا کل اسے جو مرادِ ستار ہے
کرار ہے وہ شخص نہ جسکو فرار ہے

سلمانؓ آئے پاس علیؑ کے بصد شتاب — بولے کہ یا ابا الحسنؑ و یا ابا تراب
تم کو بلاتے ہیں کے رسولِ فلک جناب — وا ہوگا آج قلعۂ خیبر کا تم سے باب

روشن ہوا جو تمہیں یہ امامِ مبین پہ
رو کر سرِ نیاز جھکایا زمین پہ

حضرت علی کی شہادت

آئی مہ صیام کی انیسویں جو شب — کلثومؑ سے طعام علیؑ نے کیا طلب
وہ لائیں نانِ جو نمک و شیر اور رطب — بیٹی سے تب علیؑ نے کہا از رہ غضب

کیا چاہتی ہو تم کہ علیؑ پہ عتاب ہو
محشر میں میرے واسطے طول عذاب ہو

جس دن سے سوئے خلد سدھارے ہیں مصطفےٰ
دو نعمتیں کبھی نہیں کھائی ہیں ایک جا

کلثومؑ نے لیا رطب و شیر کو اٹھا
حضرت نے تین نعمتوں پہ اکتفا کیا

روئیں جو بیٹیاں تو کہا یہ زبان سے
ہے آرزو سبک میں اٹھوں اس جہاں سے

افطار کر کے روزہ کو مولائے روزہ دار
اُٹھے نماز شب کے لئے شاہ ذوالفقار

پھر تھا تمام رات عجب ان کو اضطرار
انگنائی میں علیؑ نکل آتے تھے بار بار

دل سوئے حق تھا آنکھ سوئے آسمان تھی
تھی سامنے اجل کہ شب امتحان تھی

کہتے تھے اپنی ریش مبارک کو وہ جناب
ہوئے گا صبح خون کا اس کے لئے خضاب

جاتا رہا تھا زینبؑ و کلثومؑ کا بھی خواب
تھا مرتضیٰ علیؑ سے سوالات کو حجاب

مایوس گفتگو سے جو بابا کے ہوتی تھیں
باہیں گلے میں ڈال کے بابا کے روتی تھیں

لیکر بلائیں دونوں یہ کہتی تھیں بابا جان
کیوں نیند آپ کو نہیں آتی ہے ایک آن

کیوں فال بد نکالتے ہیں آپ ہر زماں
کیوں بار بار دیکھتے ہیں سوئے آسماں

ہے زندگی ہماری جو جینے سے آپ کے
ہم دونوں بیٹیاں ہوں فدا ایسے باپ کے

حضرت نے بیٹیوں کو گلے سے لگا لیا
ہاتھوں کو چوم زینبؑ و کلثومؑ سے کہا

اب وقت عنقریب ہے کوس رحیل کا   کچھ اس مقام میں نہیں چارہ بجز خدا

وارث تمہارا اب یہ حسنؑ خستہ جان ہے
بس کل کے روز اور علیؑ میہمان ہے

القصہ تھی ابھی وہ شب قتل ناتمام   پیش سحر رواں ہوا مسجد میں وہ امام
دامن امام کا لیا مرغابیوں نے تھام   ان کو ہٹا دیا تو علیؑ نے کیا کلام

اے بیبیو درشت نہ ہو جانور ہیں یہ
دامن سے مت چھڑاؤ مرے نوحہ گر ہیں یہ

مسجد میں آن کر کہی مولاؑ نے تب اذاں   قطامہؔ نے سنی غرض آوازِ ناگہاں
اس نے جگا دیا بیٹے کو ملجم کے موہناں   مسجد میں آ کے لیٹا وہ مانندِ خفتگاں

فرصت اذاں سے جب ہوئی شاہ حجاز کو
محراب میں ادا لگے کرنے نماز کو

اس وقت ابن ملجم ملعون بھی اُٹھا   لگ کر ستوں سے مسجد کوفہ میں چھپ رہا

ؔ امیر معاویہ سے صلح ہونے کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہ کوفہ میں قیام پذیر ہوئے آپ کی سپاہ کی ایک بڑی جماعت آپ سے محض اس بنا پر ناراض تھی کہ آپ نے صلح کیوں کی اس کا نام خوارج قرار پایا حضرت علیؑ نے خارجیوں سے جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو مار ڈالا ان مقتولوں میں قطام نام ایک حسین وجمیل عورت کے بھائی اور باپ بھی تھے عبدالرحمن بن ملجم ایک خارجی اس عورت پہ عاشق ہو گیا اور اس سے نکاح کی خواہش کی عورت نے کہا میرا نکاح تجھ سے اس وقت ہو سکتا ہے جب تو علیؑ کا سر کاٹ لائے اسی عورت کی خواہش کو پورا کرنے کے لئے ابن ملجم نے حضرت علیؑ کو مسجد میں شہید کیا تھا ایک اور روایت یہ ہے کہ ابن ملجم اور دو شخصوں نے یہ اتفاق کیا تھا کہ چونکہ امیر معاویہ عمرو بن العاص اور حضرت علیؑ ناجائز طریقہ پہ حکمرانی کر رہے تھے اس لئے ان تینوں کی زندگی کا خاتمہ کر دیا جائے اسی قرارداد کی بنا پر ابن ملجم کوفہ آیا اور حضرت علیؑ کو شہید کر دیا مگر اس کے دونوں ساتھی ناکام رہے ۱۲

سوئے تقضی کا سجدۂ اول میں جب جھکا ۔ اس نے لگائی تیغ پہ حاصل نہ کچھ ہوا
پر دیکھیو خدا سے علیؑ کے نیاز کو
ہرگز نہ روزہ دار نے توڑا نماز کو

لیکن جھکا جو دوسرے سجدہ میں ان کا سر ۔ اس وقت اس لعین کی ہوئی تیغ کارگر
زخمی تھا ضربت عمرو عبدود سے سر ۔ یہ زخم جاں ستاں بھی لگا اس مقام پہ
خوں سر کا تا بہ ریش مبارک رواں ہوا
ابرو تلک شگافِ جبیں کا عیاں ہوا

سجدہ میں شیرِ حق کا دو پارہ ہوا جو سر ۔ اک بار کانپنے لگے مسجد کے بام و در
اُبلا لہو کہ ہوگئی محراب خوں سے تر ۔ اک زلزلہ سا بس ہوا نازل زمین پہ
گردوں پہ جبرئیلؑ پکارا غضب ہوا
سجدہ میں حق کے قتل امیرِ عرب ہوا

پہنچی جو گوش حضرتِ زینبؑ میں یہ صدا ۔ رو کر جناب شبرؑ و شبیرؑ سے کہا
جاؤ خدا کے واسطے مسجد میں تم ذرا ۔ کہتا ہے کوئی قتل ہوئے شاہ لافتیٰ
کس نے کیا شہید امام حجازؑ کو
بابا ابھی تو گھر سے گئے تھے نماز کو

یہ سُن کے دوڑے جانبِ مسجد حسنؑ حسینؑ ۔ دیکھا کہ رو رہے ہیں نمازی بہ شور و شین
اور خوں میں اپنے لوٹتے ہیں شاہِ مشرقین ۔ سر اپنا پیٹنے لگے زہراؑ کے نورِ عین
غم سے کلیجے دونوں کے سینے میں پھٹ گئے
چلّا کے ہائے بابا کہا اور لپٹ گئے

روئے علیؑ حسنؑ کو گلے سے لگا لیا — اور ہاتھ اُن کے ہاتھ میں نو بیٹوں کا دیا
عباسِ نامدار کے حق میں نہ کچھ کہا — چپکے کھڑے تھے سامنے اور رنگ زرد تھا
پاسِ ادب سے باپ کے کچھ کہہ نہ سکتے تھے
حال ان کو دیکھتی تھی وہ منہ ماں کا تکتے تھے

عباس کو بُلا کے گلے سے لگا لیا — ہاتھ اس کا دے کے ہاتھ میں شبیرؑ سے کہا
اے لال یہ غلام تمہارا ہے باوفا — میری طرح سے پیار اسے کیجیو سدا
آفت کا دن جو تجھ کو مقدر دکھائے گا
اس روز یہ غلام بہت کام آئے گا

عباسؑ سے کہا کہ سُن اے میرے نونہال — تو ہے علیؑ کا لال وہ ہے مصطفےٰ کا لال
رکھیو ہمیشہ خاطرِ شبیرؑ کا خیال — اس کا ملال احمدؐ مرسل کا ہے ملال
پیشِ خدا بزرگ ہے رتبہ حسینؑ کا
مجھ کو بھی پاس رہتا ہے اس نورِ عین کا

یہ کہتے تھے کہ شیرِ خدا کو غش آ گیا — پردے کے پاس آن کے زینبؑ نے یہ کہا
بھائی حسینؑ لوگوں سے اتنا کہو ذرا — گھر اپنے جاؤ وقت ملاقات ہو چکا
آتے ہیں غش پہ غش شہ کون و مکان کو
جی بھر کے دیکھنے دو ہمیں بابا جان کو

یہ دیکھ ساری بیبیاں روتی تھیں زار زار — اور لوٹتے تھے خاک پہ زہراؑ کے گلعذار
دو دن تلک علیؑ رہے بستر پہ بے قرار — فرزندوں کو گلے سے لگاتے تھے بار بار
آنسو کبھو رواں تھے کبھی لب پہ آہ تھی

اکیسویں شب آئی تو حالت تباہ تھی

اکبار غش سے چونک کے بیٹوں سے یہ کہا
بغلوں میں ہاتھ دیکے اٹھاؤ مجھے ذرا
آئے ہیں میرے لینے کو جنت سے مصطفےٰ
یہ بات کہہ کے غش ہوئے پھر شاہ لافتےٰ
کچھ رات باقی تھی کہ جہاں سے گذر گئے
غل پڑ گیا کہ حیدرِ کرارؑ مر گئے

حضرت امام حسنؑ کی شہادت

مسجد میں قتل جب شہ خیبر شکن ہوئے
زینت دہِ سریرِ امامت حسنؑ ہوئے
سبطِ رسول جب کہ امامِ زمن ہوئے
ممنونِ فیضِ علم سے سب مرد و زن ہوئے
چرچا تھا خوبیوں کا فلک سے زمیں تلک
خلقِ حسن کا شور تھا عرش بریں تلک

ہمت کو نام پاک کی نسبت سے تھا شرف
لعل و گہر سے بھر دیئے تھے سائلوں کے کف
پھرتے تھے کوچہ ہائے مدینہ میں جس طرف
ہو جاتے تھے فقیر غنی دم میں صف بہ صف
انبارِ نان دوش پہ اپنے اٹھاتے تھے
بھوکوں کو جا کے راتوں کو کھانا کھلاتے تھے

اخبارِ صادقین سے ہوتا ہے یہ عیاں
اسماء تھی ایک زوجۂ شہزادۂ زماں
اس کی طرف سے رہتے تھے مولا جو بدگماں
کہتے تھے لوگ اس کا بتا دیجئے نشاں
فرماتے تھے گریز نہیں ہے ممات سے
قطعِ حیات ہے شدنی اس کے ہاتھ سے

آخر ہوا وہ کہتے تھے جو شاہِ نامدار
شہد و رطب میں زہر دیا اس نے تین بار

حد درجہ ستم سے رہتے تھے نالاں و بے قرار　　سو سو طرح کے رنج تھے اور ایک جان زار

کیا بے کسی تھی راحت جان بتول پر

جا جا کے لوٹتے تھے مزار رسول پر

مصروف تھے خدا کی عبادت میں صبح و شام　　گھر سے کہیں نہ جاتا تھا شہزادۂ انام

یثرب میں اک مکاں تھا بنا کر وہ انام　　منظور ہو گیا شب رحلت وہیں قیام

رشک بہشت و غیرت باغ جناں ہوا

اس شب کو وہ مکان تو بس لامکاں ہوا

پڑھ کر نماز شب کو جو سوئے شہ امم　　اسماء نے پھر ملا دیا پانی میں آ کے سم

زینبؑ کو چونک کر یہ پکارے بصد الم　　بھینا ابھی گلے سے نبیؐ کے لگے تھے ہم

رقت یہ تھی کہ اشکوں سے تر دوئے پاک تھا

محبوب کبریا کا گریباں چاک تھا

فرما کے یہ حسنؑ نے اٹھایا زمیں سے جام　　پایا درست اس کو جو تھا مہر کا مقام

تھوڑا سا پانی پی کے پکارا وہ تلخ جام　　دوڑو بہن کہ کام ہمارا ہوا تمام

یہ کہتے کہتے زرد رخ پاک ہو گیا

چلاتے تھے کہ ہائے جگر چاک ہو گیا

فرماتے تھے حسنؑ کہ بلاؤ حسینؑ کو　　تھا دمبدم یہ حکم کہ لاؤ حسینؑ کو

لہ حضرت امام حسنؑ کی بیویوں میں ایک کا نام اسماء یا جعدہ تھا اس کو یزید نے یہ پیام دیا کہ اگر تم حضرت حسن کو زہر دیدو تو تم کو بیش قرار القدر جواہرات اور سازو سامان دوں گا اسماء یا جعدہ اس لالچ میں آ گئی اور آپ کو زہر کھلا دیا آپ اس زہر سے بچ گئے پھر اس نے دوبارہ زہر دیا اس سے بھی محفوظ رہے تیسری مرتبہ نہایت تیز زہر دیا اور اس سے امام حسنؑ جانبر نہ ہو سکے بعض راویوں کا بیان ہے کہ اسماء یا جعدہ نے جب آپ کو زہر دیا بعض راوی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد یزید نے جعدہ یا اسماء کو کچھ نہیں دیا ۱۲۔

بھائی کا حال زار سناؤ حسینؑ کو — ٹکڑے مرے جگر کے دکھاؤ حسینؑ کو

کہدو کہ جلد آئیے رحلت کا وقت ہے

سُن جائیے کچھ آ کے وصیت کا وقت ہے

فضہ نے جا کے دی شہِ ذی جاہ کو خبر — دارِ فنا سے آپ کے بھائی کا ہے سفر

دوڑے حسینؑ چاک گریباں برہنہ سر — دیکھا تڑپ رہے ہیں شہنشاہ بحر و بر

گرنے لگے زمیں پہ جگر غم سے پھٹ گیا

پھیلا کے ہاتھ بھائی سے بھائی لپٹ گیا

ہر دم لپٹ کے بھائی سے با چشم اشکبار — چلّاتے تھے کہ آپ کی غربت کے میں نثار

شبرؑ گلے کو چوم کے کہتے تھے بار بار — میں تجھ پہ صدقے اے مرے نانا کی یادگار

مجھ سے زیادہ ظلم و ستم تم پہ ہوئیں گے

ہم قبر میں تمہاری مصیبت پہ روئیں گے

یہ کہتے کہتے غش ہوئے شاہ ملک جناب — غمگیں جو تھے حسینؑ ہوا اور اضطراب

حاضر تھی روح احمدؐ و زہرا و بوترابؑ — ولتے تھے یہ رنگ دیدۂ نرگس جناں کے باب

تشریف خلد کو شہِ ذی جاہ لے گئے

جدؐ و پدرؑ جو آئے تھے ہمراہ لے گئے

برپا تھا اہلبیتِ محمدؐ میں شور و شین — بہنیں پچھاڑیں خاک پہ کھاتی تھیں کر کے بین

چھاتی پہ ہاتھ مار کے چلّاتے تھے حسینؑ — اب اُٹھ گیا زمانے سے ہم بے کسوں کا چین

بازو ہمارا ٹوٹ گیا وا مصیبتا

بابا آج مجھ سے چھوٹ گیا وا مصیبتا

یزید کی تخت نشینی اور امام حسینؑ وغیرہ سے بیعت کی طلبی

جس دم یزید شام میں مسند نشین ہوا[1] سب ملک روسیاہ کے زیر نگیں ہوا
شبیرؑ سے زیادہ اسے بغض و کیں ہوا ایذائے اہلبیتؑ کا قصد لعیں ہوا
کہتا تھا سلطنت کا تو سامان درست ہے
سختی یہاں نہ ہو تو ریاست یہ سست ہے

خط حاکم مدینہ کو لکھا الشد ومد مضمون یہ تھا کہ تب ہے اطاعت تری سند
بیعت مری حسینؑ سے لے تو سمجھ کہ مد میں فوج بھیجتا ہوں کرے گی تری مدد
بیعت کریں تو جلد ادھر بھیج دیجیو
راضی نہ ہوں تو کاٹ کے سر بھیج دیجیو

پہونچا ابھی مدینہ میں جب نامۂ یزید پڑھ کر وہ خط بہت ہی مردد ہوا ولید
دل میں کہا یہ ظلم تو ہے عقل سے بعید میں فاطمہؑ کے لال کو کیونکر کروں شہید
دعوائے سلطنت بھی نہیں بے قصور ہیں
ایسے گنہ کش پہ ستم کیا ضرور ہے

آخر کسی کو بھیج کے شہ کو کیا طلب بھائی بھتیجے شاہ کے حاضر تھے سب کے سب
فرمایا اس سے جا کہ میں آؤں گا وقت شب معلوم ہے مجھے جو بلانے کا ہے سبب
سب جانتے ہیں بیعت فاسق حرام ہے

---

[1] ماہ رجب سنہ ۶۰ھ میں امیر معاویہ کا انتقال ہوا اور تخت خلافت یزید کے ہاتھ آیا یزید کو امام حسینؑ عبداللہ بن عمرؓ عبداللہ بن زبیر وغیرہ سے خطرہ تھا اور اس کا خیال تھا کہ ان حضرات کی موجودگی میں میری خلافت استوار نہیں ہو سکتی اس لئے اس نے خلیفہ ہوتے ہی پہلا حکم اپنے گورنر مدینہ ولید بن عتبہ کے نام جاری کیا کہ ان حضرات سے میری بیعت لے لو تاکہ آئندہ سے پھر میری مخالفت پر آمادہ نہ ہوں ولید نے امام حسینؑ سے بیعت کو کہا انہوں نے اس وقت تو ٹال دیا اور تیسرے دن مدینہ سے اہلبیتؑ کو لے کر مکہ معظمہ چلے گئے ۱۲۔

اس کی طلب ہیں یہ اجل کا پیام ہے

گھبرا گئے یہ سن کے عزیز و رفیق و یار
قاسمؑ نے رکھ لی سامنے شمشیر آبدار
اکبرؑ نے بھی طلب کیا اسباب کارزار
آئے کمال غیظ میں عباسؑ نامدار
کہہ کر یہ بات صورت شیر اٹھ کھڑے ہوئے
ظالم کے گھر نہ جائیں گے ہم بے لڑے ہوئے

زینبؑ کے دونوں بیٹوں کو اس دم ہی نہ تاب
جا کر حرم سرا میں کہا باصد اضطراب
اماں ہمارے نیچے لا دیجئے شتاب
حاکم کے گھر میں جاتے ہیں شاہ فلک جناب
بگڑے گی گر تو خون کے دریا بہائیں گے
کام آج بھی نہ آئے تو کس کام آئیں گے

سن کر سخن یہ ہو گیا زینبؑ کا رنگ زرد
آنسو بھر آئے آنکھوں میں اٹھا جگر میں درد
بولی کلیجہ تھام کے اور بھر کے آہ سرد
کیا والیٔ مدینہ ہے آمادہ نبرد
ایسی علیؑ کے لال سے تقصیر کیا ہوئی
کیا جرم کیا گناہ ہوا کیا خطا ہوئی

بھائی کو میرے پاس بلا دو سنوں میں حال
کیا بات ہے جو خاطر اقدس پہ ہے ملال
تنہا چلا نہ جائے کہیں فاطمہؑ کا لال
بھائی پہ کچھ بنے گی تو کھولوں گی سر کے بال
شاید دغا ہو جنگ کے ساماں کئے چلیں
ظالم کے گھر میں ساتھ مجھے بھی لئے چلیں

زینبؑ یہ کہہ رہی تھیں کہ آئے امامؑ دیں
منہ دیکھ کر شہ کا رونے لگیں زینبؑ حزیں

---

[1] قاسم حضرت امام حسنؑ کے بیٹے [2] اکبر حضرت امام حسینؑ کے بیٹے [3] عباس حضرت امام حسینؑ کے بھائی [4] حضرت امام حسینؑ کی بہن ۱۲

فرمایا شہ نے روتی ہو کیوں خوف کچھ نہیں　　حاکم کے گھر میں جائے گا حیدر کا جانشیں

وہ اور ہے جگہ تمہیں جس کا خیال ہے

یاں مجھ پہ ہاتھ اٹھائے کوئی کیا مجال ہے

سمجھا چکے بہن کو جو حضرت بچشم تر　　باندھی شہ نجف کے کمر بند سے کمر

ڈالا عبائے پاک محمدؐ کو دوش پر　　لے کر عصا نبیؐ کا چلے شاہ بحر و بر

یوں ساتھ تھے عزیز شہ کم سپاہ کے

جیسے ستارے چرخ پہ ہوں گرد ماہ کے

حاکم کے در پہ پہنچے تو کہنے لگے امام　　تم سب رہو یہیں کہ نہیں واں تمہارا کام

پھر جب کروں پکار کے حاکم سے میں کلام　　فوراً آئیو کہ مدد کا ہے وہ مقام

گھبراتے اتنے کیوں ہو کہ میں بے قصور ہوں

نہ تم ہو مجھ سے دور نہ میں تم سے دور ہوں

سمجھا کے بھائی کو گئے حاکم کے پاس شاہ　　اس نے کہا معاویہ نے لی عدم کی راہ

پڑھیے خطِ یزید کو اسے شاہِ دیں پناہ　　پڑھ کر وہ خط امام نے کھینچی جگر سے آہ

فرمایا سر کٹے تو کٹے کچھ الم نہیں

دانستہ دیویں ہاتھ سے عزت وہ ہم نہیں

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے شاہ ذوالاحترام　　قبرِ رسولؐ پر اسی شب کو گئے امام

لپٹے ضریح پاک سے اور یہ کئے کلام　　رخصت کرو حسینؑ کو یا سیدِ انام

تربت میں لے کے جلد لگا لیجئے سینے سے

اعدا نکالے دیتے ہیں مجھ کو مدینے سے

واں سے وداع ہو کے گئے ماں کی قبر پر | دیکھا کہ بیٹھی روتی ہیں زینبؑ برہنہ سر
کہتی ہیں اپنے لال کی تم کو نہیں خبر | بھائی مرا مدینہ سے ہے عازمِ سفر

ملتی نہیں پناہ شہِ دیں پناہ کو
سب چاہتے ہیں قتل کریں بے گناہ کو

زینبؑ کو روتا دیکھ کے روئے بہت امام | رخصت کا ماں کی قبر کو جھک کر لیا سلام
شب بھر تو گھر میں روتے رہے شاہ خاص و عام | وقتِ سحر وطن سے چلے سیدِ انام

رستے پہ شہر کے تو سواری کا شور تھا
اہلِ وطن کے نالہ و زاری کا شور تھا

تا کعبہ تلک تو ساتھ تھا خلقت کا اژدہام | سب کو وداع کر کے روانہ ہوئے امام
اہلِ حرم کو ساتھ لئے با صد احترام | اس رکنِ دیں کعبہ میں جا کر کیا قیام

تھا قصدِ حج حبیبؐ خدا کے حبیبؑ کو
واں بھی ملا نہ چین حسینؑ غریب کو

حضرت امام حسینؑ کی مدینے سے روانگی کا منظر

فرزندِ پیغمبرؐ کا مدینہ سے سفر ہے | سادات کی بستی کے اجڑنے کی خبر ہے
در پیش ہے وہ غم کے جہاں زیر و زبر ہے | گل چاک گریباں ہیں صبا خاک بسر ہے

گل رو صفتِ غنچہ کمر بستہ کھڑے ہیں
سب ایک جگہ صورتِ گلدستہ کھڑے ہیں

آراستہ ہیں بہرِ سفر سرو قبا پوش | عمامے سروں پر ہیں عبائیں
یارانِ وطن ہوتے ہیں آپس میں ہم آغوش | حیراں کوئی تصویر کی صورت

منہ ملتا ہے رو کر کوئی سرورؑ کے قدم پہ
گر پڑتا ہے رو کر کوئی اکبرؑ کے قدم پہ

عباسؑ کا منہ دیکھ کے کہتا ہے کوئی آہ
اب آنکھوں سے چھپ جائیگی تصویر ید اللہ
کہتے ہیں گلے مل کے یہ قاسمؑ کے ہوا خواہ
واللہ دلوں پہ ہے عجب صدمۂ جانکاہ
ہم لوگوں سے شیریں سخنی کون کرے گا
یہ اُنس یہ خلقِ حسنی کون کرے گا

رخصت کے لئے لوگ چلے آتے ہیں پیہم
ہر قلب حزیں ہے تو ہر اک چشم ہے پُرنم
ایسا نہیں ہے گھر کوئی جس میں نہیں ماتم
غل ہے کہ چلا دلبر مخدومۂ عالم
خدام کھڑے پیٹتے ہیں قبر نبیؐ کے
روضہ پہ اُداسی ہے رسولِ عربیؐ کے

تدبیر سفر میں ہیں ادھر سبط پیمبرؐ
گھر میں کبھی آتے ہیں کبھی جاتے ہیں باہر
اسباب نکلواتے ہیں عباسؑ دلاور
تقسیم سواری کے تردد میں ہیں اکبرؑ
شہ کو جنہیں لیجانا ہے وہ پاتے ہیں گھوڑے
خالی ہوا اصطبل چلے آتے ہیں گھوڑے

عوراتِ محلہ چلی آتی ہیں بصد غم
کہتی ہیں یہ دن رحلت زہراؑ سے نہیں کم
پُرسے کی طرح رونے کا غل ہوتا ہے ہر دم
فرش اٹھتا ہے کیا پھبتی ہے گویا صف ماتم
غل ہوتا ہے ہر سمت جدا ہوتی ہے زینبؑ
ہر اک کے گلے ملتی ہے اور روتی ہے زینبؑ

لے لے کے بلائیں یہی سب کرتی ہیں تقریر
اس گرمی کے موسم میں کہاں جاتے ہیں شبیرؑ

سمجھاتی نہیں بھائی کو اے شاہ کی ہمشیر | مسلمؑ کا خط آئے تو کریں کوچ کی تدبیر

اللہ ابھی قبر پیمبر کو نہ چھوڑیں

گھر فاطمہؑ زہرا کا ہے اس گھر کو نہ چھوڑیں

ان بی بیوں سے کہتی تھیں یہ شاہ کی ہمشیر | بہنو ہمیں یثرب سے لئے جاتی ہے تقدیر

اس شہر میں رہنا نہیں ملتا کسی تدبیر | یہ خط پہ خط آئے ہیں کہ مجبور ہیں شبیرؑ

مجھ کو بھی ہے رنج ایسا کہ کچھ کہہ نہیں سکتی

بھائی سے جدا ہو کے مگر رہ نہیں سکتی

یہ کہتی تھی زینبؑ کہ پکارے یہ شہ عادل | تیار ہیں دروازہ پہ سب ہودج و محمل

طے شام تلک ہو گی کہیں آج کی منزل | رخصت کرو لوگوں کو بس اب بیٹے نے سنبھل

چلتی ہے ہوا سرد ابھی وقت سحر ہے

بچے کئی ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے

رخصت کرو ابھی قبر پیمبر پہ ہے جانا | کیا جانئے پھر لوٹ کے نہ ہوئے مرا آنا

اماں کی لحد پہ ہے ابھی اشک بہانا | اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا

ملہ اس بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام حسینؑ نے اپنے چچازاد بھائی مسلم بن عقیلؑ کو مدینہ سے کوفہ روانہ کیا تھا لیکن واقعہ یہ ہے کہ روانگی مکہ سے ہوئی تھی صورت یہ پیش آئی کہ یزید کے تخت نشین ہوتے ہی مختلف دیار و امصار میں یزید کے خلاف شورش پیدا ہوئی اور اس کی خلافت سے بیزاری کا اظہار کیا گیا چنانچہ کوفہ میں بھی ایسا ہی ہوا۔ کوفیوں کو جب یہ معلوم ہوا کہ امام حسینؑ نے غالباً یزید کی بیعت نہیں کی ہے اور مکہ معظمہ چلے گئے ہیں تو انھوں نے امام حسینؑ کو خطوط لکھ کر کوفہ میں بلالیا اور ظاہر کیا کہ کوفہ چونکہ ان کے والد ماجد حضرت علیؑ کا دار الحکومت رہا ہے۔ اس لئے آپ کوفہ تشریف لے آئیے کوفہ کے تمام لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کے لئے تیار ہیں امام حسینؑ نے ان خطوط کو پاکر تحقیق حال کے لئے مسلم بن عقیلؑ کو کوفہ روانہ کر دیا جہاں ان کے ہاتھ پر اٹھارہ ہزار کوفیوں نے بیعت کر لی حضرت مسلمؑ نے اس واقعہ سے امام حسینؑ کو اطلاع دیدی اور آپ کو طلب فرمایا امام حسینؑ اس خط کو پاکر کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے جس کی تفصیل آئے گی۔

آخر تو لئے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے

سُن کر یہ سخن بانو نے ناشاد پکاری
میں لٹتی ہوں کیا سفر اور کیسی سواری
غش ہو گئی ہے فاطمہؑ صغرا مری پیاری[۱]
بیکس کے لئے کرتے ہیں سب گریہ و زاری
اب کس پہ میں اس صاحب آزار کو چھوڑوں
اس حال میں کس طرح سے بیمار کو چھوڑوں

سُن کر یہ سخن شاہ کے آنسو نکل آئے
بیمار کے نزدیک گئے سر کو جھکائے
منہ دیکھ کے بانو کا سخن لب پہ یہ لائے
کیا ضعف و نقاہت ہے خدا اس کو بچائے
جس صاحب آزار کا یہ حال ہو گھر میں
دانستہ میں کیونکر اسے لے جاؤں سفر میں

شبیرؑ کا منہ تکنے لگی بانوئے مغموم
صغراؑ کے لئے رونے لگیں زینبؑ و کلثومؑ
بیٹی سے یہ فرمانے لگے سیدؑ مظلوم
پر وہ رہا اب کیا تمہیں خود ہو گیا معلوم
ہم چھٹتی ہو اسواسطے سب روتے ہیں صغراؑ
ہم آج ہی آوارہ وطن ہوتے ہیں صغراؑ

منہ تکنے لگی ماں کا وہ بیمار بصد غم
چتون سے عیاں تھا کہ چلیں آپ مع ہم
ماں کہتی تھی مختار ہیں بی بی شہ عالم
میرے تو کلیجہ پہ چھری چلتی ہے اس دم
وہ درد ہے جس درد سے چارہ نہیں صغرا
تقدیر سے کچھ زور ہمارا نہیں صغرا

---

[۱] امام حسینؑ نے تمام اہلبیتؑ کو اپنے ساتھ لے لیا تھا صرف بڑی صاحبزادی فاطمہؑ صغرا کو ام المومنین ام سلمہؑ کے پاس چھوڑ دیا تھا اس لئے کہ وہ سخت بیمار تھیں اور ان کے لئے سفر دشوار تھا۔

صغراؑ نے کہا کوئی کسی کا نہیں زنہار سب کی یہی مرضی ہے کہ مر جائے وہ بیمار
اللہ نہ وہ آنکھ کسی کی ہے نہ وہ پیار اک ہم ہیں کہ ہیں سب پہ فدا سب نہیں غمخوار
بیزار ہیں سب ایک بھی شفقت نہیں کرتا
یہ سچ ہے کوئی مُردے سے محبت نہیں کرتا

کس سے کہوں اس درد کو میں بیکس و رنجور بہنیں بھی الگ مجھ سے ہیں اور بھائی بھی ہیں دور
اماں کا سخن یہ ہے کہ بیٹی ہیں ہم مجبور ہمراہ ہے بیمار کسی کو نہیں منظور
دنیا سے سفر رنج و مصیبت میں لکھا تھا
تنہائی کا مرنا مری قسمت میں لکھا تھا

سب بیبیاں رونے لگیں سُن سُن کے یہ تقریر چھاتی سے لگا کر اسے کہنے لگے شبیرؑ
لو صبر کرو کوچ میں اب ہوتی ہے تاخیر منہ دیکھ کے چپ رہ گئی وہ بیکس و دلگیر
نزدیک تھا دل چیر کے پہلو نکل آئے
اچھا تو کہا منہ سے پہ آنسو نکل آئے

بانوؑ کو اشارہ کیا حضرت نے کہ جاؤ اکبرؑ کو بلاؤ علی اصغرؑ کو بھی لاؤ
آئے علی اکبرؑ تو کہا شاہؑ نے آؤ روٹھی ہے بہن تم سے گلے اس کو لگاؤ
چلتے ہوئے جی بھر کے ذرا پیار تو کر لو
لینے انہیں کب آؤ گے اقرار تو کر لو

پاس آن کے اکبرؑ نے کی یہ پیار کی تقریر کیا مجھ سے خفا ہو گئیں صغرا مری تقصیر
چلانے لگی چھاتی پہ منہ رکھ کے وہ دلگیر محبوب برادر ترے قربان یہ ہمشیر
صدقے ترے سر پر سے اتارے مجھے کوئی

بل کھائی ہوئی زلفوں پہ وارے مجھے کوئی
پیارے سہرے بھیا مرے مہ رو علی اکبرؑ　چھپ جائیں گے آنکھوں سے یہ گیسو علی اکبرؑ
یاد آئے گی یہ جسم کی خوشبو علی اکبرؑ　ڈھونڈیں گی یہ آنکھیں تمہیں ہر سو علی اکبرؑ
دل سینہ میں کیونکر تہہ و بالا نہ رہے گا
جب چاند چھپے گا تو اجالا نہ رہے گا
عباسؑ نے اتنے میں یہ ڈیوڑھی سے پکارا　چلنے کے لئے قافلہ تیار ہے آقا
لپٹا کے گلے فاطمہ صغریٰ کو دوبارہ　اُٹھے شہ دیں گھر تہہ و بالا ہوا سارا
جس چشم کو دیکھا سو وہ پر غم نظر آئی
اک مجلس ماتم تھی کہ برہم نظر آئی

مطلع دوم

جب قصد کیا کوچ کا سلطان زمن نے　فریاد کا اک شور کیا اہل وطن نے
پوشاک کو رو رو کے جو پہنایا بہن نے　فرمایا یہ تب ابن شہ قلعہ شکن نے
صدمہ ہے بچھڑنے کا مری روح نبیؐ پر
رخصت کو چلو قبر رسول عربیؐ پر
ہے قبر پہ نانا کے مقدم مجھے جانا　کیا جانئے پھر ہو کہ نہ ہو شہر میں آنا
اماں کی ہے تربت پہ ابھی اشک بہانا　اس مرقد انور کو ہے آنکھوں سے لگانا
آخر تو لئے جاتی ہے تقدیر وطن سے
چلتے ہوئے ملنا ہے ابھی قبر حسنؑ سے
پیدل شہ دیں روضۂ احمدؐ پہ سدھارے　تربت سے صدا آئی کہ آ مرے پیارے

تعویذ سے شبیرؑ لپٹ کر یہ پکارے　　ملتا نہیں آرام نواسے کو تمہارے
خط کیا ہیں اجل کا یہ پیام آیا ہے نانا
آج آخری رخصت کو غلام آیا ہے نانا

اس ذکر پہ رو دیا کیئے شہ سر کو جھکائے　　واں سے جو اٹھے فاطمہؑ کی قبر پہ آئے
پائینِ لحد گر کے بہت اشک بہائے　　آواز یہ آئی کہ میں صدقے میرے جائے
ہے شور تمہارے کوچ کا جس دن سے وطن میں
پیارے میں اسی دن سے تڑپتی ہوں کفن میں

پہلو میں جو تھی فاطمہؑ کے تربت شبرؑ　　اس قبر سے لپٹے بہ محبت شہ صفدرؑ
چلائے کہ شبیرؑ کی رخصت ہے برادر　　حضرت کو تو پہلو ملا اماں کا میسر
قبریں بھی جدا ہیں تہہ افلاک ہماری
دیکھیں ہمیں لیجائے کہاں خاک ہماری

یہ کہہ کے چلے قبر حسنؑ سے شہ مظلوم　　رہوار جو مانگا تو سواری کی ہوئی دھوم
یارانِ وطن گرد تھے افسردہ و مغموم　　چلاتے تھے خادم کہ چلا خلق کا مخدوم
خالی ہوا گھر آج رسول عربی کا
تابوت اسی دھوم سے نکلا تھا نبیؐ کا

تھا ناکے تلک شہر کے اک شور قیامت　　سمجھاتے ہوئے سب کو چلے جاتے تھے حضرت
رو رو کے وہ کہتا تھا جسے کرتے تھے رخصت　　پائیں گے کہاں ہم یہ غنیمت ہے زیارت
آخر تو بچھڑ کر کفِ افسوس ملیں گے
دس بیس قدم اور بھی ہمراہ چلیں گے

قسمیں انھیں دے دیکے کہا شہ نے کہ جاؤ　　تکلیف تمھیں ہوتی ہے اب ساتھ نہ آؤ
اللہ کو سونپا تمھیں آنسو نہ بہاؤ　　پھرنے کے نہیں ہم سے بس اب ہاتھ اٹھاؤ

اس بیکس و تنہا کی خبر پوچھتے رہنا
یارو مری صغرا کی خبر پوچھتے رہنا

روتے ہوئے وہ لوگ پھرے شاہ سدھارے　　جو صاحب قسمت تھے وہ ہمراہ سدھارے
کس شوق سے مردانِ حق آگاہ سدھارے　　عائد طرف خانہ اللہ سدھارے

اترے نہ مسافر کسی مخلوق کے گھر میں
عاشق کو کشش لے گئی معشوق کے گھر میں

روشن ہوئی کعبہ کی زمین نورِ خدا سے　　مکہ نے شرف اور بھی پایا شرفا سے
جھک جھک کے ملے سبطِ پیغمبرؐ غربا سے　　آباد ہوا شہر نمازوں کی صدا سے

خوش ہو کے ہوا خواہ یہ کہتے تھے علیؑ کے
سب باپ کی خو بو ہے نواسے میں نبیؐ کے

کعبہ میں بھی اک دن نہ ملا شاہ کو آرام　　کوفہ سے چلے آتے تھے نامے سحر و شام
اعدا نے گذرنے نہ دیئے حج کے بھی ایام　　کھولا پسرِ فاطمہؑ نے باندھ کے احرام

عازم طرف راہِ الٰہی ہوئے حضرت
تھی ہشتم ذی حجہ کہ راہی ہوئے حضرت

لہ اوپر بیان کیا جا چکا ہے کہ امام حسینؑ نے مسلم بن عقیلؑ کو تحقیق حالات کے لئے کوفہ بھیجا تھا۔ مسلمؑ نے وہاں کی حالت دیکھ کر اطلاع دیدی کہ حضور تشریف لے آئیں کوفہ آپ کے انتظار میں چشم براہ ہے چنانچہ امام حسینؑ ۸ ذی الحجہ کو مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت مسلم بن عقیل کی شہادت

جب کوفیوں نے کوفہ میں مسلم[۱] سے دغا کی — جو عہد کیا ایک نے اس پر نہ وفا کی
کی شرم خدا سے نہ محمدؐ سے حیا کی — مظلوم پہ بیکس پہ مسافر پہ جفا کی

پانی نہ دم مرگ دیا تشنہ دہن کو
کس ظلم سے ٹکڑے کیا آوارہ وطن کو

مسلم سا بھی مظلوم زمانے میں نہ ہوگا — دشمن تو ہزاروں تھے وہ بیکس تن تنہا
دم لیں کہیں اتنا نہ روادار کوئی تھا — کچھ امن کی صورت نظر آتی تھی نہ اصلا

اس پہ بھی نہ کچھ رنج تھا اپنا نہ الم تھا

---

[۱] ادھر حضرت مسلم کا خط پاتے ہی امام حسینؑ مکہ سے کوفہ کی طرف روانہ ہوئے ادھر جب یزید نے یہ سنا کہ کوفہ کے اٹھارہ یا تیس ہزار آدمیوں نے حضرت امام حسین کی بیعت کر لی ہے اور امام حسین عنقریب کوفہ پہنچنے والے ہیں اور یہ سب کچھ خلافت کے گورنر نعمان بن ولید کے تساہل کا نتیجہ ہے تو وہ فوراً اس کے تدارک پر آمادہ ہو گیا اور ابن زیاد کو بلا کر حکم دیا کہ تم فوراً کوفہ جاؤ اور نعمان بن بشیر سے کوفہ کی گورنری اپنے ہاتھ میں لے لو اور مسلم کو قتل کر دو اور امام حسین علیہ السلام کا بھی تدارک کرو۔ ابن زیاد کوفہ پہنچا اور گورنری کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اس کے بعد جامع کوفہ میں عمائدین شہر اور عوام کو جمع کر کے ایک تقریر کی جس میں لوگوں کو یزید کی فوج سے ڈرایا اور بتایا مسلم بن عقیل ایک فتنہ پرداز شخص ہے اور مسلمانوں میں افتراق پیدا کرنا چاہتا ہے تم اس کا ساتھ چھوڑ دو اور اس کی باتوں میں نہ آؤ خلافت سے مجھ کو یہ حکم ملا ہے کہ جو شخص مسلم کو پناہ دے اس کو تباہ و برباد کر دیا جائے۔ اس تقریر کا لوگوں پر معقول اثر ہوا اور وہ یزید کی فوج سے ڈر کر مسلم بن عقیل سے علیحدہ ہو گئے۔ اس کے بعد ابن زیاد نے مسلم کی فکر کی حضرت مسلم نے کوفیوں کی بیوفائی کو دیکھ کر سخت افسوس کیا اور ہانی بن عروہ کے ہاں ایک طاقتور شخص تھا پناہ گزین ہوئے ابن زیاد نے مسلم کا پتہ لگا کر ہانی بن عروہ پر بغاوت کا الزام لگایا اور مسلم سمیت اس کو گرفتار کر لیا لوگوں نے یہ سنا تو قصر حکومت کو گھیر لیا اور کئی ہزار آدمی قصر کے خلاف جمع ہو گئے ابن زیاد نے ڈرا دھمکا کر ان کو منتشر کر دیا اور قصر حکومت کی چھت پر لے جا کر حضرت مسلم کو قتل کرا دیا اور ہانی کا سر بھی اتار لیا یہ واقعہ ۹ ذی الحجہ ۶۰ھ کا ہے ۱۲۔

کوفہ میں چلے آئیں نہ شبیرؑ یہ غم تھا

جانے کی کہیں راہ نہ تھی بند تھے رستے
کوفی چلے آتے تھے کمر ظلم پہ کستے
گھیرے تھے سواران ستم گار کے دستے
تھے نیچے پہ اور کوٹھوں سے پتھر تھے برستے

جب وار نہ چل سکتا تھا اس شیر ژیاں پر
انگارے لعیں پھینکتے تھے سوختہ جاں پر

زخمی ہوا اس شہ کے ہرا دل پہ یکایک
تلوار سے کٹ کر گرے لب ہائے مبارک
پہلو پہ لگیں برچھیاں اور چھاتی پہ ناوک
دنداں بھی شکستہ ہوئے پتھر لگے یا نشک

آلودہ تھی سب ریش مبارک جو لہو سے
چھاتی پہ ٹپکتا تھا لہو ہر سر مو سے

جب غش میں گرا خاک پہ وہ بیکس و ناچار
اعدا نے کیا مسلمؑ بے کس کو گرفتار
اس زخمی کے بازو میں رسن باندھ کے یکبار
کوٹھے پہ جدا کرنے کو سر لے گئے کفار

سو ٹکڑے محمدؐ کا ہوا دل بھی جگر بھی
مارا گیا مسلمؑ بھی ہوئے قتل پسر بھی

حضرت مسلمؑ کے بیٹوں کی شہادت

ہوتے ہیں بہت رنج مسافر کو سفر میں
راحت نہیں ملتی کوئی دم آٹھ پہر میں
سو شغل ہوں پہ دھیان لگا رہتا ہے گھر میں
پھرتی ہے سدا شکل عزیزوں کی نظر میں

سنگ غم فرقت دل نازک پہ گراں ہے
اندوہ غریب الوطنی کاہش جاں ہے

ہر دم دل نازک پہ مسافر کے ہیں سو غم
تر رہتے ہیں اشکوں سے سدا دیدۂ پُر نم

تھمتا ہی نہیں قافلۂ اشک کوئی دم   ہوتا ہے عجب صاحب اولاد کا عالم
بابا کو تو فرزندوں سے چھٹنے کا الم ہے
والد سے جدائی ہو تو بچوں پہ ستم ہے

ہوں ساتھ جو بابا کے تو یاد آتی ہے مادر   مادر ہو تو یہ غم ہے کہ بابا نہیں سر پر
منزل میں سحر کرتے ہیں بستر پہ تڑپ کر   اوروں کے بھی اشک آنکھوں سے تھمتے نہیں دم بھر
پردیس میں کیونکر انھیں دشمن سے اماں ہو
جن بچوں کے سر پہ نہ تو بابا ہو نہ ماں ہو

بچے بھی وہ بچے جو کبھی نکلے نہ گھر سے   ماں جن کو نہ اک آن جدا کرتی تھی سر سے
نہ راہ سے آگاہ نہ ایذائے سفر سے   وہ چھٹ گئے کوفہ میں پہنچتے ہی پدر سے
زخمی تبر و تیر سے جب ہو گئے مسلمؑ
بیٹوں کی تباہی کے لیئے روتے تھے مسلمؑ

جب لے گئے کوٹھے پہ لعیں قتل کی خاطر   رونے لگا گردن کو جھکا کر وہ مسافر
منہ سے تہِ خنجر یہی نکلا دمِ آخر   فرزندِ محمدؐ کا خدا حافظ و ناصر
روتے تھے علیؑ فاطمہؑ سر ننگے کھڑی تھی
تھا نیزہ پہ سر لاش تہِ بام پڑی تھی

جب قتل ہوا ایلچیٔ سیّد والا   بچوں پہ عجب حادثہ تقدیر نے ڈالا
کوئی نہ یتیموں کا رہا پوچھنے والا   تھے ننھے سے سینوں میں کلیجے تہ و بالا
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے

پردیس میں معصوموں کا دشمن تھا زمانہ — نہ بیٹھنے کی جا تھی نہ رہنے کا ٹھکانا
بن باپ کئی روز سے کھایا تھا نہ کھانا — تقدیر میں غم کھانا تھا اور اشک بہانا
سہمے ہوئے آپس میں یہی کہتے تھے رو کر
ساتھ آئے تھے افسوس چلے باپ کو کھو کر

پاس اُن کے اگر ہوتے تو کچھ کام بھی آتے — ہم بنتے نشانہ جو لعیں تیر لگاتے
پانی تو بھلا منہ میں دمِ مرگ پلاتے — کاندھے پہ پسر باپ کے لاشہ کو اٹھاتے
کیا جانئے مرنے پہ بھی کیا رنج و محن ہیں
گاڑے بھی گئے یا ابھی بے گور و کفن ہیں

مظلوم کی تربت کا نشاں اب بھی جو پائیں — رخصت کیلئے قبر پہ روتے ہوئے جائیں
تعویذ مزارِ پدر آنکھوں سے لگائیں — سر پیٹ کے فریاد کریں اشک بہائیں
پالا تھا ہمیں باپ نے چھاتی پہ سلا کر
قرآن بھی ہم پڑھ نہ سکے قبر پہ جا کر

تقدیر نے اماں کی اگر شکل دکھائی — اور قتل کے بابا کی خبر ان کو سنائی
پوچھیں گی جو سر پیٹ کے اور دیکے دہائی — بچو کہو والد کی کہاں قبر بنائی
گردن کو جھکائے ہوئے خاموش رہیں گے
تربت بھی تو دیکھی نہیں کیا ماں سے کہیں گے

ہم سا بھی زمانے میں نہ ہوگا کوئی مجبور — تیجا تو کریں باپ کا اتنا نہیں مقدور
عابد ہیں وہاں رحم کا جس جا نہیں دستور — ماں دور پدر دور چچا دور وطن دور
کس سے کہیں سن چھوٹے ہیں اور رنج بڑے ہیں

بابا کے تو مرنے سے تباہی میں پڑے ہیں

ایک ایک لعیں کوفہ میں دشمن ہے ہمارا
ایک دوست تھا ہانی سو وہ دنیا سے سدھارا
بیٹھیں کہیں چھپ کر نہیں اتنا بھی سہارا
غربت میں ہیں باپ کے مرجانے نے مارا
اک دم میں یقیں ہے کہ تہِ تیغ یہ سر ہیں
جب دوست نہ بابا کا بچا ہم تو بسر ہیں

یہ کہتے تھے اور روتے تھے وہ ہجر پدر میں
تصویر اجل پھرتی تھی دونوں کی نظر میں
تھا شور منادی کا یہ ہر راہ گذر میں
بیٹوں کو نہ مسلم کے چھپائے کوئی گھر میں
بتلادے کسی حجرہ میں گر بند ہیں دونوں
حاکم کے گنہگار کے فرزند ہیں دونوں

معصوم سمجھ کر کوئی رحم ان پہ نہ کھائے
ہاتھ آئیں تو پکڑے ہوئے دربار میں لائے
مجرم کی کوئی منت و زاری پہ نہ جائے
دانا وہی جو گوہر عزت کو بچائے
جس نے انھیں پنہاں کیا گھر اس کا لٹے گا
مر جائے گا پر قید سے جیتا نہ چھٹے گا

تھراتے تھے سب سن کے منادی کا یہ مذکور
تھے شہر کے دروازے سرِ شام سے معمور
دشمن جو علیؑ کے تھے وہ تھے خرم و مسرور
جو دوست تھے حیدرؑ کے وہ تھے عاجز و مجبور
باتیں انھیں معصوموں کی ہوتی تھیں گھروں میں
سر ڈھانپے ہوئے بیبیاں روتی تھیں گھروں میں

ہر دو گھروں میں تو یہ تھی گریہ و زاری
اور ڈھونڈھتے پھرتے تھے انھیں کوفہ میں ناری
ناکے پہ لعیں کہہ گئے آکے کئی باری
ہوشیار خبردار اگر جان ہے پیاری

احکام میں حاکم کے خلل آنے نہ پائے
ناکے سے کوئی چھپ کے نکل جانے نہ پائے

دو طفل حسیں بھاگ گئے ہیں کل قاضی کے گھر سے
گر لیجیو گرفتار جو آ نکلیں ادھر سے
خورشید سے ملتے ہیں تو چہرے ہیں قمر سے
چھوٹے سے عمامے ہیں لپیٹے ہوئے سر سے
گو منہ پہ ابھی زلفیں بسرِ دوش پڑی ہیں
آنکھیں کہیں آہو کی بھی آنکھوں سے بڑی ہیں

ہر ناکے پہ تھا حکم یہ ان دونوں کی خاطر
دربار میں غل تھا کہ کرو جلد انھیں حاضر
اور پھرتے تھے حیراں وہ مدینہ کے مسافر
کوئی نہ مددگار تھا نہ حافظ و ناصر
پھرتی تھی اجل ساتھ جدھر جاتے تھے دونوں
پتہ بھی کھڑکتا تھا تو ڈر جاتے تھے دونوں

ناکے تلک آ پہونچے نہ تھے وہ جگر افگار
جو دیکھ لیا ان کو کسی شخص نے اک بار
چلایا کہ بس آگے قدم رکھیو نہ زنہار
چلتے ہو کہاں بھاگ کے ہم آ پہنچے خبردار
سنتے ہی اس آواز کے گھبرا گئے دونوں
سر تا بہ قدم بید سے تھرا گئے دونوں

بھائی سے کہا بھائی نے اب کیا کریں بھائی
اعدا ہمیں لینے نہیں آئے اجل آئی
افسوس کہیں امن کی جا ہم نے نہ پائی
مشکل ہے بہت موت کے پنجے سے رہائی
آتے ہی بس اب برچھیاں تانیں گے ستمگر
منت بھی کریں گے تو نہ مانیں گے ستمگر

یہ کہتے تھے جو آن ہی پہنچے وہ جفا جو
اور باندھ لئے رسی سے ان دونوں کے بازو

بچوں پہ اٹھاتا تھا طمانچہ کوئی بدخو　　کہتا تھا کوئی لے چلو کھینچ کے گیسو

وہ کہتے تھے ہم دامِ بلا میں تو پھنسے ہیں

بازو کہو پھر کس لیے رسی سے بندھے ہیں

چلاتے تھے جو روتے ہوئے وہ گیسوؤں والے　　بازار میں بیتاب تھے سب دیکھنے والے

جلادوں میں معصوموں کی تھے جان کے لالے　　تکتے تھے ہر ایک کو کہ ہمیں کوئی چھڑا لے

حال اپنا اشارے سے جتاتے تھے کسی کو

رسی میں بندھے ہاتھ دکھاتے تھے کسی کو

پہنچے انھیں لے کر جو وہ ظالم سرِ دربار　　خدام نے کی عرض کہ حاضر ہیں گنہگار

تھا تختِ مرصع پہ مکیں حاکمِ غدار　　دہشت سے لرزنے لگے بچوں کے تنِ زار

بیٹھے ہوئے تختوں پہ یہاں چھوٹے بڑے تھے

رسی سے بندھے سامنے معصوم کھڑے تھے

معصوموں سے یوں کہنے لگا حاکمِ ملعون　　اس بھاگنے کی اب کہو کیا تم کو سزا دوں

صدمے سے یتیموں کا ہوا حال دگرگوں　　تھرا کے یہ کہنے لگے بیکس وہ جگر خوں

ہاں قتل ہی کر ڈالیے سزاوار ہیں ہم بھی

بابا تھے گنہگار گنہگار ہیں ہم بھی

بولا کوئی معصوم ہیں یہ بیکس و دلگیر　　غربت کے سبب کانپتے ہیں رنگ ہے تغییر

یہ بھولے سے اقدام نہیں لائقِ تعزیر　　نادان ہیں کمسن ہیں کچھ ان کی نہیں تقصیر

طاقت ہے کہاں بھاگ کے جائیں یہ کدھر کو

بےچین ہیں بہت ڈھونڈتے ہیں یہ پدر کو

چپ رہ گیا وہ دشمنِ دیں سر کو جھکا کر
زنداں کے نگہباں سے کہا پاس بلا کر
کر قید انھیں حجرۂ تاریک میں جا کر
سنیو نہ جو منت بھی کریں اشک بہا کر
آرام سے دونوں میں کوئی سونے نہ پائے
قفلِ درِ زنداں کبھی وا ہونے نہ پائے

دیجیو نہ خبردار مزے کا انھیں کھانا
گرمی میں بھی ٹھنڈا انھیں پانی نہ پلانا
ہتھکڑیاں ہیں کہیں پاؤں میں نہ جانا
بازو نہ کھلیں رسی سے جب تک تو نہ آنا
دشمن کے ہیں فرزند اذیت انھیں دیجیو
کپڑے بھی بدلنے کی نہ فرصت انھیں دیجیو

اس طرح کے حجرہ میں ہوا ماہِ لقا بند
جس حجرہ کے رخنے بھی ہوں بند اور ہوا بند
دن بھر تو رہیں ایک ہی زنجیر میں پابند
اور رات کو ہو ایک جدا ایک جدا بند
سر کو در و دیوار سے ٹکرا کریں دونوں
آپس میں گلے ملنے کو تڑپا کریں دونوں

یہ سن کے انھیں لے گیا زنداں کا نگہبان
اک حجرہ میں قیدی ہوئے دونوں تہِ زنداں
گھٹنے جو لگا دم تو یہ چلائے وہ نادان
اور کھول دو للہ نہیں تن سے چلی جان
بھاگیں گے نہ ہرگز ہمیں حجرے سے نکالو
اک طوق جو ہلکا ہو تو وہ طوق پہنا دو

دروازہ سے ٹکرائے بہت سر کو وہ ناشاد
ماں کو بھی چلائے پدر کو بھی کیا یاد
بچوں کی کسی نے نہ سنی زاری و فریاد
کب کھولتے ہیں طائرِ پر بند کو صیاد
بیتاب تھے اس طرح وہ چھٹنے کی ہوس میں

جوں تازہ گرفتار پھڑکتا ہے قفس میں

تاریک وہ حجرہ تھا مثال شب ظلمات — معلوم نہ ہوتا تھا کہ کب دن ہوا کب رات
مرقد کے اندھیرے کو بھی اس گھر نے کیا مات — سہمے ہوئے روتے تھے وہ آنکھوں پہ دھرے ہات
تھی پیش نظر وصل میں تنہائی کی صورت
بھائی کو نہ آتی تھی نظر بھائی کی صورت

فاقے میں بسر کرتے تھے پہروں وہ گل اندام — جو اک زنداں تھا وہ آتا تھا سر شام
جا بیٹھتے دروازے کے نزدیک وہ گلفام — دیتا انھیں دو روٹیاں اور پانی کے دو جام
تھا خوف زبس ظالم اظلم کے غضب سے
اُٹھ اُٹھ کے سلام اسکو وہ کرتے تھے ادب سے

کھاتا وہ کہاں اور کہاں نازوں کے پالے — رو دیتے تھے جب حلق میں پھنستے تھے نوالے
آپس میں یہی کہتے تھے وہ گیسوؤں والے — قسمت کبھی دشمن پہ بھی یہ وقت نہ ڈالے
پانی بھی تو جی بھر کے نہیں ملتا ہے بھائی
یہ سخت ہے روٹی کہ گلا چھلتا ہے بھائی

سمجھاتا تھا چھوٹے کو بڑا بھائی یہ رو کر — جاگہہ نہیں شکوہ کی کرو صبر برادر
دیکھو تو نہ سر پر ہے پدر اور نہ مادر — تھوڑا ہے کہ یہ بھی ہمیں ملتا ہے میسر
نعمت سے زیادہ ہے یہی حال جو یوں ہے
منہ اپنا تو اس کھانے کے قابل بھی نہیں ہے

ایسے بھی بہت ہیں جنھیں ملتا نہیں دانا — پینے کو جو پانی ہو تو ملتا نہیں کھانا
بھائی ہے خدا مالک و مختار توانا — کچھ ایک سا رہتا نہیں دنیا میں زمانہ

موت آئی تو اس قید میں مر جائیں گے بھائی
جلتے ہیں تو یہ دن بھی گذر جائیں گے بھائی

یہ قید کے دن شکرِ الٰہی میں گذارو — جو مرضیٔ معبود ہے دم اس میں نہ مارو
صابر رہو شاکر رہو ہمت کو نہ ہارو — روٹی جو بھنے پانی کے گھونٹوں سے اتارو
رزاق دو عالم کی عنایت اسے سمجھو
گر صبر کی لذت ہے تو نعمت اسے سمجھو

گھبراتے ہو کیوں روتے ہو کس واسطے ہر بار — خالق ہے اسیروں کا یتیموں کا مددگار
چھٹ جاتے ہیں طائر بھی جو ہوتے ہیں گرفتار — ماہی کے شکم میں رہے کب یونسؑ دیندار
تاریکیٔ زنداں میں نہ اس طرح گھٹیں گے
یوسفؑ تھے چھٹے قید سے کیا ہم نہ چھٹیں گے

چھوٹے نے کہا سب ہے بجا آپ کا ارشاد — بھائی کی تشفی سے یہ ہے نالہ و فریاد
ہم سا تو زمانے میں نہ ہوگا کوئی ناشاد — چھوٹے بھی تو ہوویں گے نہ کبھی رنج سے آزاد
یعقوبؑ نے چھاتی سے لگایا تھا پسر کو
ہم قید سے چھٹ کر بھی نہ پائیں گے پدر کو

پہنچایا اس غم نے ہمیں گور کنارے — مٹی نہ وطن کی تھی نصیبوں میں ہمارے
جیتے ہیں اگر موت کے آثار ہیں سارے — مر جائیں تو مرقد میں ہمیں کون اتارے
ہم سا بھی کوئی بے کس و مغموم نہ ہوگا
مرنا بھی کسی شخص کو معلوم نہ ہوگا

کیا ہم کو نہ ہوئی خبرِ والدِ ذی جاہ — دیکھو تو کہ اماں بھی ہمیں بھول گئیں آہ

کیا ہو گیا ہے خون زمانے کا سفید آہ　　　اب ہو رہی ول کی یا الفت ہی ہماری نہیں ہوجاہ
کاہے کو وہ روئیں گی جو زنداں میں مرے ہم
وہ بیٹے تو ہیں پاس ہوئے ہم نہ ہوئے ہم
ہنگام سفر کہتی تھیں بابا سے یہ ہر بار　　　بلواں ان کے مجھے چین نہیں، بڑنے کا نہ ہار
رستہ میں خط آیا تو یہ لکھا تھا بہ تکرار　　　صاحب مرے بچوں سے خبردار خبردار
دونوں کی جدائی سے تڑپتی ہوں میں گھر میں
بھجوا دو مرے پاس جو روتے ہوں سفر میں
کیوں بھائی جو گھر کو ابھی ہم چھوٹ کے جائیں　　　کیا دوڑ کے اماں ہمیں چھاتی سے لگائیں
رو رو کے جو ہم پاؤں پہ سر ان کے جھکائیں　　　کیا پیار سے لیں سر سے قدم تک وہ بلائیں
وہ کہتا تھا جو کہتے ہو کیا دور ہے بھائی
اللہ میں سب طرح کا مقدور ہے بھائی
بالفرض چچا جان جو تشریف نہ لاتے　　　ہم شکل نبیؐ بھائیوں کو آکے چھڑاتے
بپھرے ہوئے عباسؑ علی شیر سے آتے　　　کوفہ کو الٹ دیتے اگر ہم کو نہ پاتے
اللہ رکھے ان کو یہ دم ہم میں نہیں ہیں
معلوم یہ ہوتا ہے کہ عالم میں نہیں ہیں
یہ کہتے تھے جو وا ہوا قفل در زنداں　　　اور رونے لگا آب وغنا ان کو نگہباں
چھوٹے لئے کھڑے ہو کے کہا با تن لرزاں　　　ہم تجھ کو دعا کرتے ہیں اے مرد مسلماں
پینے کو نہ پانی نہ غذا چاہتے ہیں ہم
کچھ حال سنے تو جو کہا چاہتے ہیں ہم

جو تو نے دیا شکر کیا اور وہی کھایا
جی بھر کے اگر پانی نہ پایا تو نہ پایا
بھڑکی جو بہت پیاس تو اشکوں سے بجھایا
شکوہ کا مگر حرف زباں پہ نہیں آیا

واقف ہے کہ کھانا کبھی دن بھر نہیں مانگا
سونے کے لئے رات کو بستر نہیں مانگا

تو رحم کر اے شخص کہ بے جرم و خطا ہیں
وارث کوئی سر پر نہیں پابستہ بلا ہیں
لڑکے ہیں ستم کش ہیں غریب الغربا ہیں
احساں کو نہ بھولیں گے کہ ہم اہل وفا ہیں

اب قید کی تکلیف اٹھائی نہیں جاتی
روٹی بھی کئی روز سے کھائی نہیں جاتی

رکھتا ہے بڑا اجر اسیروں کا چھڑانا
بھوکوں کو طلب کر کے سخی دیتے ہیں کھانا
رہ جاتا ہے عالم میں کریموں کا فسانا
نیکی جو کرے نیک اسے کہتا ہے زمانا

محتاج ہیں یاں اور تو کیا دیویں گے تجھ کو
کام آئے جو بہار سے تو دعا دیویں گے تجھ کو

دونوں نے فصاحت سے سخن جب یہ سنائے
زنداں کے نگہباں کے بھی آنسو نکل آئے
ہاتھ اس کی دعا کے لئے دونوں نے اٹھائے
پایا متوجہ تو سخن لب پہ یہ آئے

کچھ رتبۂ محبوب خدا جانتا ہے تو
اے شخص محمدؐ کو بھی پہچانتا ہے تو

وہ کہنے لگا اُن سے میں کیونکر نہیں آگاہ
مختار جہاں ختم رسل سید ذی جاہ
لڑکوں نے کہا حیدرؑ صفدر سے ہے آگاہ
بولا مری تسبیح ہے نام اسد اللہ

بھائی ہے مددگار ہے یاور ہے نبیؐ کا

حیدرؑ تو چچازاد برادر ہے نبیؐ کا

یہ سنتے ہی جان آ گئی دونوں کے بدن میں
کم ہو گیا وحشت سے جو لرزہ تھا بدن میں
خشکیدہ زباں کرنے لگی شکر دہن میں
گویا کہ بہار آ گئی ہستی کے چمن میں
حجرہ سے خوشی ہو کے وہ مہ رو نکل آئے
اک بھائی ہنسا ایک کے آنسو نکل آئے

بولے کہ ہم اے شخص محمدؐ کے جگر ہیں
جھوٹے نہیں ہیں یہ صداقت کے گہر ہیں
جو قتل ہوئے یاں وہ ہمارے ہی پدر ہیں
واللہ ہمیں مسلمؑ بے کس کے پسر ہیں
تو کہتا ہے احمدؐ کو پیمبرؐ ہے ہمارا
جو گھر ہے محمدؐ کا وہی گھر ہے ہمارا

یہ سنتے ہی تھرا گیا وہ مرد خوش اطوار
معصوموں کے قدموں پہ گرا دوڑ کے اک بار
کہتا تھا میں اس حال سے واقف نہ تھا زنہار
بخشو مجھے میں نے تمہیں گھر کا تھا گنہگار
جو آپ کے لائق تھا وہ لایا نہیں کھانا
سچ ہے کہ مزے کا کبھی کھایا نہیں کھانا

میں تم پہ فدا اے اسداللہ کے پیارو
کرتے ہیں نئے لاؤ یہ ملبوس اتارو
بندہ میں تمہارا ہوں مجھے قدموں پہ وارو
لو زاد سفر مجھ سے جہاں چاہو سدھارو
شکوہ مرا اللہ پیمبرؐ سے نہ کیجو
جنت میں شکایت مری حیدرؑ سے نہ کیجو

قدموں سے اٹھا کر وہ سخن لب پہ یہ لائے
تو خالق اکبر سے جزا حشر میں پائے
دنیا کی ہر آفت سے خدا تجھ کو بچائے
حامی ہوں تری فاطمہؑ جب حشر میں جائے

واقف نہیں ہم بلکہ بتا دے تو رواں ہوں
بچانی ترے نیچے ترے سایہ میں جواں ہوں

دینے لگا رو رو کے وہ انھیں درہم و دینار | شرمائے یہ کہنے لگے وہ بے کس و ناچار
احساں یہ ترا تھوڑا ہے اے مردِ خوش اطوار | توشہ ہے توکل کا ہمیں کچھ نہیں درکار
بتلا دے پتہ ہم کو جگر بند نبیؐ کا
لشکر ہے کہاں سبطِ رسولِ عربیؐ کا

کچھ سے جو صدقہ بھیجا تھا بابا کو ہمارے | یاں آن کے ہم قید ہوئے وہ گئے مارے
ساتھ ان کے گئے سب جو تھے کس کے سہارے | کہیں بیٹھ رہیں کہ کہیں جو وہ سدھارے
کئے راتیں ہیں یاں کاٹنی ہم نے بھی وطن تک
کس روز میں یا رب پہنچیں گے شہنشاہِ زمن تک

گھبرا کے وہ بولا کہ مناسب نہیں تاخیر | بہتر ہے ابھی شب میں نکل جانے کی تدبیر
جلدی سے اٹھے وہاں سے وہ با حالتِ تغیر | باندھیں کمریں اور وہ سب بچے ہوئے رہگیر
یوں نکلے بہ تعجیل اسیری کے محن سے
جس طرح گریزاں ہو قمری چھٹ کے چمن سے

مطلع دوم

جب مسلمِ بے کس کے پسر قید سے چھوٹے | تو وہ وطن خستہ جگر قید سے چھوٹے
دکھ سہہ کے عزادار پدر قید سے چھوٹے | پردیس میں وہ شمس و قمر قید سے چھوٹے
گیسو بھی پریشان تھے کرتے بھی پھٹے تھے
خورشید سے منہ گرد یتیمی سے اٹے تھے

وہ شہر پر آشوب وہ غربت وہ شب تار — ایک ایک قدم خوف نہ رہبر نہ مددگار
ہاں جاگتے رہیو یہ عسس کہتے تھے ہر بار — دل اُن کے دھڑکتے تھے لرزتے تھے تن زار
پیچھے کبھی ہٹ جاتے تھے گہ بڑھتے تھے دونو
ڈر ڈر کے کبھی نادِ علیؑ پڑھتے تھے دونوں

پھرتے رہے قسمت نے نہ کی راہ نمائی — رستہ نہ ملا جاتے کا اور نصف شب آئی
چھوٹے نے کہا چلنے کی طاقت جو نہ پائی — اب تو ہمیں نیند آئی ہے ٹھہرو کہیں بھائی
کہتا تھا بڑا ہیں ابھی دن سخت ہمارے
سوئیں گے جو بیدار ہوئے بخت ہمارے

دم لیتے کبھی گاہ قدم جلد اٹھاتے — سہمے ہوئے مڑ مڑ کے کبھی دیکھتے جاتے
تنہائی پہ آنکھوں سے کبھی اشک بہاتے — گر پڑتے کبھی اور کبھی ٹھوکریں کھاتے
بڑھ جاتے نقاہت سے جو دم ہانپنے لگتے
سایہ نظر آتا تو بدن کانپنے لگتے

لب پر نفسِ سرد بھرے آنکھوں میں آنسو — غربت زدہ پھرتے تھے سراسیمہ وہ گل رو
تھا ہاتھ میں چھوٹے کے بڑے بھائی کا بازو — دھڑکا تھا کہیں گھیر نہ لیں آکے جفا جو
چل سکتے تھے دونوں نہ ٹھہر سکتے تھے دونوں
گھبرائے ہوئے چاروں طرف تکتے تھے دونوں

اک پیر زن اتنے میں نظر آگئی ناگاہ — داماد کے آنے کی کھڑی تکتی تھی وہ راہ
یوں کہنے لگے اس سے بصد عجز وہ ذی جاہ — اک دو پہر اس گھر میں اماں دو ہمیں للہ
معصوم ہیں ہم بے وطن و زار و حزیں ہیں

مظلوم ہیں سیّد ہیں گنہگار نہیں ہیں

اس بستی میں جو بیدار نظر آئی نہیں تو   وہ بولی کہ تم دونوں ہو کس باغ کے گلرو
تم سے تو عجب طرح کی آئی مجھے خوشبو   کہنے لگے تب چپکے سے وہ دیکھ کے ہر سو
رکھتے ہیں قرابت تو رسولِ عربیؐ سے
مسلم کے پسر ہیں ہمیں کہیو نہ کسی سے

وہ بولی کہ آنکھوں پہ رکھوں تم کو میں دن رات   پہ صاحبِ خانہ ہے بڑا فاسق و بدذات
حاکم کا تو وہ دوست ہے اور دشمنِ سادات   گر دیکھ لیا اس نے تو بچنے کی نہیں بات
لونڈی ہوں میں زہراؑ کی تمہارا ہی یہ گھر ہے
گر ہے تو اسی ظالم و بدذات کا ڈر ہے

وہ بولے کہ خالق کرے رتبہ ترا عالی   ہم دونوں تھکے ماندے ہیں اور رات ہے کالی
درکار ہے نہ فرش نہ تکیہ نہ نہالی   تو ہم کو چھپا رکھ کوئی حجرہ ہو تو خالی
بن باپ کے ہیں ہم پہ مصیبت یہ نئی ہے
شاید وہ نہ آئے کہ بہت رات گئی ہے

دونوں نے یہ منت جو کیا اس سے یہ رو رو   تھی خادمہ معصوموں پہ رحم آ گیا اس کو
کہنے لگی میں تم کو چھپا رکھوں گی شب کو   میں صدقہ گئی آؤ مری بی بی کے پیارو
مہماں ہوئے جا کر ستم ایجاد کے گھر میں
دونوں کو اجل لے گئی جلاد کے گھر میں

کھانا بھی نہ کھایا نہ پیا دونوں نے پانی   اور سوئے بہم مسلمِ مظلوم کے جانی
وہ نیند نہ تھی موت کی گویا تھی نشانی   دروازہ پہ آ پہونچا ادھر موت کا بانی

چلّایا ضعیفہ کو یہ زنجیر ہلا کر
کوسوں کا تھکا آیا ہوں در کھول دے آ کر

یہ سن کے ضعیفہ کا لگا کانپنے اندام
بولی یہ بھلا آنے کا ہے کون سا ہنگام
دربار سے ہر روز تو آتا تھا سرِ شام
چلّا کے وہ بولا میں کہیں تھا تجھے کیا کام

در کھول نہیں آگ لگا دیتا ہوں گھر کو
لے تو نہیں آتی تو گرا دیتا ہوں در کو

در کھولا تو کس غیظ سے آیا وہ بد افعال
پھینکا کہیں خنجر کہیں تلوار کہیں ڈھال
تھی ریش تو الٹی ہوئی مونچھوں کی کھڑی بال
اور دیدۂ بد میں تھے جوں ساغرِ خوں لال

آواز بھی ایسی کہ گرجتی تھی فلک سے
ہلتی تھی زمیں پاؤں کے رکھنے کی دھمک سے

اس طیش میں کھانا بھی نہ جلّاد نے کھایا
پھر خوابِ اجل لے کے اسے بستر پہ گرایا
باقی تھی پہر رات کہ پھر ہوش اسے آیا
ابلیس نے سوتے ہوئے فتنہ کو جگایا

پھولوں کی مہک حجرے سے دالان میں آئی
آواز بھی کچھ رونے کی پھر کان میں آئی

تاریک جو منزل وہ کافر تھا وہ سب گھر
ہر سو صفت گرگ لگا ڈھونڈنے اٹھ کر
ظالم نے سرہانے سے لیا ہاتھ میں خنجر
پکڑے ہوئے دیوار گیا حجرے کے اندر

واں مسلمِ مظلوم کے پیارے نظر آئے
اک برج میں وہ عرش کے تارے نظر آئے

جاگے جو کئی رات کے تھے وہ جگر افگار
سوتے تھے دھری پیار سے رخسار پہ رخسار

تصویر سے بستر پہ کشیدہ تھے تن زار   باہیں جو گلے میں تھیں تو بند دیدۂ خونبار

اک سینہ کا تھا عکس ہوا اک سینہ کے اندر

آئینہ نظر آتا تھا آئینہ کے اندر

باندھ پہ جو چھوٹے کے پڑا دست ستمگار   تو کون ہے کہنے وہ لگا چونک کے اکبار

جھنجھلا کے کہا اس نے زمیں گھر کا ہوں مختار   تب بھائی کو بڑا لڑکا کے یہ بولا وہ دل افگار

جس بات کا دھڑکا تھا وہ آفت کی گھڑی ہے

کیا سوتے ہو اٹھو کہ اجل سر پہ کھڑی ہے

گھبرایا ہوا خوف سے اٹھا وہ دل آرام   ظالم نے کہا کون ہو تم بے کس و ناکام

وہ بولے اماں دیگا جو بتلائیں تجھے نام   اس نے کہا ہاں دونگا تو بولے یہ گل اندام

کھینچے ہوئے ہے ہاتھ میں تو تیغ جفا کو

ڈر لگتا ہے تجھ سے ہمیں ضامن دے خدا کو

مکار لگا کہنے کہ سب ہے مجھے منظور   پیماں شکنی ہوئے یہ اپنا نہیں دستور

ڈر ڈر کے یہ کہنے لگے وہ بے کس و مجبور   اے شخص ہمیں ہیں پسر مسلم مغفور

تھا قتل کا ڈر اس لئے گھبرا کے چھپے ہیں

کر رحم کہ دامن میں ترے آکے چھپے ہیں

سنتے ہی جفا کار نے بس آنکھ کو موڑا   یوں بانہوں کو زور سے پکڑا کہ نہ چھوڑا

رسی میں انھیں باندھ لیا عہد کو توڑا   بچوں نے کئی بار بندھے ہاتھوں کو جوڑا

جب کھینچتا تھا گر کے مچلتے تھے وہ بچے

یہ حجرے سے باہر نہ نکلتے تھے وہ بچے

دکھلاتا تھا خنجر انھیں جب کرتے تھے فریاد — بچوں پہ یہ دکھ ہائے یتیموں پہ یہ بیداد
دروازہ تلک کھینچ کے لایا ستم ایجاد — کمزور تھے یہ اور زبردست تھا جلاد

گرتے بھی جھٹے ٹوپیاں بھی گر گئیں سر سے
مجرم کی طرح باندھ دیا دونوں کو رسے

جس وقت نمودار ہوئے صبح کے آثار — دریا پہ چلا لے کے یتیموں کو جفاکار
چلاتی تھی پیچھے یہ ضعیفہ جگر افگار — بن باپ کے بچے ہیں یہ ظالم نہ انھیں مار

کیوں فاطمہ زہراؑ کو رلاتا ہے کفن میں
دو پھول تو رہنے دے محمدؐ کے چمن میں

بچوں سے لپٹتی تھی جو وہ کھولے ہوئے سر — تلوار کی ہولوں سے ہٹاتا تھا ستمگر
وہ کہتی تھی تو ان کے عوض قتل مجھے کر — ہے ہے مرے مہمان ہیں یہ بیکس و مضطر

آنکھوں سے قدم ان کے لگانے نہیں پائی
کھانا بھی غریبوں کو کھلانے نہیں پائی

جس وقت ہٹانے پہ بھی لپٹی کئی بار ہی — تلوار اسے جھنجلا کے ستمگار نے ماری
پہلے تو کہا لو میں تصدق ہوئی واری — گرتے ہوئے ہاتھوں کو اٹھا کر یہ پکاری

دوڑے کوئی معصوم گرفتار بلا ہیں
بچوں کو چھڑا دے کہ یہ بے جرم و خطا ہیں

روتے تھے ضعیفہ کی محبت پہ وہ مہ رو — بہہ بہہ کے گریبان تلک آتے تھے آنسو
کھینچے لئے جاتا تھا یتیموں کو جفا جو — اک ہاتھ میں تلوار تھی اک ہاتھ میں گیسو

خوں دیکھ کے دونوں جو ضعیفہ کا ڈرے تھے

دہشت سے بندھے ہاتھوں کو آنکھوں پہ دھرے تھے

بچوں کو لئے نہر پہ پہنچا جو وہ بے پیر ‏ اور دیکھی یتیموں نے چمکتی ہوئی شمشیر
دل ہل گئے ہٹ ہٹ گئے یہ کی جو دونوں نے تقریر ‏ گر رحم کہ معصوم ہیں ہم بیکس و دلگیر

مظلوم ہیں حامی کوئی مشکل میں نہیں ہے
ظالم ہے کوئی رحم ترے دل میں نہیں ہے

وہ بولے کہ مطلوب ہے گر درہم و دینار ‏ راضی ہیں ہمیں بیچ لے چل کر سر بازار
وہ جنس نہیں جس کا نہیں کوئی خریدار ‏ ہم سے کہیں ملتے ہیں غلامان وفادار

یوسف کی طرح موتیوں میں جب یہ تلیں گے
ان لعلوں کے مقدر سے تجھے اس وقت ملیں گے

گر یہ نہیں مطلب تو نہ کر دیر لے جا ‏ دل آپ سے دہشت سے لرزتا ہے کلیجا
دربار ستمگار میں لے چل ہمیں جیتا ‏ وہ بولا کہ حاکم ہی نے ہے قتل کو بھیجا

آلودہ لہو میں رخ انور نہیں دیکھے
جیتا تمہیں دیکھا ہے کٹے سر نہیں دیکھے

لڑکوں نے کہا مالک و مختار خدا ہے ‏ گر لیویں نمازیں تو ادا سر پہ قضا ہے
وہ بولا نمازوں سے بھلا فائدہ کیا ہے ‏ جانوں کو بچا لیں یہ نمازیں تو بجا ہے

وہ بولے کہ یہ شیوہ ہے مشہور ہمارا
سو بیٹا عبادت میں ہے دستور ہمارا

نامرد نے حملہ کیا تلوار اٹھا کر ‏ سر رکھ دیا چھوٹے نے وہیں جلد بڑھا کر
تب ہاتھ سے چھوٹے کو بڑا بھائی ہٹا کر ‏ جا لیٹا تہہ تیغ دو دم سر کو جھکا کر

تلوار چمکتی تھی تو ہٹ جاتا تھا بھائی
پھر دوڑ کے بھائی سے لپٹ جاتا تھا بھائی

یہ کہتا تھا تلوار بڑے پہ نہ علم کر | ڈر قہر خدا سے یہ جفا کر نہ ستم کر
وہ کہتا تھا پہلے مرا سر تن سے قلم کر | مل لیویں گلے بھائی سے کے دقیقہ کوئی دم کر

اک وار میں سر دونوں کے تن پہ سے اتر جائیں
ہیں ساتھ ہی رسّی میں بندھے ساتھ ہی مر جائیں

ناگاہ چلی ظالم کی تلوار بڑے پہ | بالائے زمیں کٹ کے ستارہ سا گرا سر
دریا میں ستمگار نے پھینکا تن اطہر | چلّا کے یہ چھوٹے لگا کہنا ہائے برادر

دیکھا جو بڑے بھائی کا سر دست عدو میں
وہ گر کے تڑپنے لگا بھائی کے لہو میں

آیا جو شقی تیغ علم کر کے دوبارا | چلّانے لگا بھائی کو وہ بھائی کا پیارا
مادر کو پکارا کبھی بابا کو پکارا | جلّاد نے تن پہ سے سر اس کا بھی اتارا

دھبّہ بھی نہ خوں کا لگا شمشیر عدو میں
بھائی کا لہو مل گیا بھائی کے لہو میں

حضرت امام حسینؑ اور اہلبیت کی مکہ سے کوفہ کی طرف روانگی

کعبہ سے کیا جب کہ سفر قبلۂ دیں نے | چھوڑا وطن اس دوش محمدؐ کے مکیں نے
بانی نہ اماں خانۂ الٰہی کے امیں نے | عزم سفر کیا گوشہ نشیں نے

ہدیے تھے عدو سبط رسول عربیؐ کے

ادھر تو حضرت مسلم اور کوفیوں کے خطوط آگئے تھے کہ امام حسین علیہ السلام جلد تشریف لائیں سارا کوفہ مطیع ہے۔ ہم اپنی جانیں آپ پر فدا کرنے کو تیار ہیں۔ دوسری جانب حضرت امام حسینؑ کو یہ معلوم ہوا کہ یزید (ملعون) ...

مہلت نہ ملی حج کی نواسے کو نبیؐ کے

کعبہ میں مدینہ سے تھے یہ سوچ کے آئے
تھے اہلِ حرم کو بھی اسی واسطے لائے
اللہ کے گھر میں کوئی شاید نہ ستائے
سو واں بھی تھا یہ خوف کہ حج کرنے نہ پائے

اللہ نے پیدا کیا کعبے میں علیؑ کو
اور جائے سکونت نہ ملی سبطِ نبیؐ کو

احرام تلک باندھ چکے تھے شہِ ابرار
جو کھل گیا احمدؐ کے نواسہ پہ یہ اسرار
یا قتل کریں طوف میں یا کر لیں گرفتار
اندیشہ مجھے آتا ہے اس بات کا ہر بار

پایا جو تردد کا محل سرورِ دیں نے
عمرہ سے کیا حج کو بدل سرورِ دیں نے

مضطر تھے شبِ ہشتم ذی الحجہ کو شبیرؑ
تھا قصد مصمم کہ سوئے کوفہ ہوں رہ گیر
کرتے تھے کبھی یاس سے رو رو کے یہ تقریر
اب یاں سے کہاں دیکھئے لے جاتی ہے تقدیر

پھر کر جو وطن جائیں تو جانا نہ ملے گا
اب ہم کو بجز قبر ٹھکانا نہ ملے گا

تھے سبطِ نبیؐ کوچ کی تدبیر میں دن رات
کی آکے ابن[1] حنفیہؓ نے ملاقات
بھائی سے بغل گیر ہوئے شاہ خوش اوقات
کی عرض محمدؐ نے کہ اے قبلۂ حاجات

کوفہ کی طرف جانے میں اندیشۂ جاں ہے
مکہ میں مکیں ہو کہ بزرگوں کا نشاں ہے

(ص ۹۵) ان کی فکر میں ہے۔ اور چاہتا ہے کہ ایام حج میں مکہ معظمہ کے اندر ان کو قتل کرا دے ان وجوہ سے حضرت امام حسینؓ نے کعبہ سے ہجرت کی اور کوفہ کی طرف روانہ ہو گئے۔

[1] محمد ابن حنیفہ حضرت علیؓ کے صاحبزادے اور حضرت امام حسینؓ کے بھائی تھے۔

حضرت نے کہا ہوتا ہوں ناچار روانہ — بھاتا ہے کسے اپنا وطن چھوڑ کے جانا
میں بیکس و مظلوم ہوں دشمن ہے زمانہ — اب تو ہے مدینہ میں نہ مکہ میں ٹھکانا
حاسد ہے کوئی درپئے آزار ہے کوئی
حامی ہے نہ کوئی نہ مددگار ہے کوئی

ابن حنفیہ نے کہا تب بہ سماجت — گر جائیے تو سوئے یمن جائیے حضرت
واں آپ کے والد کے محبوں کی سکونت — وہ لوگ ہیں سب اہل وفا اہل مروت
کیجیئے گا سرافراز تو قدموں پہ گریں گے
پھر جائے زمانہ نہ وہ حضرت سے پھریں گے

فرمایا جہاں جاؤں کروں قصد جدھر کا — چھوڑے گی اجل ساتھ نہ شبیرؑ کے سر کا
اب دھیان ہی شبیرؑ کو بچوں کا نہ گھر کا — اب کا یہ سفر مجھ کو وسیلہ ہے ظفر کا
گر کوچ سوئے کوفہ نہ ہوئے گا برادر
پھر کون مری قبر میں سوئے گا برادر

چڑھنے لگے رہوار پہ جب سبط پیمبرؐ — فریاد سوئے کعبہ یہ کی ہاتھ اٹھا کر
چھٹتا ہے حرم ترے گھر ہی میں اے خالق اکبر — اس سال ہوا حج بھی نہ خادم کو میسر
پاس آن کے در سے جو ترے دور چلا ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ مجبور چلا ہوں

بچے مرے ہمراہ ہیں گرمی کا سفر ہے — رستہ بھی خطرناک ہے منزل پہ بھی ڈر ہے
پر فضل و کرم پر ترے بندہ کی نظر ہے — ناگاہ صدا آئی کہ کیا تجھ کو خطر ہے
ہر حال میں سایہ ترے سر پر ہے ہمارا

ہم پاس ہیں تیرے ترا دل گھر ہے ہمارا

کعبہ کی جدائی سے عبث ہوتے ہو مضطر
حاجی سے مجاہد کا کہیں رتبہ ہے بہتر
جس راہ میں جاتا ہے تو اے سبط پیمبرؐ
ایک ایک قدم میں ہے ثواب حج اکبر
الفت ہمیں تیری ہے تجھے چاہ ہماری
جو گھر ہے ہمارا تو وہ ہے راہ ہماری

کعبہ سے گئے جب کئی فرسخ شہ بے جود
رستہ میں نذر راہ بن صالح ہوا موجود
کی عرض کہ اے راہ رو جادۂ مقصود
جاتے ہو کہاں چھوڑے ہوئے خانۂ معبود
کوفہ کا ہے گر قصد تو پھر جائیے حضرت
ڈرتا ہوں کہ اعدا میں نہ گھر جائیے حضرت

واں ہو چکے جمع ہیں کئی لاکھ ستمگر
اطراف و جوانب سے چلے آتے ہیں لشکر
ہیں تشنۂ خوں آپ کے یا سبط پیمبرؐ
ملعونوں کے تیغ و تبر و نیزہ و خنجر
کوفہ میں یہی معرکہ دن بھر نظر آیا
شمر آیا۔ سنان آیا۔ حرؑ آیا۔ عمر آیا

فوج آپ کی مجھ کو نظر آتی ہے بہت کم
آگے سے ہیں کئی کوس کے ہے لشکر ظلم
شہزادوں کے سن چھوٹے ہیں یا قبلۂ عالم
جانے کو ادھر جنگ کا ساماں ہے مقدم
انصار بھی لشکر سے نکل جائیں گے اکثر
جاتے تو ہیں پر وقت پہ ٹل جائینگے اکثر

حضرت نے کہا راست یہ سب تیرا بیاں ہے
جو ان کے دلوں میں ہے وہ سب مجھ پہ عیاں ہے
اس شہر میں لیک ایک مرا دشمن جاں ہے
کچھ غم نہیں واں جمع اگر فوج گراں ہے

سر اپنا تہہ تیغ میں دھرنے کو چلا ہوں
لڑنے کو تو جاتا نہیں مرنے کو چلا ہوں

راستہ کی حالت اور سفر کے مصائب کا بیان

خورشیدِ درخشانِ امامت ہے سفر میں ۔۔۔ گردش نظر آتی ہے نظر دور قمر میں
احباب وطن پھرتے ہیں حضرت کی نظر میں ۔۔۔ صغرا کے بچھڑ جانے کا ہے درد جگر میں
تشویش سے سب قافلہ والوں کا بھی فق ہے
غربت میں عجب یوسف زہراؑ کو قلق ہے

وہ کوس کڑے اور پہاڑوں کی وہ راہیں ۔۔۔ یہ دھوپ میں شدت تھی کہ جلتی تھیں نگاہیں
دشوار تھا پانی کسی چشمے سے جو پائیں ۔۔۔ اٹھتا تھا دھواں دل سے نکل جاتی تھیں آہیں
سونلا گئے تھے چاند سے منہ سیم بدن کے
ثابت تھا کہ خورشید برابر ہے سر رن کے

پتھر کی چٹانوں سے نکلتے تھے شرارے ۔۔۔ تازی تھی ہوا سبز شجر زرد تھے سارے
ڈوبے تھے عرق میں اسداللہ کے پیارے ۔۔۔ دھڑکا تھا کہ یہ لو کسی بچے کو نہ مارے
ہوش آتا نہ تھا اصغرِ معصوم کو غش سے
اودے تھے لب لعل سکینہ کے عطش سے

تھا مہر کی شدت سے یہ حالِ شہ ابرار ۔۔۔ ماتھے سے ٹپکتا تھا عرق سرخ تھے رخسار
تمہید میں جنبش تھے لب لعل گہر بار ۔۔۔ بھر کر نفس سرد یہ فرماتے تھے ہر بار
اک پھول بھی زہراؑ کے چمن میں نہ ملیگا
کیا ہوگا جو پانی کسی بن میں نہ ملے گا

گرمی سے تھا یہ حضرت عباسؑ کا عالم — منہ سرخ تھا اور ہانپتے تھے صورت ضیغم
چہرہ بھی عرقناک تھا اور طبع بھی برہم — فرماتے تھے اشک آنکھوں میں بھر کر شہ عالمؑ
تم شیر ہو راحت تمہیں بھائی نہ ملے گی
جب تک کسی دریا کی ترائی نہ ملے گی

یوں اکبرؑ مہرو تھے پسینہ میں نہائے — جیسے تپ محرق میں جواں کو عرق آئے
جب پونچھنے لگا دل تو سخن لب پہ یہ آئے — رب دو جہاں حشر کی گرمی سے بچائے
گذریگا ہر اک دم تپش دل سے قلق میں
سب تا بہ کمر ڈوبے ہوئے ہونگے عرق میں

حضرت کو سکینہؑ یہ صدا دیتی تھی پیہم — محمل میں گھٹا جاتا ہے گرمی سے مرا دم
سب ڈوب گئی جھولا یہ پسینہ کا ہے عالم — برسیگی یوں ہی آگ تو جینے کے نہیں ہم
ہے ابر کرم آپ کرم کیجئے بابا
سایہ کہیں مل جائے تو دم لیجئے بابا

سن کر یہ بھتیجی کی صدا حضرت عباسؑ — کہتے تھے چچا صدقہ ہو روؤ نہ بصد یاس
لو پانی پیو تم کو لگی ہو جو بہت پیاس — دم گھٹتا ہے محمل میں تو آجاؤ مری پاس
تکلیف تمہاری ہمیں منظور نہیں ہے
دن ڈھلتا ہے منزل بھی بس اب دور نہیں ہے

قسمت نے نکالا ہے عجب فصل میں گھر سے — تم کیا ابھی واقف ہو مصیبات سفر سے
جو نازوں کی پالی کہ ہو نازک گل تر سے — گرمی میں وہ یوں سرد ہوا کے لئے ترسے
مجبور ہیں کچھ بس نہیں آتا ہے سکینہؑ

نیرنگ یہ سب چرخ دکھاتا ہے سکینہؑ

کہتے تھے قریبِ ناقوں کے آ کے شہِ ابرار
حاضر ہے جو پانی کسی بی بی کو ہو درکار

آندھی سے ہے گھٹا ٹوپ اڑے جلتے ہیں ہر پا
اے بنت ید اللہ سکینہؑ سے خبردار

رستہ یہ پہاڑوں کا ہے منزل یہ کڑی ہے
بچوں کو چھپائے رہو لوں آج بڑی ہے

غربت کی جفائیں یوں ہی سہتے ہوئے دن رات
طے راہِ خدا کرتے تھے شبیرؑ خوش اوقات

ہو جاتی تھی جس مردِ مسافر سے ملاقات
گھوڑے کی عناں روک کے فرماتے تھے یہ بات

ٹھہرا نہیں سکتا کہ سرِ راہ ہے بھائی
کوفہ کی خبر سے بھی کچھ آگاہ ہے بھائی

وہ کہتا تھا کوفہ میں عجب غدر ہے مولا
ہر سمت ہیں قصے تو فساد اٹھتے ہیں ہر جا

دور اُن کا ہے کچھ جن کو مروت نہیں اصلا
ہوتے ہیں ستم کوئی کسی کی نہیں سنتا

ٹوٹا ہے فلک ظلم کا مومن کے سروں پہ
جب دیکھیے دوڑیں چلی آتی ہیں گھروں پہ

اشراف ہیں جتنے وہ نکلتے نہیں گھر سے
دروازے نہیں کھولتے لٹ جائیں گے ڈر سے

ہو جاتا ہے جب شام تردد میں سحر سے
سب کرتے ہیں سجدہ کہ بلا ٹل گئی سر سے

یہ ظلم یہ بیداد نہیں اور کسی پر
مولا یہ تباہی ہے حسینؑ ابنِ علیؑ پر

اطراف سے فوجیں چلی آتی ہیں برابر
ثابت نہیں ہوتا کہ چڑھائی ہے یہ کس پر

ناغات ہیں کوفہ کے پڑے ہیں کئی لشکر
ناکے سے نکلنے نہیں پاتا کوئی باہر

تیغیں بھی چمکتی ہیں سنانیں بھی تبر بھی
رُخ ایک رسالہ کا تو دیکھا ہے ادھر بھی

گھبرا کے یہ اس شخص سے بولے شہ مظلوم
بھائی تجھے مسلم کا بھی کچھ حال ہے معلوم

ایسا نہ ہو رہ جائیں ملاقات سے محروم
اس نے کہا یاں سے چلا تھا تو یہ تھی دھوم

بے قتل ہوا دوں کو نہ آرام ملے گا
مسلم کا جو سر لاؤ تو انعام ملے گا

کو چوں میں منادی یہ صدا دیتا تھا ہر بار
بھاگا ہے کل اک مسجد کوفہ سے گنہگار

گھر میں کوئی مجرم کو چھپائے نہ خبردار
آفت ہے محلوں میں بپا بند ہیں بازار

بچنے کا نہیں سب پئے جاں دشمن دیں ہیں
مسلم کہیں پوشیدہ ہے فرزند کہیں ہیں

حضرت مسلمؑ کی شہادت کی خبر رستہ میں ملنا

ہر منزل وحشت میں کہتے تھے یہ شبیرؑ
پہنچا دے کہیں منزل مقصود پہ تقدیر

طے جلد ہو یہ راہ گوارا نہیں تاخیر
اب وصل کا معشوق کے مشتاق ہے شبیرؑ

بھائی کی جدائی کا بڑا رنج و تعب ہے
مسلم سے ملاقات نہ ہووے تو غضب ہے

بھیجا تو ہے بھائی کو پہ دل ہے مرا بیتاب
تشویش سے آتا نہیں تا صبح مجھے خواب

اس شہر میں دشمن ہیں بہت تھوڑے ہیں احباب
ہے بحر شجاعت کا وہ اک گوہر نایاب

ہٹنے کا نہیں کیسا ہی گر پیچ پڑے گا
کوفہ میں اکیلا وہ ہزاروں سے لڑے گا

بھیجا تھا جو پہلے تو گیا تھا وہ بصد یاس — جا کر گئی منزل سے پھر آیا تھا مرے پاس
پھر بھیجا تھا میں نے تو وہ تھا جینے سے بے آس — پچھتاتا ہوں اب لحد بھی ہوگا مجھے وسواس
مسلم نہ ملے ایسی نہ کچھ بات ہوئی ہو
وہ آخری ہم سے نہ ملاقات ہوئی ہو

جاتا تھا اسی سوچ میں وہ عاشق باری — جس دم کبھی سائے میں ٹھہرتی تھی سواری
بیٹی کو اٹھا مسلم مظلوم کی پیاری — حضرت سے یہ کہتی تھی چچا جان میں واری
کب چاند سی صورت ہمیں دکھلائیں گے بابا
کوفہ سے ہمیں لینے کو کب آئیں گے بابا

بابا کی ملاقات کو اب دل ہے تڑپتا — کٹتی بھی نہیں راہ کسی طرح کروں کیا
گھبراتی ہوں کچھ بس نہیں چلتا ہے یہ تمنّا — اک دم میں پہنچ جاؤں جو دو دن کا ہو رستہ
مشتاق ہے دل چشم بھی دیدار طلب ہے
قسمت میں ملاقات خدا جانے کب ہے

گھر سے ہیں کئی دن کہ ہیں بابا تو سفر میں — مدت ہوئی سوئی نہیں آغوش پدر میں
سوزش ہے تپ ہجر کی ننھے سے جگر میں — راحت نہ سفر میں ہے نہ آرام تھا گھر میں
میں کیا کہوں جو درد و غم و رنج ہے جی کو
بابا سے جدائی نہ ہو دنیا میں کسی کو

فرماتے تھے تب شاہ کہ اے باپ کی شیدا — گھبراتی ہے کیوں جلد ملے گا ترا بابا
میرا بھی یہی حال ہے جو حال ہے تیرا — بھائی کی ملاقات کو میں بھی ہوں تڑپتا
میں ساتھ ہوں بابا کے بھی ملنے کا یقیں ہے

صغراؑ کو تو دیکھو کہ کوئی پاس نہیں ہے

تم باپ کے بعد بھائیوں کے غم سے ہو مضطر
دو بھائی تو ہمراہ ہیں اور ساتھ ہے مادر
اس پاس تو ماں ہے نہ پدر ہے نہ برادر
اس غم میں شفا ہووے گی بیمار کو کیونکر

اس کے تو سب ہی چاہنے والے ہیں سفر میں
کیا حال ہوا ہوئیگا اجڑے ہوئے گھر میں

حضرتؑ نے جو کی دختر مسلمؑ سے یہ تقریر
صغراؑ کے لئے رونے لگیں بانوئے دلگیر
چلائی سکینہؑ ترے صدقے مری ہمشیر
اب دیکھیئے کب تجھ سے ملادے ہمیں تقدیر

زینبؑ نے کہا رو کے میں قرباں مری صغراؑ
بچی ترا اللہ نگہباں مری صغراؑ

رونے کی صدا محلوں سے آئی جو یکبار
راہی ہوئے روتے ہوئے واں سے شہ ابرار
جلتی تھی زمیں دھوپ سے اور لوں تھی شرربار
سایہ کئے تھے فرق مبارک پہ علمدار

لب خشک تھے گرمی سے ہر اک غنچہ دہن کے
مرجھا گئے تھے پھول محمدؐ کے چمن کے

اس روز تھے مغموم بہت حضرت شبیرؑ
خاموش تھے خویش و رفقا صورت تصویر
ہر سو نگراں تھے مگر افسردہ و دلگیر
تھا دھیان خبر لوچھو جو آئے کوئی راہگیر

رخساروں پہ آنکھوں سے کبھی اشک رواں تھے
لب پہ کبھی دنیا کی مذمت کے بیاں تھے

قاصد کوئی نامہ تھا جو مسلمؑ کا نہ لایا
تشویش میں تھا حیدر کرارؑ کا جایا
ناگہ انھیں اک مرد مسافر نظر آیا
بھولے کے کسی کو اسے حضرتؑ نے بلایا

تسلیم کی اس شخص نے جھک کر شہ دیں کو
نعلین مبارک پہ لگا ملنے جبیں کو

لے ہاتھ میں ہاتھ اُس کا اُٹھے سید والا
لیجا کے کنارے اسے اِس طرح سے پوچھا

اے شخص تو آتا ہے کدھر سے مجھے بتلا
دم کہنے لگا کوفہ سے آتا ہوں میں شاہا

شہ نے کہا کوفہ کا مسافر تو اگر ہے
مُسلم مرے بھائی کی بھی کچھ تجھ کو خبر ہے

صحت سے تو ہیں ساتھ جو دو بیٹے ہیں اُس کے
کڑھتے تو نہیں پہلے پہل ماں سے ہیں چھوٹے

کیا کرتے تھے تو نے انھیں دیکھا ہے تو کہہ دے
ماں روتی ہے ان کے لئے بھائی ہیں تڑپتے

اس گرمی میں کیا کام تھا بچوں کا سفر میں
بابا سے ملے تھے نہ رہے اس لئے گھر میں

سُن ہوگیا حضرت سے یہ سُن کر وہ مسافر
کیا کہتا کہ مسلم کے وہ تھا حال سے ماہر

چہرے سے جو اس شخص کے حیرت ہوئی ظاہر
کہنے لگے یہ کہ شہ صابر و شاکر

اے شخص بتا رنگ ترا کس لئے فق ہے
جو گذری ہو کہہ دے کہ مرے دل کو قلق ہے

رو رو کے وہ کہنے لگا کس منہ سے کہوں آہ
مسلم کا بھی سر کٹ گیا ہانی کا بھی یا شاہ

اور پاؤں میں لاشوں کے رسن باندھ کے بد خواہ
بازار میں کھینچے لئے پھرتے ہیں سر راہ

ان دونوں کے سر شام میں جائیں گے خبر ہے
لاشوں کو سر دار چڑھانے کی خبر ہے

مارا گیا بے جرم و خطا آپ کا بھائی
تربت بھی مسافر کی کسی نے نہ بنائی

حسین

مرنے سے بھی پہلے ہوئی بیٹوں سے جدائی
بچوں کو غریب الوطنی میں اجل آئی

دریا پہ انھیں مار کے جب آیا تھا حارث
دربار میں دو چھوٹے سے سر لایا تھا حارث

جب شہ نے سنی یہ خبر مسلم بے پر
رقت کا ہوا جوش لگے کانپنے تھر تھر
سینہ میں تڑپنے لگا دل مثل کبوتر
منہ کر کے سوئے کوفہ کہا ہائے برادر

بلوا کے مدینہ سے یہاں مر گئے مسلمؑ
ہم کوفہ تک آئے تو سفر کر گئے مسلمؑ

پھر کوٹ کے چھاتی یہ کہا شاہ نے رو رو
بھائی چھٹے دنیا کے غم و رنج سے تم تو
ہم بھی وہیں آملتے ہیں، تم سے کوئی دن کو
آمادۂ مرگ اپنے برادر کو بھی سمجھو

اب خون جگر کب تلک اس غم میں پیوں گا
میرے لئے مارے گئے میں بھی نہ جیوں گا

رو رو کے پھر اس شخص سے کہنے لگے سرور
کیجیو یہ خبر تو ابھی ظاہر نہ کسی پر
اس واسطے کہتا ہوں کہ یہ واقعہ سن کر
ہووے نہ پریشاں مری جمعیت لشکر

ہے دختر مسلم بھی گرفتار الم میں
مر جائے گی سر پیٹ کے وہ باپ کے غم میں

دو بیٹے بھی زوجہ بھی ہے اس کی مری ہمراہ
مسلم نہیں مارا گیا میں مر گیا واللہ
دل پر مرے اک غم کا فلک ٹوٹ پڑا آہ
کیا حال ہو گا ہوگی جب اس حال سے آگاہ

شرم آتی ہے سمجھانے کا یارا مجھے کب ہے
عورت کیلئے رنج رنڈاپے کا غضب ہے

فرما کے یہ آنکھوں سے بہت اشک بہائے　　رخصت وہ ہوا آپ بھی سر کو جھکائے
بیٹھے تھے جہاں پر وہیں تشریف جو لائے　　ترِ ریشِ مبارک ہوئی یہ اشک بہائے
رکھ لیتے تھے رومال کبھی دیدۂ نم پر
روتے تھے کبھی سر کو جھکا زانوئے غم پر

تھے خویش و برادر بھی تو گرد شہِ مظلوم　　لیکن سبب گریہ نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
عباسؑ کو تشویش تھی اکبرؑ بھی تھے مغموم　　اس سوچ میں تھے زینب دلگیر کے معصوم
کیا وجہ ہے جو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں ماموں
چلکر کہیں اماں سے کہ کیوں روتے ہیں ماموں

قاسم کا عجب حال تھا روتے تھے جو سرور　　بیتاب تھا دل رنگ تھا رُخ کا متغیر
تھے مضطر و حیراں پسر مسلمؑ لے پر　　آہستہ یہ کہتا تھا برادر سے برادر
یارا نہیں جو پوچھیں کہ حضرت نے سنا کیا
کیا جانئے کوفہ کے مسافر نے کہا کیا

جس وقت سے کوفہ کے وہ کچھ کہہ گیا اخبار　　اس وقت سے غم گیں ہیں نہایت شہِ ابرار
دم کا ہے کہ خلقت نہیں کوفہ کی وفادار　　بابا سے کہیں پھر گئے ہو دیں نہ جفا کار
یہ کہتے تھے اور جوش تھا سینہ میں بکا کا
منہ تکتے تھے آنسو بھری آنکھوں سے چچا کا

حیدرؑ کے نواسے تھے زبس عاشق سرور　　روتے ہوئے خیمہ میں گئے با دلِ مضطر
زینبؑ نے کہا خیر تو ہے صدقہ میں تم پر　　کیوں روتے ہو جلدی کہو مر جائے گی مادر
یاد آتا ہے مگر یا ہے تمہیں رنج سفر سے

یا اس لئے روٹھے ہو کہ چھوٹے ہو پدر سے

رو رو کے یہ کہنے لگے زینبؑ کے وہ پیارے
دم ماریں نہ واللہ جو ہم پر چلیں آرے
کچھ آج عجب صدمہ ہے ماموں پہ ہمارے
وہ روتے ہیں خویش و رفقا غم میں ہیں سارے

کیا جانئے کیا غم ہے دل جان نبیؐ کو
پوچھے کوئی بڑھ کر یہ نہیں تاب کسی کو

یہ سنتے ہی گھبرا گئیں سب بیبیاں اکبار
بانوؑ نے کہا روتے ہیں لو گوشۂ ابرار
ہو خیر کہ تھی فاطمہ صغراؑ مری بیمار
کہتی تھی کھڑی زوجۂ مسلم بدل زار

وارث مرا دو بیٹے لئے ساتھ گیا ہے
کوفہ کے مسافر کا نگہبان خدا ہے

اس وقت عجب خیمہ میں برپا تھی قیامت
منہ سب کے تھے فق ملتی تھی ایک ایک کی صورت
زنہار نہ زینبؑ کو رہی صبر کی طاقت
ڈیوڑھی پہ گئی مضطر و بے تاب نہایت

چلا کے کہا مجھ کو نہ تڑپائیے بھائی
باہر میں نکلتی ہوں نہیں آئیے بھائی

آواز جو زینبؑ کی سنی شاہ نے اکبار
با دیدۂ تر خیمہ میں آئے شہ ابرار
زینبؑ نے کہا اے اسد اللہ کے دلدار
صدقہ گئی کچھ رونے کا باعث کرو اظہار

غم دیدہ تو ہے اور بھی غم کھائیگی زینبؑ
واللہ چھپاؤ گے تو مر جائے گی زینبؑ

حضرتؑ نے کہا کان میں زینبؑ کے یہ رو کر
کس طرح نہ روؤں کہ ستم ہو گیا مجھ پر
میرے لئے مارا گیا مسلمؑ سا برادر
بے کس کو ہوا گور و کفن بھی نہ میسر

اک کوفی کے ہاتھ آ گئے فرزند بھی اس کے
پردیس میں مارے گئے دل بند بھی اس کے

بیٹھی ہے کہاں دختر مسلمؑ کو تو لاؤ — جلدی اُسے لا کر مری چھاتی سے لگاؤ
رو کر کہا کلثومؑ سے زینبؑ نے کہ جاؤ — کبریٰ و سکینہؑ کی مصاحب کو بلاؤ
دیکھو کہیں یاں ہو گی کہ واں ہو گی سکینہؑ
وہ بھی وہیں ہووے گی جہاں ہو گی سکینہؑ

یہ سنتے ہی کلثومؑ بلانے کو چلی تھی — جو سامنے کبریٰؑ و سکینہؑ نظر آئی
تھی ساتھ ہی ان دونوں کے مسلم کی بھی بیٹی — حضرتؑ کے قریب آ کے بدستور وہ بیٹھی
شہ پیار کیا کرتے لپٹتی تھی جب آ کر
اس روز بہت پیار کیا چھاتی سے لگا کر

حضرت نے پھر آہستہ یہ فرمایا بہن سے — لے آؤ وہ دو میں نے جو رکھوائی ہیں بندے
زینب انھیں لے آئی جو شبیرؑ کے آگے — حضرت نے وہ کانوں میں بھتیجی کے پہنائے
آنکھوں کو کبھی ملتے تھے رخسار سے اُس کے
منہ پہ کبھی رکھ دیتے تھے منہ پیار سے اُس کے

کئیں اور بھی چیزیں کئی منگوا کے عنایت — اور سر پہ بھی ہاتھ اس کے پھرایا بصد الفت
شک دل میں پڑا لڑکی کے دیکھی جو یہ شفقت — کہنے لگی کچھ سوچ کے اور تھام کے رقت
اس لطف فراواں کا سبب کیا ہے چچا جانؑ
الطاف بھتیجی پہ یہ کیسا ہے چچا جان

انداز وہ ہم آج مجھے ہے نظر آتا — جس طرح یتیموں پہ کوئی رحم ہے کھاتا

اس پیار پہ دل ہے مرا ٹکڑے ہوا جاتا — کچھ تو ہے کہ دل سینے میں تسکین نہیں پاتا
کوفہ سے بڑی دور سفر کر گئے بابا
کیوں آپ نہیں کہتے ہیں کیا مر گئے بابا

یہ کہہ کے وہ بیٹھی تو کہا شاہ نے رو رو — بابا کی جگہ اپنے تم اب مجھ کو ہی سمجھو
ماں ہے تری اب میری بہن زینبؑ خوشخو — کبرا و سکینہؑ سے بھی زیادہ ہے تو مجھ کو
غم بے پدری کا تجھے معلوم نہ ہوگا
سب ہوگا پر اک مسلم مظلوم نہ ہوگا

یہ سنتے ہی سر پیٹ کے چلائی وہ دختر — ہے ہے مرے بابا میں تمہیں پاؤں گی کیونکر
میں جیتی رہی آپ گئے جانب کوثر — کس بیکسی سے قتل ہوئے صدقے میں تم پر
مہمان پہ کچھ رحم بھی کھایا نہ کسی نے
تلواریں چلیں تم پہ بچایا نہ کسی نے

بیٹی کی سنی زوجہ مسلم نے جو زاری — سر پہ سے ردا گر پڑی گھبرا کے پکاری
کیا آئی خبر کیا ہوا کیوں روتی ہو واری — بیٹی نے کہا ٹوٹ گئی آس ہماری
اب کیا کہوں تقدیر مری سو گئی اماں
پردیس میں بن باپ کی میں ہو گئی اماں

تم رانڈ ہوئیں ناک سے اب نتھ کو بڑھاؤ — اب روؤں گلے مل کے میں تم سے ادھر آؤ
اب ماتمی صف پیٹنے رونے کی بچھاؤ — بالوں کو پریشان کرو خاک اڑاؤ
تم آٹھ پہر رہتی تھیں مشتاق خبر کی
آئی ہے مناؤنی مرے مظلوم پدر کی

پیغام رانڈ ہونے کا سنا بیٹی سے جس دم — سر پیٹ کے ہاتھوں سے پکاری وہ بصد غم
ہے ہے مرے والی مرے صاحب مرے ہمدم — لاشے پہ وہاں کس نے کیا ہوئے گا ماتم
میں جلتی ہوں صدمہ ہے مری جان حزیں پر
کس بیکسی سے لاش پڑی ہوگی زمیں پر

اتنے میں صدا حضرت زینبؑ کی یہ آئی — اے زوجۂ مسلمؑ الم و غم کی ستائی
تو رانڈ ہوئی آج محمدؐ کی دہائی — وارث کی سناؤں تجھے قسمت نے سنائی
تھرا رہی ہے قبر نبیؐ تیری فغاں سے
پرسا تجھے دینے کو میں آئی ہوں جہاں سے

کربلا میں داخلہ

طے کر چکے حسینؑ جو راہِ ثواب کو — مقتل نظر پڑا شہ گردوں رکاب کو
الفت جو واں کی خاک سے تھی اس جناب کو — اک عید ہو گئی خلف بو ترابؑ کو
دل مثل غنچہ واں کی ہوا کھا کے کھل گیا
رستہ ریاض خلد میں جانے کا مل گیا

شکر خدا کہ رنج سفر سے ہوا فراغ — غربت کے اشتیاق میں بھولا وطن کا داغ
خاطر شگفتہ ہو گئے اور دل ہے باغ باغ — طبقہ یہ حشر تک نہیں ہونے کا بے چراغ
حاصل ملے گا حشر میں اس کار و کشت کا
روئے زمیں پہ ہے یہی ٹکڑا بہشت کا

کی سروِ بوستانِ حسنؑ نے یہ گفتگو — آتی ہے اس زمیں سے گلوں کے دلھن کی بو
اکبرؑ سے بولے تھی ہمیں صحرا کی آرزو — عباسؑ سے یہ کہنے لگے شاہِ نیک خو

ہاں کونسی جگہ تمہیں بھائی پسند ہے
اس شیر نے کہا کہ ترائی پسند ہے

دریا کو دیکھ دیکھ کے لہرا رہا ہے دل — پانی بھی خوشگوار ہوا بھی ہے معتدل
مولا قدم پکڑتی ہے کچھ یاں کی آب و گل — بہتر ہے گر خیام ہوں ساحل کے متصل
پانی سے ہاتھ منہ کو لب نہر دھوئیں گے
جاگے بہت ہیں پاؤں کو پھیلا کے سوئیں گے

فرمایا شہ نے خیر جو اللہ کی رضا — موقعہ ہو جس جگہ وہیں خیمہ کرو بپا
آرام سے غریب مسافر کو کام کیا — رہتے ہیں یوں بھی بہت بندۂ خدا
دو چار دن میں عمر کی مدت تمام ہے
میداں سے پھر غرض ہے نہ دریا سے کام ہے

زینبؑ نے جب یہ سرورِ دیں سے سنا کلام — محمل سے یوں پکاری کلیجہ کو تھام تھام
کیوں چلتے چلتے آپ نے یاں روک لی لگام — بھیا ادھر تو آؤ یہ ہے کون سا مقام
بستی بھی ہے کوئی کہ یہی ایک نہر ہے
اس دشت پُر خطر میں اترنا تو قہر ہے

جنگل میں ہے بشر کے لئے سو طرح کا ڈر — اٹھتے ہیں بار بار بگولے ادھر ادھر
دن کٹ گیا تو ہوسے گی شب کس طرح بسر — لشکر میں غل ہے کہ درندوں کا رات بھر
بچے بھی مارے ہول کے تڑپیں گے سینہ میں
میرا تو دل ابھی سے اچھلتا ہے سینہ میں

پوچھو کسی سے مسلم مظلوم کی خبر — تربت مرے غریب مسافر کی ہے کدھر

لاشے بہائے اسی دریا میں کھینچ کر بچوں کے اس کے کیا نہیں کاٹے گئے ہیں سر
رنج وغم والم کی گھٹا دل پہ چھائی ہے
اماں کے پیٹنے کی صدا مجھ کو آتی ہے
آنکھوں میں اشک بھر کے یہ بولے شہ زمن اترو یہیں کہ خوف کی جاگہ نہیں بہن
یہ نہر علقمہ ہے یہ ہے کربلا کا بن آئے اسی کے شوق میں ہم چھوڑ کر وطن
رہنے میں اس جگہ کے ضرر کیا فقیر کا
خیمہ یہاں ہوا تھا جناب امیرؑ کا
کچھ مال و زر نہیں کہ تلف کا ہو جس کے ڈر یکساں ہے بے وطن کے لئے شہر و دشت
مسکن یہی زمیں ہے یہی بے گھروں کا گھر کیا جانئیں اس مقام سے ہو کس طرف سفر
انساں کو چاہیے کہ گناہوں سے پاک ہو
شاید ہماری خاک اسی بن کی خاک ہو

نہر فرات کے کنارے قیام پر یزیدی سپاہ سے نزاع

اترے فرس سے حضرت عباسؑ نیک نام ٹھہرائے اونٹ خیمہ کے سب کھینچ کر زمام
فراش چاہتے تھے کہ برپا کریں خیام تلواریں کھینچے گھاٹ پہ آ پہنچی فوج شام
زینبؑ کے دل پہ ظلم کی شمشیر پھر گئی
شہ کی نظر میں موت کی تصویر پھر گئی
گھوڑا بڑھا کے لعینوں نے یہ کہا بتلاؤ کس نے حکم اترنے کا یاں دیا
ہٹ جاؤ ابن سعد کے خیمے کی ہے یہ جا ڈھونڈو کنوئیں کہیں تمہیں دریا سے کیا
گرمی میں بند ہووے گا پانی امام پر

ہو گا نہ کل ہوا کا گذر اس مقام پہ

چھپ جائیگی سپاہ کی کثرت سے سب زمیں
جو ہم وہ ہیکا تریں گے سب نہر کے قریں
دریا بھی سوکھ جائے تو اس کا عجب نہیں
جلدی کنارہ کش ہوں کنارے سے شاہ دیں

دنیا میں آج شام کے حاکم کا زور ہے
یاں دو پہر سے شمر کے آنے کا شور ہے

برہم ہوئے یہ سنتے ہی عباسؑ خوش خصال
غازی کو شیر حق کی طرح آگیا جلال
قبضہ پہ ہاتھ رکھ کے یہ بولا علیؑ کا لال
اب یاں سے کوئی ہم کو ہٹا دے یہ کیا مجال

حملہ کریں چڑھا کے اگر آستین کو
ہم آسماں سمیت الٹ دیں زمین کو

دیکھیں ہٹا تو دو نہیں ہٹنے کے یاں سے ہم
برپا کریں گے اب تو یہیں خیمۂ حرم
گر واں بہت ہے فوج تو ہم بھی نہیں ہیں کم
آل نبیؐ بڑھا کے ہٹاتے نہیں قدم

ہم اور خوف جاں سے لڑائی کو چھوڑ دیں
دیکھا نہیں کہ شیر ترائی کو چھوڑ دیں

گر فوج کم امامؑ دلاور کے ساتھ ہے
روح رسولؐ نائب حیدرؑ کے ساتھ ہے
عباسؑ سا غلام برادر کے ساتھ ہے
لاکھوں تو لے سکیں یہ زمیں سر کیساتھ ہے

غصہ کے وقت جاں کو نہیں جاں سمجھتے ہیں
ہم ایک اور لاکھ کو یکساں سمجھتے ہیں

یاں سے کہیں بتولؑ کا پیارا نہ جائے گا
ہم وہ نہیں کہ جان کو وارا نہ جائے گا
لاشہ بھی ہاتھ کے یاں سے ہمارا نہ جائیگا
مر کر بھی ہاتھ سے یہ کنارا نہ جائے گا

رکھتے ہیں اس زمیں کے لئے سر کو ہات پر
قبضہ ہے تا بہ حشر ہمارا فرات پر

اعدا پکارے تب کہ نہ انیں گے ہم یہ بات اُتر سے گی آ کے فوج ہماری لب فرات
بولا یہ سن کے بازوے سلطانِ کائنات ہٹ جاؤ میرا ہاتھ ہے دستِ خدا کا ہاتھ
کیا تم کو ضرب تیغ علیؑ کی خبر نہیں
آگے بڑھا قدم تو کسی تن پہ سر نہیں

ہٹ ہٹ کے کھینچنے لگے تیغوں کو اہل شر عباسؑ نے بھی رکھ دیا قبضہ پہ ہاتھ ادھر
زینبؑ پکاری پیٹ کے محمل سے اپنا سر بھائی خدا کے واسطے بھائی کی لو خبر
للہ شیر بیشۂ حیدرؑ کو روکئے
تلواریں بھنچ گئی ہیں برادر کو روکئے

عباس کو وہ بڑھ کے پکارے شہ امم کھینچو نہ تیغ روحِ علیؑ کی تمہیں قسم
اچھا کنارِ نہر رہیں بانی ستم خیمہ کریں گے اور کہیں یاں سے جا کے ہم
پہلے کرو وہ کام کہ جو فرض عین ہو
بیچین ہوں تو ہم ہوں یہ امت کو چین ہو

غصہ یہ کس پہ میری طرف تم کرو نظر تم کو ہٹا سکے کوئی کس کا ہے یہ جگر
پہچانتے نہیں تمہیں بھائی یہ اہل شر جانے دو آؤ دور کرو دھیان ہے کدھر
منظور ناریوں کو ہے پانی کا آسرا
کوثر ہے اپنی تشنہ دہانی کا آسرا

کیوں کانپتے ہو غیض سے ابرو پہ کیوں ہیں بل مالک ہو تم تمہارا ہی دریا پہ ہے عمل

ہمت میں فرق کچھ نہ شجاعت میں ہے خلل — غصہ کو تھام لو یہ نہیں جنگ کا محل

مانو ہمارا کہا میں تمہارا امام ہوں

غازی نے سر جھکا کے کہا میں غلام ہوں

سمعاً و طاعتاً نہیں طاقت کہ دوں جواب — ذرے کو تاب کیا ہے بھلا پیش آفتاب

بخشی ہے عزت آپ نے اے آسماں جناب — ہٹتا نہ اس زمیں سے کبھی ابن بوتراب[۲]

ارشاد ہو جو کچھ مرے حق میں قبول ہے

حکم حضور حکم خدا اور رسولؐ ہے

فرمایا شہ نے میں ترے ہاتھوں کے ہوں نثار — سر میرا تیرے سر پہ تصدق ہزار بار

ہے ابن فاطمہؑ کی کمر تجھ سے استوار — یہ لاوہ یا وفا کہ غلامی ہے افتخار

ہاں یہ ملال ہے کہ سر ان کے کٹے نہیں

تیغوں کے سامنے سے کبھی ہم ہٹے نہیں

حضرت کے حکم سے تو لیا میں نے ہاتھ تھام — ہٹ جائیں پہلے وہ تو ہٹے آپ کا غلام

حضرت نے ہاتھ اٹھا کے کہا اے سیاہ شام — ہٹ جاؤ ورنہ سب ابھی ہو جاؤ گے تمام

لاکھوں ہو گر تو ہم سے ٹوکا نہ جائے گا

بگڑے گا پھر یہ شیر تو روکا نہ جائے گا

جس وقت یہ سنا شہ ذیجاہ کے کلام — پسپا ہوئی سمجھ کے غنیمت سپاہ شام

بھائی کے ساتھ ساتھ پھرے سیدالانام — سر کو جھکا کے رہ گئے عباسؑ نیک نام

کہتے تھے راہ میں کہ نہ وار اپنا چل گیا

افسوس ہے کہ ہاتھ سے دریا نکل گیا

خیمہ میں اترے یاں تو شہِ عرش بارگاہ — آ آ کے اس طرف بھی اترنے لگی سپاہ
کوسوں علم کھلے تھے جدھر کیجئے نگاہ — یاں تک کہ بند ہو گئی چاروں طرف سے راہ
فوجوں سے تا بہ صبح زمیں رن کی بھر گئی
اک رات میں یہ چڑھی ہوئی ندی اتر گئی

عمر بن سعد کی آمد اور امام حسینؑ کے لشکر کی تحقیقات

اس کثرتِ سپاہ پہ ناگہ ہوئی یہ دھوم — آ پہونچا شام سے پسرِ سعد نحس و شوم
جس کے جلو میں لاکھ سواروں کا ہے ہجوم — اکثر ہیں یکہ تاز جوانانِ شام و روم
بس کھل گیا نہ طور صفائی کا ہوئے گا
اب کل سے بند و بست لڑائی کا ہوئے گا

یہ ذکر تھا کہ دور سے ظاہر ہوئے نشان — امڈا زمیں پہ ظلم کا دریائے بیکراں
موجوں کی طرح سب تھیں صفیں پیش و پس رواں — لہراتے تھے ہوا سے علم مثل بادباں
ہلتا تھا دشت کیں دہل اس طرح بجتے تھے
باجوں کا تھا یہ شور کہ بادل گرجتے تھے

تلواریں کھینچے بڑھ کے جمے دو طرف سوار — غل ہو گیا سلامی کے باجوں کا ایک بار
ڈنکے کی دم بدم تھی صدا آسماں کے پار — آگے بڑھی جلو یہ نقیبوں کی تھی پکار
گھوڑوں پہ گرد و پیش رئیسانِ شام تھے
زریں کمر جلو میں کئی سو غلام تھے

اترا قریب خیمہ فرس سے وہ خیرہ سر — سر پہ لگایا دوڑ کے خادم نے چترِ زر
پہلے تو اپنی فوج پہ ظالم نے کی نظر — بولا کسی سے بیہودہ سوئے نہر دیکھ کر

خیمہ ہے کس طرف کو شہِ خوش خصال کا
دریا پہ تو عمل نہیں زہراؑ کے لال کا

خولی نے تب کہا کہ ہماری طرف ہے نہر — آئے تھے یاں اترنے کی خاطر امامِ دہر
فرماتے تھے یہ نہر تو ہے میری ماں کا مہر — ہم نے اٹھا دیا انھیں لیکن یہ جبر و قہر
عباسؑ مستعد تھے سبھوں سے لڑائی کو
شبیرؑ پھیر لے گئے سمجھا کے بھائی کو

بولا شقی کہ کتنی ہے فوجِ شہِ امم — سنتے تھے واں سپاہ حسینی کی دھوم ہم
اس نے کہا حسینؑ کے یاور بہت ہیں کم — فاقوں کے مارے سب ہیں کسی کے نہیں ہے دم
ایسی نہ فوج کچھ ہے نہ ایسے نشان ہیں
میں نے تو خود گنا ہے اکاسی جوان ہیں

یہ سب غلط سنا تھا کہ ہے لشکرِ کثیر — کچھ نوجواں ہیں طفل ہیں کچھ اور کچھ ہیں پیر
ہیں ان میں سات آٹھ تو لڑکے کئی صغیر — پس جائیں گے وہ ٹاپوں سے ہنگامِ دار و گیر
کیا چھوٹے چھوٹے ہاتھوں کی طاقت دکھائیں گے
ان سے تو نیمچے بھی سنبھالے نہ جائیں گے

ہمشکلِ مصطفیٰ کو تو اٹھارواں ہے سال — تیرہ برس کا ہے ابھی شبرؑ کا نونہال
نو دس برس کے ہوئیں گے زینبؑ کے دونوں لال — ہاں اک جواں ہیں حضرتِ عباسؑ خوش خصال
چھوٹے ہیں اور سب کوئی ان میں جواں نہیں
خطا اک طرف میں بھی کسی کے عیاں نہیں

سنتا ہوں میں ہیں دو پسر شاہِ نامدار — بیمار ان میں ایک ہے اور ایک شیر خوار

زینب کے دو ہیں تین حسنؑ کے ہیں گلعذار　　دس ہیں عقیل و مسلم و حیدرؑ کے یادگار
دنیا کے جان و دل ہیں محمد کے پیارے ہیں
یہ شش تو چاند ہیں باقی ستارے ہیں

بتیس سب سوار شہ دیں کے پاس ہیں　　اب رہ گئے پیادے سو دو کم بچاس ہیں
آفت میں مبتلا ہیں مگر با حواس ہیں　　نمازی ہیں سرفروش ہیں اور حق شناس ہیں
کھانے کا ہے خیال نہ پانی کی فکر ہے
سجدے ہیں اور دعائیں ہیں اور حق کا ذکر ہے

فوج حسینی کی کیفیت

کیا[1] فوج حسینؑی کے جوانان حسین تھے　　کیا زاہد و ابرار تھے کیا صاحب دیں تھے
آگاہ دل و اہل وفا اہل یقین تھے　　غنچہ دہن و مہر لقا ماہ جبین تھے
ایک ایک کے مرقد پہ فدا ہوتی ہے زہراؑ
عاشورے سے بس آج تلک روتی ہے زہراؑ

مقبول خدائے دو جہاں تھے وہ جواں مرد　　مرجانے پہ سرگرم تھے اور زیست سے دل سرد
ایک ایک جری دفتر کونین میں تھا فرد　　تابندہ تھی خورشید کی صورت رخ بے گرد
ایسے کسی تسبیح کو کب دانے ملے تھے
کس شمع کو اس طرح کے پروانے ملے تھے

کلمہ کوئی پڑھتا تھا کوئی کہتا تھا تکبیر　　قاری کوئی قرآن کا کوئی ماہر تفسیر

---

[1] خوبی اضحی نے عمرو بن سعد سے لشکر حسینی کی جو کیفیت اوپر بیان کی ہے اس کے مقابلہ میں اظہار حقیقت بھی ضروری ہے اس لئے اس موقع پر ہم جو بیان امام عالی مقام کی مختصر کیفیت ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔

تھی پیش نظر گلشن فردوس کی تعبیر تھا شوق کہ اب حوروں سے ہو وینگے بغلگیر
نہ پیاس کا صدمہ تھا نہ جانوں کی پڑی تھی
ایک ایک کی کوثر کی طرف آنکھ لڑی تھی
مستِ مئے عرفان تھے وہ سب غافل و بیہوش تھی غیر خدا سب کی انھیں یاد فراموش
دنیا سے بری بارِ علائق سے سبکدوش دل یاد الٰہی میں جیوں دیکھو تو خاموش
ہر دم سر تسلیم تھا خم راہ خدا میں
بڑھتے چلے جاتے تھے قدم راہ خدا میں
تھا اک عجب فوج تھی فوج شہ ابرار جن لوگوں کا عباس دلاور سا مددگار
ہم شکل پیغمبر سا جہاں فوج کا سالار مختار وہ مختار تھا جو خلق کا مختار
ایسا کسی سردار نے لشکر نہیں پایا
لشکر نے بھی ایسا کبھی سردار نہیں پایا
تھے دہنے طرف جمع عزیز شہ ذیشاں جن کے رُخ روشن سے منور تھا وہ میدان
زہراؑ کے جگر بند محمدؐ کے دل و جاں تلواروں کو تولے ہوئے سب جنگ کے خواہاں
میدان میں عجب رنگ سے مرنے پہ تلے تھے
حیدرؑ کے مرقع کے ورق رن میں کھلے تھے
اٹھارہ تھے فرزند پیمبرؐ کے یگانے اک رشتہ میں جا گہ انھیں بخشی تھی خدا نے
پالا تھا انھیں گود میں شاہ شہدا نے عاشورہ کو ہاتھ ان پہ کیا صاف قضا نے
وہ فاطمہؑ کے نخل جو پھولے نہ پھلے تھے
مقتل میں ستمگاروں کی تیغوں کے تلے تھے

کچھ طفل تھے اور تازہ جواں تھے کئی خوش خو — خوش ظاہر و خوش باطن و خوش حالت و خوش رو
وہ چاند سے رخ اور وہ گوندھے ہوئے گیسو — کوسوں تلک ان فاطمہ کے پھولوں کی تھی بو
مرجائیں گے فاقہ میں قسم کھائے ہوئے تھے
پانی کا جو تھا قحط تو مرجھائے ہوئے تھے

لڑکے کئی جو پہلے پہل نکلے تھے گھر سے — ہر سمت کی طرف تکتے تھے شیروں کی نظر سے
چھوٹے سے لگائے ہوئے ہتھیار کمر سے — کہتے تھے نکلتا نہیں اب کوئی ادھر سے
یہ دیر ہے کیوں اس سے بھلا فائدہ کیا ہے
میداں میں چمکنے لگیں تیغیں تو مزا ہے

کیا حضرت مسلمؑ کے یتیموں کا کہوں حال — نہ سالہ و دہ سالہ تھے وہ صاحب اقبال
منہ چاند سے اور الجھے ہوئے گیسوؤں کے بال — پوشاک سیہ جسم میں اور دھوپ میں منہ لال
وہ چاند سے رُخ گردِ یتیمی سے اَٹے تھے
اور ماتمی کپڑوں کے گریبان پھٹے تھے

چھوٹے کا سخن تھا کہ بڑا غم ہے یہ بھائی — بابا کی سنائی تو مقدر نے سنائی
کوفہ سے نہ دو بھائیوں کی کچھ خبر آئی — کیا جانئے ہیں قید کہ پائی ہے رہائی
وہ کہتا تھا سر ان کے اتارے گئے ہونگے
اقلیم میں دشمن کے ہیں مارے گئے ہونگے

ماموں کے قریں زینبؑ دلگیر کے دلدار — اک حیدر کرار تھا اک جعفر طیارؑ
انگڑائیاں لے لیکے یہی کہتے تھے ہر بار — کچھ دھیان پہ چڑھتا نہیں یہ لشکر جرار
اک دم میں فنا ہونگے جو لاکھوں ہیں تو کیا ہیں

روباہ ہیں وہ۔ ہم پسرِ شیرِ خدا ہیں

اور تیرہ برس تھے لختِ جگرِ شبرِ ذی جاہ
عبداللہؑ و زید حسنؑ و قاسمؑ نوشاہ
دولہا کے سن و سال کا کیا حال کہوں آہ
کل تیرہ برس کا تھا یہ تھا چودہویں کا ماہ

دن گنتی تھی ماں بیٹے کی شادی کی ہوس میں
دولہا بھی بنے مر بھی گئے تیرہ برس میں

عباس سوا پانچ تھے فرزند ید اللہ
ششدر تھا جنھیں دیکھ کے سب لشکرِ گمراہ
ایک ایک دلاور تھا نظر پر بر صفِ جنگاہ
شیروں کو دمِ حرب سمجھتے تھے وہ روباہ

غازی تھے بہادر تھے ولی ابن ولی تھے
سب قوتِ بازوے حسینؑ ابن علیؑ تھے

عباسؑ علیؑ حیدرِ صفدر کا نشاں تھا
بس لشکرِ اسلام میں وہ شیرِ ژیاں تھا
لکھا ہے کہ بتیس برس کا وہ جواں تھا
چہرہ سے جلالِ اسداللہ عیاں تھا

اعلیٰ نہ ہو کیوں ایسے علمدار کا رتبہ
خالق جسے دے جعفرِ طیار کا رتبہ

کیا وصف جنابِ علی اکبرؑ کروں تحریر
حسنِ نبوی خلقِ حسنؑ غیرتِ شبیرؑ
اٹھارہ برس کا تھا سن صاحبِ توقیر
تھا شور کہ انساں ہے کہ ہے نور کی تصویر

شوکت تھی سراپا میں رسولِ دوسرا کی
ایسے بھی بشر ہوتے ہیں قدرت ہے خدا کی

تھے بیچ میں اس غول کے شاہنشہِ عالم
گردوں پہ ستاروں میں تھا وہ نیرِ اعظم
دریائے کرم رحمتِ حق نورِ مجسم
فخرِ دو جہاں قبلۂ دیں سید اکرم

غل تھا کہ عجب شوکت و شانِ شہ دین ہے
ذرے سب اسی کے ہیں یہ خورشید زمیں ہے

نہرِ فرات[1] سے حضرت عباسؑ کا پانی لانا

عباس علی یوسفِ کنعانِ علیؑ ہے — شمشاد و قبا پوشِ گلستانِ علیؑ ہے
شبیرؑ کا دل روحِ حسن جانِ علیؑ ہے — شوکت سے دلاور کی عیاں شانِ علیؑ ہے
ہاتھ اس کے نہ کیونکر رہے میدانِ وغا کا
فرزند ید اللہ ہے وہ دستِ خدا کا

فرماتے تھے شہ مادرِ عباسؑ سے اکثر — عباس علیؑ ہے مرا شیدا مرا یاور
پیارا نہ ہو کیوں کر یہ مجھے آپ کا دلبر — جب سامنے آتا ہے تو یاد آتے ہیں حیدرؑ
اس بھائی میں خوبو ہے شہ عقدہ کشا کی
گھر میں مرے تصویر ہے یہ شیرِ خدا کی

وہ کہتی تھی اے احمدِ مختارؐ کے پیارے — خادم ہیں یہ سب آپ ہیں سردار ہمارے
زینہ ہے صدقہ ہوں اگر چاند پہ تارے — فخر اس کا ہے عباس جو سر قدموں پہ وارے
مہ اس نے سدا پائے مبارک پہ ملا ہے
بیٹوں کی طرح آپ کی گودی میں پلا ہے

ناگاہ در خیمہ سے فضہؑ یہ پکاری — غش ہو گئی ہے پیاس سے بھر آپ کی پیاری

---

[1] حضرت امام حسینؑ ۲ محرم ۶۱ھ ماہ محرم میں کربلا پہنچے تھے اور یزیدی فوج کی مزاحمت کے سبب دریا سے دور جنگل میں قیام کیا تھا جہاں پانی نہ تھا عمرو بن سعد ۳ محرم کو کربلا پہنچا اور امام عالی مقام پر سختیاں شروع کیں تاکہ آپ یزید کی بیعت کرلیں۔ ۷ محرم تک اس سلسلہ میں مراسلت جاری رہی مگر حضرت امام حسینؑ بیعت پر راضی نہ ہوئے جب عمرو بن سعد کی کوششیں ناکام رہیں تو اس نے ابن زیاد کے حکم سے حضرت امام حسینؑ کو مجبور کرنے کے لئے

گہوارہ میں اصغرؑ بھی سسکتا ہی ہیں واری — عباس کو بھیجو کہ حرم کرتے ہیں زاری
خاتونوں ہیں دہائی ہے رسولِ دوسرا کی
اب گھر سے نکلتی ہے بہو شیرِ خدا کی

دو جانیں تلف ہوتی ہیں یا حضرت شبیرؑ — پانی اُسے ممکن ہے نہ ملتا ہے اُسے شیر
سر چوب سے ٹکراتی ہیں یاں بانوئے دلگیر — للہ کرو پانی کے منگوانے کی تدبیر
پانی کے لئے ماں سے یہ منہ موڑ رہے ہیں
دو بھائی بہن خاک پہ دم توڑ رہے ہیں

فضہؓ کی صدا سنتے ہی اندر گئے جو شاہ — روتے ہوئے عباس بھی تھے بھائی کے ہمراہ
خیمے میں تلاطم تھا کہ العظمۃ للہ — پانی کا ادھر شور اُدھر حالت جانکاہ
جھولے کے قریں غش میں سکینہؑ تو پڑی تھی
بچے کو لئے بانوئےؑ ناشاد کھڑی تھی

اصغرؑ کی طرف دیکھ کے روئے شہ ابرارؑ — آوازِ پدر سن کے سکینہؑ ہوئی ہشیار
کی چھاتی سے لپٹا کے یہ عباسؑ نے گفتار — قربان تری پیاس کے میں اے جگر افگار
سوکھے ہوئے ہونٹوں کو نہ دکھلاؤ سکینہؑ
ہوئے جو کوئی مشک تو لے آؤ سکینہؑ

دریا کا پانی ان پر بند کردیا جس سے خاندان اہلبیت رسالت کو سخت تکلیف ہوئی حضرت امام نے پانی بند ہوجانے پر کنوئیں کھودنے کا انتظام کیا لیکن پانی نہ نکلا آخر جب تشنگی نے بہت ستایا اور بچے پیاس سے تڑپنے لگے تو حضرت عباسؑ امام عالی مقام کے حکم سے اپنے جانباز ہمراہیوں کو لیکر پانی لانے کے لئے دریائے فرات کی جانب چلے اور دشمنوں سے لڑ بھڑ کر پانی لانے میں کامیاب ہوگئے اسی واقعہ کا ذکر اس عنوان میں کیا گیا۔

یہ سنتے ہی سوکھی ہوئی اک مشک وہ لائی سب سمجھے کہ مرنے کو چلا شہ کا فدائی
روتی ہوئی زینبؑ جو قریں بھائی کے آئی حضرتؑ نے کہا بھائی سے ہوتی ہے جدائی
مرنے کو وہ جاتے ہیں جو گودی میں پلے ہیں
پانی کے بہلنے سے یہ کوثر پہ چلے ہیں

یہ سن کے سکینہ نے کہا واہ چچا جان اس عزم سے اب ہو گئی آگاہ چچا جان
ہاتھ پیاس سے چلے مجھے مرے تم آہ چچا جان رکھ دیجئے میری مشک کو للہ چچا جان
گو پیاس سے اب صبر کا یارا نہیں مجھ کو
روئیں مرے بابا یہ گوارا نہیں مجھ کو

عباسؑ نے فرمایا کہ گھبراؤ نہ جانی بی بی کے پلانے کے لئے لاتے ہیں پانی
رکنے کے نہیں لاکھ ہوں گر ظلم کے بانی کیا دل سے بھلا دیں گے تری تشنہ دہانی
لے مشک بھرے نہر سے آئیں تو قسم لو
دریا سے ہم آ کے کہیں جائیں تو قسم لو

چپ ہو گئی یہ سن کے سکینہ جگر افگار عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار
بھائی کے گلے مل کے جو روئے شہ ابرار تھرانے لگی زوجۂ عباس علمدار
چادر نہ سنبھلتی تھی جگر سینہ میں شق تھا
فرزند تو تھا گود میں منہ چاند سا فق تھا

اک آہ بھری شہ نے یہ سنکر سخن یاس آداب بجا لا کے چلے حضرت عباسؑ
سر کھولے ہوئے غول تھا ناموس کا جیب رواس چلائے یہ شاب ہوئے ہم بیکس و بے آس
تا زیست تو اب صدمۂ جدائی نہیں جاتا

دنیا سے علیؑ اٹھاتے ہیں بھائی نہیں جاتا

غل تھا کہ علمدار خدا حافظ و ناصر　　　شبیرؑ کے غمخوار خدا حافظ و ناصر
اے بیکس و بے یار خدا حافظ و ناصر　　　سیّد کے مددگار خدا حافظ و ناصر
دریا سے بھری مشک کو لاتے ہوئے دیکھیں
پھر گھر میں سلامت تمہیں آتے ہوئے دیکھیں

گھوڑے پہ چڑھے حضرت عباسؑ علمدار　　　زانوں میں جو دبایا تو ہرن ہو گیا رہوار
چاؤش نے آواز یہ دی فوج کو اک بار　　　شیر آتا ہے دریا کی ترائی سے خبردار
ہاں رُخ طرف نہر ہے اس بحر کرم کا
خورشید نہ سمجھو اسے پنجہ ہے علم کا

ہے شور کہ سقائے حرم آتا ہے رن میں　　　پانی کے لئے ابر کرم آتا ہے رن میں
ہاں دیکھئے شہنشاہِ امم آتا ہے رن میں　　　اسلام کے لشکر کا علم آتا ہے رن میں
پرچم وہ سنہرا نظر آتا ہے علم کا
دیکھو وہ پھریرا نظر آتا ہے علم کا

دم باندھے ہوئے موت تھی ستم آرا　　　جو حضرت عباسؑ نے بڑھ کر یہ پکارا
اے بے خبرو گھاٹ سے کر جاؤ کنارا　　　ہم شیر ہیں مسکن ہے ترائی میں ہمارا
کس شان سے آتے ہیں کوئی ٹوک کے دیکھے
دعویٰ ہو کسی کو تو ہمیں روک کے دیکھے

ناگاہ کہا شمر نے جو تھا یہ بڑھ کر　　　اے وارث شمشیر علیؑ ثانی جعفر
کیا قصد ہے دیکھو تو یہ دریا ہے کہ لشکر　　　لاکھوں سے کہیں ایک جواں ہوتا ہے ہمسر

جیتے نہیں بچنے کے جو مرنا ہو تو آؤ
پانی کے لیئے خون میں بھرنا ہو تو آؤ

عباسؑ پکارے کہ خبردار ہم آئے　　ہاں روک تو او ظالم غدار ہم آئے
اک وار میں اس وار سے اس پار ہم آئے　　لے گھاٹ سے اور نہر تلک ہشیار ہم آئے

تلوار کے مالک تہہ افلاک ہم ہی ہیں
اب دم شمشیر کے پیراک ہم ہی ہیں

ہم تو کیا ہے جو ستم ہو تو ہم منہ کو نہ موڑیں　　سر جائے تو حیدرؑ کے طریقہ کو نہ چھوڑیں
مر جائے اگر شیر کے پنجے کو مروڑیں　　گر قلعہ خیبر ہو تو اک ہاتھ میں توڑیں

سو بجلیاں چمکیں تو کبھی ہم نہیں ڈرتے
روباہوں کے انبوہ سے ضیغم نہیں ڈرتے

فرما کے یہ تلوار کو صفدرؑ نے نکالا　　ہالہ ہوا رہوار کو ساوے پہ جو ڈالا
بھالوں کو ادھر بڑھ کے سواروں نے سنبھالا　　بجلی جو گری ہو گیا لشکر تہ و بالا

اس شان سے غازی صف جنگاہ میں آیا
غل تھا کہ اسد لشکر روباہ میں آیا

جس صف پہ چلی تیغ وہ بے سر نظر آئی　　ریتی پہ ہر اک لاش تڑپتی نظر آئی
جب ولولہ قوت حیدرؑ نظر آئی　　گہ تنگ کے نیچے کبھی سر پہ نظر آئی

غل ہوتا تھا کرتی تھی دو پارا جو سپر کو
دو کر دیا انگشت سے احمدؐ نے قمر کو

جوں موج ہوئی فوج میں ہل چل لب دریا　　دکھلانے لگا رخش بھی چھل بل لب دریا

کٹ کٹ کے گرے برچھیوں کے پھل لب دریا | پھٹ پھٹ گیا ڈھالوں کا بھی پل پل لب دریا

بجلی میں نہ اس تیغ کا پرتو نظر آیا

مطلع جو ہوا صاف مہ نو نظر آیا

جب ناریوں کو تیغ نے گھاٹ اس کے اتارا | لڑنے میں نظر آگیا دریا کا کنارا

سقائے حرم فوج کو بڑھ کر یہ پکارا | کیوں اب کہو دریا ہے ہمارا کہ تمہارا

تم کہتے تھے ہم نہر پہ جانے نہیں دیتے

لو آؤ تو اب ہم تمہیں آنے نہیں دیتے

خالی تو میں پھر کر کبھی خیمے میں نہ جاتا | ہٹتا نہ اگر سینے پہ سو برچھیاں کھاتا

ممکن تھا کہ یہ شیر ترائی کو نہ پاتا | کٹتا جو مرا سر بھی تو لاشہ نہیں آتا

مٹی بھی یہیں کی تن صد چاک پہ ہوتی

گر قبر بھی ہوتی تو اسی خاک پہ ہوتی

عباس دلاور تو یہ کہتے تھے بصد قہر | پھر پھر کے نظر کرتا تھا گھوڑا طرف نہر

دوڑی چلی آتی تھی زیارت کو ہر اک لہر | فرماتے تھے اے شاہ یہ پانی ہے مجھے زہر

کس کو خبر اس کی ہے مروں گا کہ جیوں گا

اے قبلۂ عالم تو یہ پانی نہ پیوں گا

پہلے تو کہا دل سے بجھا لیجئے یاں پیاس | پھر ساتھ ہی ڈوبے عرق شرم میں عباسؑ

سوچے کہ سلامت تو پہنچنے کی نہیں آس | خم ہو کے بھرا مشک کو دریا سے بصد یاس

جب تشنہ دہن تا بہ لب جو نکل آئے

اس وقت تو گھوڑے کے بھی آنسو نکل آئے

غصہ میں بڑھے آتے تھے عباس علمدار ۔۔۔ تھی مشک سکینہؑ کی سپر ہاتھ میں تلوار
چلتے تھے وہی تیغ وہی اور وہی وار ۔۔۔ اس غول کے آگے کبھی ہاں صف کے ہوئے پار

بجلی کی تڑپ فوج میں دکھلاتا تھا گھوڑا
آتا تھا کبھی اور کبھی بڑھ جاتا تھا گھوڑا

جب بڑھتے تھے عباسؑ تو مل جاتے تھے ناری ۔۔۔ نعرے سے بہادر کے دہل جاتے تھے ناری
گھبرا کے ہر اک صف سے نکل جاتے تھے ناری ۔۔۔ جب بھاگ نہ سکتے تھے تو جل جاتے تھے ناری

اعجاز ید اللہ کے جانی نے دکھایا
آتش کا اثر تیغ کے پانی نے دکھایا

چھیڑ چھاڑ

دو دن تو غریبوں کو ملا دشت میں آرام[۱] ۔۔۔ تھی پانچویں تاریخ کہ آئی سپہ شام
ہفتم تلک اعدا سے رہا نامہ و پیغام ۔۔۔ اور تھا شب ہشتم سے لڑائی کا سرانجام

---

[۱] حضرت امام ۲ محرم ۶۱ھ کو کربلا میں پہنچے ۳ محرم کو عمرو سعد آیا۔ اور دونوں کے درمیان یزید کی بیعت وغیرہ کے متعلق تحریری اور زبانی پیاموں کا تبادلہ ہوتا رہا حضرت امام حسینؑ نے یزید کی بیعت سے قطعاً انکار کر دیا اور مخالفوں کو سمجھایا کہ میں خلافت کا طالب نہیں ہوں امن اور عافیت کی زندگی پسند کرتا ہوں مگر کسی نے آپ کی باتوں پر کان نہ دیا اور تمام نامہ و پیام بیکار رہا بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ عمرو سعد اور امام عالی مقام کے درمیان زبانی گفتگو بھی ہوئی اور حضرت امامؑ نے اس کو بھی طرح سمجھا دیا کہ وہ طالب خلافت نہیں ہیں ممکن تھا یہ گفتگو کامیاب ہو جاتی مگر شمر وغیرہ جیسے بدکاروں کے سبب ناکامی ہوئی اور انہوں نے امام عالی مقام سے کسی طرح صلح نہ ہونے دی پھر جب حضرت امام مصالحت سے مایوس ہو گئے تو اپنے ہمراہیوں کو جمع کیا اور ان کے سامنے ایک بصیرت افروز تقریر کی اور آخر میں ظاہر کیا کہ میں تم سب کو اجازت دیتا ہوں جہاں جس کا جی چاہے چلا جائے مگر ایک شخص نے بھی آپ کی جدائی کو گوارا نہ کیا اور سب آپ پر قربان ہو گئے۔ ۱۲

پیارا کوئی کرتا نہیں سادات سے پانی
حضرت پہ ہوا بند اسی رات سے پانی

تاریخ نہم بھر گیا اعدا سے وہ جنگل
ہر سمت سے فوجوں کے اُمنڈ آئے تھے جنگل
تلواریں نظر آتی تھیں یا برچھیوں کے پھل
دنیا بھی غریبوں کی ہوا آنکھ سے اوجھل
واں شام سے افواج ستم صبح تک آئی
لوگ اُٹھ گئے لشکر سے اُدھر یہ کمک آئی

تھے مستعد جنگ اسی روز ستم گر
روکے ہوئے تھے فوج کو عباسؑ دلاور
تولے ہوئے تلوار یہ فرماتے تھے اکبرؑ
آگے جو بڑھا پاؤں تو ہو جائے گا بے سر
دیکھو کدھر آتے ہو یہ کیا بے ادبی ہے
یاں خیمۂ ناموس رسول عربیؐ ہے

جو شاہ سے کہنا ہو کہو عرض کریں ہم
کثرت پہ جو بھولے ہو تو کچھ ہم کو بھی نہیں غم
سبقت کبھی کریں منع نہ گر قبلۂ عالم
کردیں ابھی لشکر کی صفیں درہم و برہم
رکنے کا نہیں زور تہمتن سے ہمارا
شمشیر زنی کام ہے بچپن سے ہمارا

خیمہ میں گئے حضرت عباسؑ دلاور
حضرت نے کہا شور یہ کیسا ہے برادر
کی عرض چڑھے آتے ہیں خیمہ پہ ستمگر
قبضہ پہ ادھر ہاتھ دھرے ہیں علی اکبر
خاموش ہیں سب حکم امام دوجہاں سے

گفتگوئے مصالحت کا سلسلہ منقطع ہو جانے کے بعد جنگ کا آغاز ہونے والا تھا کہ حضرت امام حسینؑ نے ایک روز کی مہلت طلب کی شاید اس لئے کہ جمعہ کا دن آجائے اور اس مبارک دن میں ان کو شہادت کی سعادت حاصل ہو ۱۲

ارشاد ابھی ہو تو ہٹا دوں انھیں یاں سے

آگے مرے بڑھ بڑھ کے نشاں فوج کے کھولے
منہ پر کئی بار آ گئے تلواروں کو تولے
سینہ میں لگی آگ پڑے دل میں پھپھولے
آقا کے مگر خوف سے ہم کچھ نہیں بولے
نامردشقی صاحب شمشیر ہوئے ہیں
روباہ طرح دینے سے کیا شیر ہوئے ہیں

اعداء سے اور اکبرؑ سے جو اس دم ہوئی تکرار
بگڑے تھے غضب آپ کی ہمشیر کے دلدار
یاد آ گیا مجھ کو غضب حیدر کرارؑ
اکبرؑ سے بھی کچھ آگے بڑھے جاتے تھے ہر بار
کیا غیظ میں وہ آپ کی گودی کے پلے تھے
میں نے انھیں روکا نہیں لشکر پہ چلے تھے

شہ نے کہا سر دینے کا وعدہ جو نہ کرتا
طاقت تھی کہ پھر ہاتھ کوئی قبضہ پہ دھرتا
اک دم میں یہ میدان ستم لاشوں سے بھرتا
ہاتھ ان کے نہ بڑھتے نہ قدم ان کا ٹھہرتا
تنگ آن کے آخر کو یہ پیاسا بھی لڑے گا
ان لوگوں پہ کھل جائے گا جب کھیت پڑیگا

موقعہ ہے ابھی صبر کا تم کیوں ہوئے برہم
آ لینے دو جو خیمے پہ چڑھے آتے ہیں ظالم
اللہ جو ہے میری طرف فوج ہے گو کم
لے زخم لگے ہاتھ اٹھا لینے کے نہیں ہم
امت سے کسی جنگ میں سبقت نہ کرینگے
واللہ مریں گے بھی تو ہم حق پہ مریں گے

تکرار نہ پھر ہو کہیں تم جاؤ برادر
اعدا کو بھی اکبرؑ کو بھی سمجھا دو برادر
فرزندوں کو زینبؑ کے تو لے آؤ برادر
وہ چاند سی شکلیں مجھے دکھلا دو برادر

کہنا کہ چلو اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ
تم خیمے سے کیوں نکلے خفا ہوتے ہیں شبیرؑ

فوج ستم آرا کو یہ دیجیو مرا پیغام
لڑکوں سے ہے تکرار کہ مجھ سے ہے تمہیں کام
غربت میں گھڑی بھر تو مجھے لینے دو آرام
اچھا نہیں ہے کس کا ستانا سحر و شام

ہیہات حمیت ہوئی کیا قوم عرب کی
مہمان ہوں مہلت دو مجھے آج کی شب کی

اب ظہر کا ہنگام ہے اور دن بھی ہے آخر
میں صبح کو خود ہوں گا کمر باندھ کے حاضر
ہے بے سر و سامان ابھی یثرب کا مسافر
جائے گا کہیں راں سے نہ یہ صابر و شاکر

حسرت نہ رہے طاعت رب دو سرا کی
تم سو و عبادت میں کروں اپنے خدا کی

یہ سن کے گیا شیر قریب صف کفار
فرمایا کہ اے قوم جفا کار و ستم گار
واجب ادب جنگ میں بہتر نہیں اصرار
شبیرؑ ہیں اک رات کی مہلت کے طلب گار

ہم جنگ کو موجود ہیں جلدی تمہیں کیا ہے؟
بس خیر وہ کل ہوگا جو منظور خدا ہے

آغاز جنگ

طے کر چکا جو منزل شب کاروان صبح[۱]
ہونے لگا افق سے ہویدا نشان صبح
گردوں سے کوچ کرنے لگے اختران صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذان صبح

---

[۱] محرم کی دسویں تاریخ کا واقعہ ہے مہلت کی مدت ختم ہو جاتے ہی یزیدی لشکر نے صبح ہی سے میدان کارزار گرم کرنے کی کوشش کی تھی مگر امام عالی مقام ہر طرح دیتے رہے اور دشمنوں کو سمجھاتے رہے مگر ان پر کوئی اثر نہیں ہوا اور دوپہر سے قبل یزیدی سپاہ نے تیر اندازی شروع کر دی ۱۲

پنہاں نظر سے روئے شب تار ہو گیا
عالم تمام مطلع انوار ہو گیا

نکلے حرم سے کر کے تیمم امام پاک — سجادے سب نے لا کے بچھائے برو ئے خاک
اکبرؑ نے دی اذاں جو باآواز درد ناک — آنسو بھر آئے ہو گئے دل غم سے چاک چاک
آگے سبھوں کے شاہ حجازی کھڑے ہوئے
پیچھے صفیں جما کے نمازی کھڑے ہوئے

یاں تھیں صفیں نماز جماعت کی اور ادھر — باندھی تھی فوج کیں نے صف آرائی پہ کمر
شکل ہلال چڑھتی تھیں تلواریں چرخ پر — تیر سے تیز ہوتے تھے اور خنجر و تبر
غل تھا کہ آج خون کا دریا بہائیں گے
پیاسے نمازیوں کے گلے کاٹے جائیں گے

یہ ذکر تھا کہ شاہ نے پھیرا ادھر سلام — وہ آخری نماز جماعت ہوئی تمام
تسبیح فاطمہؑ کو ابھی پڑھتے تھے امام — پڑھ پڑھ کے ہو گا لگنے تیر اہل شام
اُٹھے نہ شکر کہ محو تھے یاد اللہ میں
یاں تک کہ آئے تیر گئے خیمہ گاہ میں

گرمی کے دن تھے صحن میں تھے اہلبیت — دیکھے جو تیر آتے تو حالت ہوئی عجب
چلائیں بیبیاں کہ کدھر جائیں ہے غضب — چھپنے کو کوئی امن کا گوشہ نہیں ہے اب
گھبرا کے ننھے بچوں کو سب نے اٹھا لیا
اصغر کو ماں نے چھاتی کے نیچے چھپا لیا

یاں اہلبیت میں یہ تلاطم تھا اور وہاں — مصروف ذکر حق تھے شہنشاہ دو جہاں

اٹھ کر صفِ نماز سے عباسؑ نوجواں بس جا کھڑے ہوئے عقبِ شاہ انس جاں
بھائی بھی تھے پناہ شہ بحر و بر بھی تھے
تلوار بھی حسینؑ کی تھے اور سپر بھی تھے
مڑ کر اشارہ شاہ نے عباسؑ سے کیا پیچھے کھڑے ہو کس لئے کیوں کیا ہے ماجرا
دستِ ادب کو جوڑ کے اس شیر نے کہا ہے خیریت حضور کریں طاعت خدا
خیمہ میں تہلکہ ہے حرم غل مچاتے ہیں
پیاسوں پہ تیر لشکرِ اعدا چلاتے ہیں
عباسؑ سے یہ سن کے اُٹھے قبلۂ امم تسبیح جا نماز پہ رکھ دی بچشم نم
رونق فزا ہوئے طرف خیمۂ حرم ڈیوڑھی تلک آئے وہ رفیقانِ ذی حشم
سب سے کہا کہ بہنوں سے رخصت کو جاتے ہیں
باندھو کمر جہاد پہ تم ہم بھی آتے ہیں
داخل ہوئے حرم میں جو حضرت بچشم تر زینبؑ نے لیں بلائیں برادر کی دوڑ کر
رو کر کہا سکینہؑ نے تم نے نہ لی خبر تیروں سے یاں خدا نے بچایا ہمیں پدر
لے جا کے ہم کو کون سی جا گہ چھپاؤ گے
قربان ہو گئی کہیں اب تو نہ جاؤ گے
سینہ میں مارے ڈر کے دھڑکتا ہے دل مرا یہ کس خطا پہ تیر لگاتے ہیں اشقیا
بیٹی سے رو کے کہنے لگے شاہ کربلا بی بی میں بے قصور ہوں آگاہ ہے خدا
دشمن تمہارے باپ کے سب اہلِ شام ہیں
قربان ہو پدر یہ اجل کے پیام ہیں

چھاتی سے تب لپٹ کے یہ بولی وہ دلربا　　میں صدقے جاؤں مجھ کو تمہاری گلے بلا
اب پھر چلو وطن کی طرف تم پہ میں فدا　　شہ نے کہا کہیں نہیں امن و اماں کی جا
مظلوم ہیں غریب ہیں اور درد مند ہیں
پانی بھی ہم پہ بند ہے رستے بھی بند ہیں
یہ سن کے اہلبیت میں محشر بپا ہوا　　بانوؓ کے سر سے گر نے لگی خاک پہ ردا
زینبؑ پکاری پیٹ کے سر نامحمدا　　دنیا سے آج کوچ ہے بھائی حسینؑ کا
فرزند فاطمہؑ کی بلاؤں کو رد کرو
زینبؑ تباہ ہوتی ہے نانا مدد کرو
شہ نے کہا کچھ اس میں نہیں اختیار کا　　جو مصلحت کریم کی جو مرضئ خدا
بھائی بہن کے سامنے مرتے نہیں ہیں کیا　　ہو جاتے ہیں جوان پسر باپ سے جدا
ہم کب گئے جہاں سے نبیؐ و علیؑ کیساتھ
دنیا میں کون مرتا ہے بی بی کسی کے ساتھ
فرما کے یہ امام پہننے لگے لباس　　ٹپکے کے ساتھ پھرتی تھی زینبؑ بھی آس پاس
تھے اہلبیت مضطر و حیران و بے حواس　　لب خشک رنگ زرد دلوں پہ ہجوم یاس
شہ دیکھتے تھے ان کو جو غم کی نگاہ سے
بچے بلک بلک کے لپٹتے تھے شاہ سے
صف باندھے بھائی بند کھڑے تھے جھکائے سر　　کوئی تو رشک مہر کوئی غیرت قمر
تن پر سجے سلاح کسی جنگ پہ کمر　　گیسوئے پیچدار لٹکتے تھے دوش پہ
منہ پھیر پھیر کر جو وہ میداں کو تکتے تھے

جن کے پسر تھے ان کے کلیجے دھڑکتے تھے

زینبؑ سے رو کے کہنے لگے سرورِ زمن
لاؤ تبرکات کا صندوق اے بہن

قاسمؑ کو تم پنہاؤ قبلائے تنِ حسنؑ
اکبرؑ کو دو عمامۂ محبوبِ ذوالمنن

ہم کو علیؑ کی تیغ دو دم لا کے دو بہن
عباسؑ نامور کو علم لا کے دو بہن

عباسؑ کو امام نے آ کے کیا طلب
تھوڑا ئے سر حضور میں آئے بصد ادب

بھائی سے رو کے کہنے لگے شاہِ تشنہ لب
اس عہدۂ جلیل کے تھے آرزو میں سب

یہ مرتبہ کسی کو معتمد نے کم دیا
لو ہم نے اپنی فوج کا تم کو علم دیا

کی عرض اس جری نے قدم پر جھکا کے سر
بندہ پہ بچپنے ہی سے عنایت کی ہے نظر

مشہور ہوں غلامِ شہنشاہِ بحر و بر
میں اور حاملِ علمِ سیّد البشر

ذرّہ پہ کی یہ مہر کہ خورشید کر دیا
دامن کو میرے دولتِ ایماں سے بھر دیا

فرطِ خوشی سے سر کو اٹھا کر وہ ذی وقار
ہمشیر کے قدم پہ گرا با صد افتخار

زینبؑ بلائیں لے کے یہ بولی کہ میں نثار
بھیا خدا کے واسطے بھائی سے ہوشیار

اپنا ہو دھوپ سے نہ شہِ خوش خصال کو
رکھیو علم کے سایہ میں زہراؑ کے لال کو

گھر میں سلامت آئیں اگر حبیبِ سرورِ امم
تب دوں گی تم کو تہنیتِ عہدۂ علم

ہاتھوں کو جوڑتی ہے یہ زینبؑ اسیرِ غم
کیجیو صلاح صلح کہ لشکر ادھر ہے کم

تم سے بڑی امید ہے زہراؑ کی جائی کو
بھیّا تمہی سے لے گی بہن اپنے بھائی کو

اتنے میں طبل جنگ کی آنے لگی صدا
رخصت حرم سے ہو کے چلے شاہ کربلا
نکلے علم لئے ہوئے عباسؑ باوفا
تسلیم ساری فوج نے کی باندھ کر پرا
غل تھا کہ ہوں گے حشر میں ہم اس کی پناہ میں
یہ حیدری نشان ہے حسینی سپاہ میں

نکلے حرم سرا سے امامِ فلک جناب
برج شرف سے جیسے نمایاں ہوا آفتاب
گھوڑے پہ جلوہ گر ہوا فرزند بوترابؑ
در پر بلکتی رہ گئی زینبؑ جگر کباب
آنکھوں کے سامنے سے سواری نکل گئی
گویا چمن سے بادِ بہاری نکل گئی

آگے پکارتے ہوئے جاتے تھے یوں نقیب
ہاں غازیو حسینؑ محمدؐ کا ہے حبیب
فدیہ ہو فاطمہؑ کے پسر کے زہے نصیب
جنت بھی اب قریب ہے منزل بھی اب قریب
آداب و قاعدہ سے دلیرو بڑھے چلو
تلواریں تولتے ہوئے شیرو بڑھے چلو

تھا کس شکوہ و شان سے وہ لشکرِ خدا
آگے پرا جمائے رفیقان باوفا
باندھے سلاح ادب سے ادھر خویش و اقربا
پیچھے تمام فوج کے وہ کل کا پیشوا
حلقہ میں تھے امام کو قدسی لئے ہوئے
تھے جبرئیل فرق پہ سایہ کئے ہوئے

پہنچے نہ تھے امام ابھی سوئے قتل گاہ
جاسوس نے یہ آکے خبر دی میانِ سپاہ

قائم رہے شکوہ شہنشاہ دیں پناہ   آمادہ نبرد ہے سب شام کی سپاہ
ناوک فگن کہیں ہیں کہیں نیزہ دار ہیں
میداں سے تابہ نہر ہزاروں سوار ہیں

ذرّوں کی طرح فوج کا ممکن نہیں شمار   اس گھاٹ پر فقط ہیں کماندار دس ہزار
ان سے ادھر کو برچھیوں والوں کی ہے قطار   نیزے ملا رہے ہیں سواران ہرزہ کار
پانی سپاہ شام سے پانا محال ہے
دریا تلک نگاہ کا جانا محال ہے

یہ سُن کے قتل گاہ میں آئے امام دیں   کوسوں فروغ حسن سے روشن ہوئی زمیں
غرق سلاح حرب جو آیا وہ مہ جبیں   نعروں سے غازیوں کے لرزنے لگی زمیں
تلواریں تول تول کے اعدا کو تکتے تھے
شملے چھٹے تھے دوش پہ گیسو لٹکتے تھے

آمادۂ نبرد تھی دونوں طرف کی فوج   نرغے میں بیقرار تھا شاہ زماں کا زوج
لہراتا تھا ہوا سے پھریرہ بہ مثل موج   تھا تا بہ چرخ رایت فوج خدا کا اوج
کثرت پہ اپنی فوج عدو کو غرور تھا
ظلمت ادھر تھی کفر کی واں حق کا نور تھا

چلایا ابن سعد جفا پیشہ و شریر   ہاں ابن فاطمہؑ پہ چلیں ہر طرف سے تیر
کھینچے ہوئے کمانیں بڑھا لشکر شریر   بولا یہ حرؓ کہ قہر خدا سے ڈرا اے امیر
خوں کس کا ہوگا تیر یہ کس کو لگائے گا
کیا سینۂ نبیؐ کو نشانہ بنائے گا

حضرت امام حسینؑ کا لشکرِ یزید سے خطاب

برچھیاں تول کے ہر غول سے خونخوار بڑھے
نیزے ہاتھوں میں سنبھالے ہوئے اسوار بڑھے
تیر جوڑے ہوئے چلوں میں کمانداز بڑھے
بولے شہ یاں سے ابھی کوئی نہ زنہار بڑھے
اسدِ حق کے گھرانے کا یہ دستور نہیں
میں نبی زادہ ہوں سبقت مجھے منظور نہیں

یہ سخن کہہ کے مخاطب ہوئے اعدا سے امام
اے سپاہِ عرب و روم و اے کوفہ و شام
تم پہ کرتا ہے حسینؑ آخری حجت کو تمام
پسرِ مصحفِ ناطق ہوں سنو میرا کلام
سخنِ حق کی طرف کانوں کو مصروف کرو
شور باجوں کا مناسب ہو تو موقوف کرو

کم ہوا غلغلۂ فوجِ ستم جب یکبار
یوں گہر بار ہوئے شہ کے لبِ گوہر بار
صف کشی کس پہ ہے یہ اے سپہِ ناہنجار
قتلِ سادات کی لشکر میں یہ کیسی ہے پکار
وطن آواروں پہ یہ فرق ہے کیوں پانی کا
کیا زمانہ میں یہی طور ہے مہمانی کا

مجھ کو لڑنا نہیں منظور یہ کیا کرتے ہو
تیر جوڑے ہیں جو تم نے تو خطا کرتے ہو
کیوں نبی زادے پہ غربت میں جفا کرتے ہو
دیکھو اچھا نہیں یہ ظلم بُرا کرتے ہو
شمعِ ایماں ہوں اگر سر مرا کٹ جائے گا
یہ مرقعِ ابھی اک دم میں اُلٹ جائے گا

میں ہوں سردارِ شبابِ چمنِ خلدِ بریں
میں ہوں خالق کی قسم دوشِ محمدؐ کا مکیں
میں ہوں انگشتریٔ سرورِ حق اتم کا نگیں
مجھ سے روشن ہے فلک مجھ سے منور ہے زمیں

ابھی نظروں سے نہاں نور جو میرا ہو جائے
محفل عالم امکاں میں اندھیرا ہو جائے

قلزم عز و شرف کا در شہوار ہوں میں
سب جہاں زیر نگیں ہے وہ جہاندار ہوں میں

آج گر مصلحتاً بے کس و ناچار ہوں میں
ورثۂ احمد مختار کا مختار ہوں میں

بخدا دولت ایماں اسی دربار میں ہے
سب بزرگوں کا تبرک مری سرکار میں ہے

یہ قبا کس کی ہے بتلاؤ یہ کس کی دستار
یہ زرہ کس کی ہے پہنے ہوں میں جو سینہ فگار

بر میں کس کا ہے یہ چار آئینۂ جوہر دار
کس کا رہوار ہے یہ آج میں جس پہ ہوں سوار

کس کا یہ خود ہے یہ تیغ دو سر کس کی ہے
کس جری کی یہ کماں ہے یہ سپر کس کی ہے

تنگ آئے گا تو رکنے کا نہیں پھر شبیرؑ
ایک حملہ میں فنا ہوں گے یہ دو لاکھ شریر

چل سکیں گے نہ تبر مجھ پہ نہ تلوار نہ تیر
کاٹ جائے گی گلے سب کے یہ براں شمشیر

شیر ہوں بخت ور دل غالب ہر غالب ہوں
میں جگر بندِ علیؑ ابن ابی طالب ہوں

مجھ کو ہوتا نہ اگر بخشش امت کا خیال
روک لیتا مجھے رستہ میں یہ حرؑ کی تھی مجال

تھام سکتا تھا الجام فرس برق مثال
پوچھ لو دیکھا ہے اس نے مری شیروں کا جلال

گفتگو میں سپر اس کی جو نہ ہم ہو جاتے
ہاتھ اک وار میں پہنچوں سے قلم ہو جاتے

غیظ سے ہاتھ سپاتے تھے علیؑ کے دلدار
نیچے تو لتے تھے عون و محمدؑ ہر بار

اگلی پڑتی تھی جگر بند حسنؑ کی تلوار　　　میں نے جب سر کی قسم دی تو رکے وہ جرار

چلتی تلوار تو جنگل تہہ و بالا ہوتا

پھر نہ حُر خلق میں ہوتا نہ رسالا ہوتا

تھا یہ بپھرا ہوا عباسؑ مرا شیر جواں　　　سینۂ حُر پہ رکھے دیتا تھا نیزے کی سناں

میں یہ کرتا تھا اشارہ کہ نہ اے بھائی جاں　　　رحم لازم ہے ہمیں ہم ہیں امام دو جہاں

کچھ تردد نہیں سر تن سے اتارا جائے

کوئی بندہ نہ مرے ہاتھ سے مارا جائے

گرچہ یہ امر نہیں اہل کرم کے شایاں　　　کہ کسی شخص کو کچھ دیکے کرے سب پہ عیاں

پوچھ لو حُر تو ہے موجود عیاں را چہ بیاں　　　اسی جنگل میں مع فوج تھا یہ تشنہ دہاں

شور تھا آج چلیں جسم سے جانیں سب کی

منہ کے باہر نکل آئی تھیں زبانیں سب کی

زیست ہر شے کی ہے پانی سے شجر ہو کہ بشر　　　مجھ سے دیکھا نہ گیا میں تو سخی کا ہوں پسر

میں نے عباسؑ دلاور سے کہا گھبرا کر　　　مشکوں لدے ہیں کہاں اونٹ ہیں پانی کے کدھر

کرم ساقی کوثر کو دکھا دو بھائی

جتنا پانی ہے وہ پیاسوں کو پلا دو بھائی

رہ نہ جائے کوئی گھوڑا کوئی ناقہ بے آب　　　چھاگلیں جلد منگا دو مرا دل ہے بیتاب

سقے اشکیزوں کا منہ کھول کے آ پہنچے شتاب　　　متوجہ ہوا میں خود کہ وہ تھا کار ثواب

چین آیا نہ مجھے جب لک انھیں آرام دیئے

تھا جو اک جام کا پیاسا اسے دو جام دیئے

تھی یہی فصل یہی دھوپ یہی گرم ہوا ٹھنڈے پانی پہ گری پڑتے تھے حر کے رفقا
تشنہ کاموں کا یہ مجمع تھا کہ ملتی نہ تھی جا سقّے بھر بھر کے کٹوروں کو یہ دیتے تھے صدا
بھائیو آؤ جو پانی کی طلب گاری ہے
چشمۂ فیض حسینؑ ابن علیؑ جاری ہے

آب شیریں کا جو دریا ہوا جنگل میں رواں فرس و اشتر و قاطر نہ رہے تشنہ وہاں
شکر کرنے لگے تر ہو گئی ہر خشک زباں پانی پی پی کے دعائیں مجھے دیتے تھے جواں
شور تھا ابن ید اللہ نے جاں بخشی کی
دین و دنیا کے شہنشاہ نے جاں بخشی کی

ایک دن وہ تھا اور اک دن یہ ہے اللہ اللہ کہ اسی طرح ہمیں پیاس ہے پانی کی ہے چاہ
چشم امید ہو کیا سب نے پھرا لی ہے نگاہ کوئی اک جام بھی بھر کر نہیں دیتا نہیں آہ
ہر مسلماں پہ نبی زادے کا حق ہوتا ہے
بچے روتے ہیں تو سینہ مرا شق ہوتا ہے

کئی طفل ان میں ہیں کم سن کہ موئے جاتے ہیں دم اکھڑتا ہے مرا جب انھیں غش آتے ہیں
پانی پانی جو وہ کرتے ہیں تو تڑپاتے ہیں پاس دریا ہے پہ اک بوند نہیں پاتے ہیں
سچ ہے غربت کی عجب شام و سحر ہوتی ہے
تیسرا دن ہے کہ فاقوں میں بسر ہوتی ہے

حُر کی آمد لشکر حسینی میں

شہ کی مظلومی پہ گریاں ہوئی ظالم کی سپاہ عمر سعد نے کی پھر کے رُخ حُر پہ نگاہ
بولا وہ اشہد باللہ بجا کہتے ہیں شاہ محسن و منعم و آقا ہے مرا یہ ذی جاہ

ان کے احسان کا کیونکر کوئی منکر ہو جائے
سخن حق میں جو شک لائے وہ کافر ہو جائے

ایک میں کیا کہ زمانہ پہ ہے احساں ان کا ابر رحمت ہیں خطاپوش ہے داماں ان کا
خشک و تر پر ہے کرم خلق میں یکساں ان کا اے خوشا حال جو غربت میں ہو مہماں ان کا
جنتی ہے جسے حاصل یہ شرف ہوئیگا
جو ادھر ہوگا خدا اس کی طرف ہوئے گا

ان سے قطرہ کوئی مانگے تو گُہر دیتے ہیں ہیں سخی ابن سخی بات پہ سر دیتے ہیں
پیٹ سائل کا یہ فاقوں میں بھی بھر دیتے ہیں یاں تو زر دیتے ہیں فردوس میں گھر دیتے ہیں
اپنے مجرم کی گنہگار کی امید ہیں یہ
ذرہ پرور جنھیں کہتے ہیں وہ خورشید ہیں یہ

حُر سے گھبرا کے یہ بولا عمر سعد شریر یہ تو ہے صاف طرفداری شہ کی تقریر
اپنے حاکم کا نہ کچھ ذکر نہ تعریف امیر اللہ اللہ یہ اوصاف یہ مدح شبیرؑ
سُن چکا ہوں کہ تو مضطر ہے کئی راتوں سے
الفت شاہؑ ٹپکتی ہے تری باتوں سے

نہ وہ آنکھیں نہ وہ تیور نہ وہ چتون نہ مزاج سیدھی باتوں میں بگڑنا یہ نیا طور ہے آج
تخت بخشا ہے محمد کے نواسے نے کہ تاج جن کو سمجھا ہے غنی دل میں وہ خود ہیں محتاج
کون سا باغ تجھے شاہ نے دکھلایا ہے
کہیں کوثر کے تو چھینٹوں میں نہیں آیا ہے

خیر مخفی نہ رہے گا یہ قصور اور فتور لکھیں گے عہدۂ اخیار پہ جو ہیں مامور

حاکم شام ہے جابر وہ سزا دے گا ضرور — گر تجھے دار پہ کھینچے تو کچھ اس سے نہیں دور

سب تری قوم کے سر تن سے جدا ہوئینگے

زن و فرزند گرفتار بلا ہوئیں گے

حُر پکارا کہ زباں بند کر او ناہموار — قابل لعن ہے تو اور وہ تیرا سردار

ابن زہراؑ ہے جگر بند رسولؐ مختار — میرا کیا منہ جو کروں مدح امام ابرار

اک زمانہ صفت آل عبا کرتا ہے

آپ قرآں میں خدا ان کی ثنا کرتا ہے

اسفلوں سے ہے محبت تجھے اے سفلہ مزاج — خاک پا اس کا ہوں میں جو ہے سر عرش کا تاج

جس کو کاندھے پہ محمدؐ کے ملی ہے معراج — میرے آقا سا سخی کون ہے کونین میں آج

کیوں ترے سامنے مکروں کہ نہیں بخشا ہے

ہاں مجھے شاہ نے فردوس بریں بخشا ہے

عقل خیرہ ہے بہکاتا ہے مجھے او ابلیس — یہی کونین کا مالک ہے یہی راس و رئیس

کیا مجھے دیگا ترا حاکم ملعون و خسیس — کچھ تردد نہیں کہدے کہ لکھے پرچہ نویس

ہاں سوئے ابن شہنشاہ عرب جاتا ہوں

لے خبر جو نہ جاتا تھا تو اب جاتا ہوں

کہہ کے یہ خواب سے غازی نے نکالی تلوار — سرخ آنکھیں ہوئیں ابرو پہ بل آئے اکبار

تن کے دیکھا طرف فوج امام ابرار — پاؤں رکھنے لگا تن تن کے زمیں پر رہوار

غل ہوا سید والا کا ولی جاتا ہے

لو طرفدار حسینؑ ابن علیؑ جاتا ہے

حُر نے نعرہ کیا یا حیدرِؑ صفدر مدد دے — وقت امداد ہے یا فاتحِ خیبر مدد دے
فوجِ زہراؑ مدد دے نفسِ پیمبرؐ مدد دے — بندۂ آلِ رسولؐ ہوں یا خواجۂ قنبر مدد دے
تن تنہا ہے غلام اور بہت ظلم ہیں
آئی آواز کہ اے حُر ترے حامی ہم ہیں

منتظر ہیں ترے سب فوجِ حسینیؑ کے جواں — درِ فردوس پہ مشتاق کھڑا ہے رضواں
راہ تکتی ہیں تری مدت سے حورانِ جناں — شور کوثر پہ ہے شبیرؑ کا مہماں ہے کہاں
فوجِ قدسی تری ہمت کی ثنا کرتی ہے
فاطمہؑ آج ترے حق میں دعا کرتی ہے

سن کے یہ باگ جو لی اسپ سبک تاز اڑا — ڈر سے رنگِ عمرِ شعبدہ پرداز اڑا
کیا اڑا آخر کر طاؤس بھی اپنا ناز اڑا — دی پرندوں نے یہ آواز کہ شہباز اڑا
باغِ زہراؑ میں نسیمِ سحری جاتی ہے
غل تھا دربارِ سلیماں میں پری جاتی ہے

کیا دو تین رسالوں نے تعاقب ہر چند — حُر کا ہاتھ آتا تو کیسا نہ ملی گردِ سمند
کہتے تھے شرم سے وہ لیکے جو دوڑے تھے کمند — یہ چھلاوہ تھا کہ آندھی یہ فرس تھا کہ پرند
گیا اُس سمت سوئے چمن بادِ بہاری پہنچی
ہم یہیں رہ گئے واں حُر کی سواری پہنچی

یاں ہوئے علمِ امامت سے شہِ دیں آگاہ — ہنس کے عباسؑ سے فرمایا کہ اے غیرتِ ماہ
میرے لشکر کی طرف ہے رخِ حُرِ ذی جاہ — سب سے کہہ دو کہ نہ روکے کوئی اس شخص کی راہ
جاؤ لینے کو عجب رتبہ شناس آتا ہے

میرا مہماں مرا عاشق مرے پاس آتا ہے

ذکر یہ تھا کہ صدا دور سے آئی اک بار
الغیاث اے جگر و جان رسول مختارؐ

مجرم ایسا ہوں کہ عصیاں کا نہیں جس کی شمار
عفو کر عفو کرا اے چشمۂ فیض غفارؐ

پار دریائے خطا سے مری کشتی ہو جائے

دوزخی بھی ترے صدقہ سے بہشتی ہو جائے

استغاثہ یہ کیا حُر نے جو با دیدۂ نم
جوش میں آ گیا اللہ کا دریائے کرم

خود بڑھے ہاتھوں کو پھیلا کے شہنشاہ امم
حُرؑ کو یہ ہاتف غیبی نے صدا دی اس دم

شکر کر سبط رسول الثقلین آتے ہیں

لے بہادر ترے لینے کو حسینؑ آتے ہیں

حُر نے دیکھا کہ چلے آتے ہیں پیدل شبیرؑ
دوڑ کر چوم لئے پائے سر عرش سریر

شہ نے چھاتی سے لگا کر کہا اے با توقیر
میں نے بخشی مرے اللہ نے بخشی تقصیر

میں رضامند ہوں کس واسطے مضطر ہے تو

مجھ کو عباسؑ دلاور کے برابر ہے تو

کہہ کے یہ ساتھ لئے حُر کو چلے شاہ امم
ہاتھ میں ہاتھ تھا مہمان کا اللہ رے کرم

راس و چپ قاسمؑ و اکبرؑ تھے زہے شان حشم
سر پہ کھولے ہوئے تھے حضرت عباسؑ علم

دور سے اہل خطا تیر جو برساتے تھے

رفقا سایہ میں ڈھالوں کے لئے آتے تھے

لائے اس عزت و حرمت سے جو مہماں کو امام
بولے عباسؑ کمر کھول اب اسے نیک انجام

شہ نے فرمایا مناسب ہے کوئی دم آرام
عرض کی حُرؑ نے کمر خلد میں کھولے گا غلام

فاتحہ پڑھ کے پہ شمشیر و سپر باندھی ہے
آج اس عزم پہ خادم نے کمر باندھی ہے

ہے بہت شمر و عمر سے مجھے لڑنے کی امنگ ایک ہی وار میں دونوں کو کروں ٹکڑے بے درنگ
لشکرِ شام سے پیہم چلے آتے ہیں خدنگ شاہزادوں کی سپر ہوں کہ عبادت ہے یہ جنگ
لیکن ایسا نہ ہو بچہ کوئی بے جان ہو جائے
پہلے یہ تازہ غلام آپ پہ قربان ہو جائے

شہ نے فرمایا کہ دشوار ہے فرقت تیری مجھ کو مر کر بھی نہ بھولے گی محبت تیری
وادریغا ہوئی کچھ ہم سے نہ خدمت تیری خیر فردوس میں ہو جائے گی دعوت تیری
آج رتبہ ترا خیلِ شہدا میں ہوگا
شب کو تو صحبت محبوب خدا میں ہوگا

تجھ سے مخفی نہیں ہفتم سے جو کچھ ہے احوال راہیں ہر سمت کی روکے ہوئے ہیں اہلِ ضلال
قحط پانی کا ہے اس دشت میں گندم کا ہے کال نانِ جو کا بھی ہے ملنا کسی قریہ میں محال
سب کو ایذا عوضِ آب و غذا ملتی ہے
دودھ اصغر کو نہ عابدؑ کو غذا ملتی ہے

حُر نے رو کر سرِ تسلیم جھکایا باادب شہ نے رومال رکھا آنکھوں پہ رونے لگے سب
جب چڑھا گھوڑے پہ وہ عاشقِ سلطانِ عربؐ شاہ بولے کہ عجب دوست چھٹا ہائے غضب
دم بدم یاں سے جو آوازِ بکا جاتی تھی
گریۂ آلِ محمدؐ کی صدا آتی تھی

حُر چلا فوجِ مخالف پہ اڑا کر توسن چوکڑی بھول گئے جس کی تگاپو سے ہرن

وہ جلال اور وہ شوکت وہ غضب کی چتون   ہاتھ میں تیغ۔ سپر دوش پہ۔ بر میں جوشن
دوسرے دوش پہ شملے کے جو بل کھاتے تھے
کاکل حور کے سب پیچ کھلے جاتے تھے

حضرت حُرؔ کی شہادت

رن میں جب شہ کی طرف سے حر دیندار آیا   کس بشاشت سے اڑاتا ہوا رہوار آیا
غل ہوا سیدِ مظلوم کا غمخوار آیا   جاں نثار خلفِ حیدرِ کرارؑ آیا
شفق نور سرِ راہ نظر آتا ہے
جلوۂ قدرتِ اللہ نظر آتا ہے

آئینے جاننے کا یہاں در کے کروں کیا مذکور   پہلے کچھ اور ہی جلوہ تھا ہے اب اور ظہور
اے خوشا رتبہ فیض قدمِ پاک حضورؐ   غل تھا آیا ہے ملک پہنے ہوئے خلعت نور
صحبتِ اہلِ ہدا ول کو جلا کرتی ہے
مس کو اک آن میں اکسیرِ طلا کرتی ہے

حرؔ پکارا کہ بجا کہتے ہو لا شک لاریب   دامنِ حضرت شبیرؑ نے ڈھانپے مرے عیب
دولتِ دیں سے نہ دامن مرا خالی ہے نہ جیب   بارک اللہ کی دیتا ہے صدا ہاتفِ غیب
فیض پا کر پئے شمشیر زنی آیا ہوں
یاں سے محتاج گیا واں سے غنی آیا ہوں

رُخِ روشن کو مرے تکتے ہو کیا حسرت سے   مل کے آیا ہوں منہ اپنا قدمِ حضرت سے
نور ہے وہ جسے دیکھیں نظرِ رغبت سے   وائے وہ لوگ جو محروم ہیں اس دولت سے
مجھ کو بھی دیکھ کے بیدار نہیں ہوتے ہو

ہے غضب آنکھیں تو کھولے ہو مگر سوتے ہو

جانِ سلطانِ رسالت کو غنیمت جانو — پسرِ شاہِ ولایت کو غنیمت جانو
نورِ خالق کی زیارت کو غنیمت جانو — قمرِ برجِ امامت کو غنیمت جانو
ساتھ اس کے برکت خلق سے اٹھ جائیگی
پھر جو ڈھونڈو گے یہ دولت تو نہ ہاتھ آئیگی

ایک سید کو مٹا دینے میں ہے کون سا نام — اس ہوا پہ ہو کہ بجھ جائے چراغِ اسلام
گر ستانا تو کہو بد ہے کہ یا نیک کلام — خوش نما کب ہے وہ تسبیح نہ ہو جس میں امام
شکرِ احسانِ جنابِ احدی کرتے ہیں
پیشوا سے کہیں پیرو بھی بدی کرتے ہیں

یہ سخن سن کے پکارا پسرِ سعدِ شریر — ہاں حر غدار شہِ دیں پہ چلیں نیزہ و تیر
لیکے حربوں کو بڑھا فوج کا انبوہ کثیر — فاتحہ پڑھ کے جواں مرد نے کھینچی شمشیر
حر کا منہ سرخ ہوا فوجِ ستم زرد ہوئی
شعلۂ تیغ سے بجلی کی چمک گرد ہوئی

رعد تھرا گیا نعرے جو سنے ضیغم کے — استخواں کانپ گئے زیرِ زمیں رستم کے
تہ و بالا ہوئیں لشکر کی صفیں جم جم کے — برقِ شمشیر سے ڈر ڈر کے فرس بھی چمکے
نوبتِ جنگ نہ آئی تھی کہ دل ٹوٹ گئے
برچھیاں گر گئیں ہاتھوں سے نشاں چھوٹ گئے

چھیڑ کر باگ فرس کو جو ذرا گرمایا — غیظ میں آن کے گھوڑا بھی عجب کلف لایا
شیر سا فوجِ مخالف پہ جھپٹ کر آیا — روند ڈالا اسے دم میں جسے سرکش پایا

اس کا قاتل تھا جو دشمن شہ عالی کا تھا
کاٹ ہر فعل میں شمشیر ہلالی کا تھا

کیں صفیں صاف مگر سنہ کی صفائی نہ گئی
کچھ لڑائی کو نہ چھوڑا وہ لڑائی نہ گئی
کاٹ چھانٹ اور وہ عداوت وہ رکھائی نہ گئی
سیکڑوں خون کئے اور کہیں آئی نہ گئی

شور تھا برق، پئے جلوہ گری نکلی ہے
جان لینے کو اجل بن کے پری نکلی ہے

آئی جس غول پہ لاشوں سے زمین پاٹ گئی
ہاتھ منہ صدر و کمر گردن و سر کاٹ گئی
چاٹ ایسی تھی لہو کی کہ صفیں چاٹ گئی
دیکھی تیغوں کی جدھر باڑھ اسی گھاٹ گئی

جس پہ جاتی تھی نہ بیجان کئے پھرتی تھی
ایک بجلی تھی مگر لاکھ جگہ گرتی تھی

کئی حلے گئے سہم جو کمانداروں پر
چل گئے تیر ملامت کے جفاکاروں پر
چٹکیاں سب کی دھری رہ گئیں سوفاروں پر
رخ پھرا تھا کہ گری برق ستم گاروں پر

جل کے خرمن ہوا یوں خاک کہ توشہ نہ ملا
کش مکش میں کہیں چھپنے کو بھی گوشہ نہ ملا

نیزہ فوج ستم گار تھے دیکھے بھالے
دم میں اس شیر نیستاں نے قلم کر ڈالے
گرچہ تھے جان لڑائے ہوئے لڑنے والے
آفت مرگ کو سر سے کوئی کیوں کر ٹالے

جب سواروں کے پرے جنگ کو تل جاتے تھے
بند سب ناخن شمشیر سے کھل جاتے تھے

شور تھا آگ ہے تلواریں یا پانی ہے
جل بجھی کشتی تن خون میں طغیانی ہے

ضرب میں فرد ہے یہ زور میں لاثانی ہے — کہتا تھا حُر یہ فقط قوت ایمانی ہے
زور تھا مجھ میں نہ ایسا نہ دغا کی طاقت
سچ ہے یہ سبط پیمبرؐ کی دعا کی طاقت

کہہ کے یہ فوج میں پھر تشنہ جگر ڈوب گیا — ورطۂ قلزمِ آفت میں گہر ڈوب گیا
لشکرِ شام کی بدلی میں قمر ڈوب گیا — کش مکش تھی کہ عرق میں گل تر ڈوب گیا
تھا کبھی شیر سا بپھرا ہوا شمشیروں میں
کبھی نیزوں کے نیستاں میں کبھی تیروں میں

بڑھ کے فرماتے تھے عباسؑ زہے عزت و جاہ — بارک اللہ کی دیتا تھا صدا دلبرِ شاہ
کہتے تھے ابنِ حسنؑ واہ حُر غازی واہ — شاہ ہر ضرب پہ فرماتے تھے ماشاءاللہ
اپنی جاں بازی کا غازی جو صلا پاتا تھا
مسکراتا ہوا تسلیم کو جھک جاتا تھا

حیف جھکنے میں لعینوں نے جو فرصت پائی — سامنا چھوڑ کے سب فوج عقب سے آئی
لاکھ خوں ریز ادھر اور ادھر تنہائی — باگ گھوڑے کی پھر آتا تھا کہ برچھی کھائی
آ گیا موت کے پنجہ میں نہ کچھ دیر لگی
فرق پر گرز لگا دوش پہ شمشیر لگی

سینہ غربال ہوا تیر چلے اعدا کے — رکھ دیا شیر نے قربوس پہ سر تیورا کے
علی اکبرؑ نے یہ حضرت سے کہا چلّا کے — گر ہو ارشاد تو مہماں کو بچاؤں جا کے
خادمِ حضرتِ زہراؑ و علیؑ گرتا ہے
خاک پر آب وہ سعید ازلی گرتا ہے

شاہ رونے لگے یہ سنتے ہی مہماں کی خبر ہوگئی آنسوؤں سے ریش مبارک سب تر

علی اکبرؑ سے کہا تم ابھی ٹھہرو دلبر حُر کی امداد کو ہم جائیں گے اے نورِ نظر

کس سے اس وقت کہوں اس میں جو قلق مجھ پر ہے

لاش اٹھاؤں گا کہ مہمان کا حق مجھ پر ہے

یہ سخن کہہ کے چلے رن کو جناب شبیرؑ واں گرا خاک پہ گھوڑے سے حُرِ با توقیر

دیکھ کر شاہ کو آتے ہوئے بھاگے بے پیر پہنچے لاشہ پہ امام دو جہاں وقتِ اخیر

چمن ہستیِ مہماں کو اجڑتے دیکھا

ایڑیاں خاک پہ زخمی کو رگڑتے دیکھا

گر کے لاشے کے برابر یہ پکارے سرور میرے مہمان و مددگار و معین و یاور

گرز کیا تجھ کو لگا ٹوٹ گئی میری کمر گر پڑے گھوڑے سے اور آہ نہ کی مجھ کو خبر

دوست کے ہجر میں کب دوست کو چین آتا ہے

کھولے چشم کو بھائی کہ حسینؑ آیا ہے

واہ اے حُر [illegible] تری ہمت کے فدا اس کو کہتے ہیں محبت اسے کہتے ہیں وفا

ہے یہ بیکس ترا شرمندۂ احساں بخدا بس یہی بھائی بھی کرتے ہیں جو کچھ تو نے کیا

حق تعالیٰ چمن خلد میں گھر دے بھائی

اس رفاقت کا خدا تجھ کو ثمر دے بھائی

حُر کو جو نزع کے حبیب ابن مظاہرؑ نے کہا آپ بیتاب ہیں اے حُرِ جری ہوش میں آ

دیکھو دلدار جگر بند جناب زہراؑ کوئی دم پیش ہے یہ وقت نہیں غفلت کا

دم رکا ہے تو اشارے سے وصیت کر لے

نزع میں حورِ الٰہی کی زیارت کرنے

نیم وا چشم سے حرؑ نے رخِ مولا دیکھا
زیرِ سر زانوئے شبیرؑ کا تکیا دیکھا
مسکرا کر طرفِ عالمِ بالا دیکھا
شہ نے فرمایا کہ اے حرؑ جری کیا دیکھا

عرض کی حسنِ رخِ حور نظر آتا ہے
فرش سے عرش تلک نور نظر آتا ہے

مجھ کو لینے چلے آتے ہیں فرشتے یا شاہ
ملک الموت بھی کرتا ہے محبت کی نگاہ
خلد سے شیرِ خدا نکلے ہیں اللہ اللہ
لو برآمد ہوئے شبرؑ بھی پدر کے ہمراہ

نزع کے سر احمدِ مختار کی جانب آئی
دیکھئے آپ کے نانا کی سواری آئی

قبلہ رو کیجئے لاشہ مرا اے قبلۂ دیں
پڑھیے یٰسین کہ اب ہے یہ دمِ بازپسیں
کوچ نزدیک ہے اے بادشہِ عرش نشیں
لیجئے تن سے نکلتی ہے مری جانِ حزیں

بات بھی اب تو زباں سے نہیں کی جاتی ہے
کچھ اوڑھا دیجئے مولا مجھے نیند آتی ہے

کہہ کے یہ گود میں شبیرؑ کے لی انگڑائی
آیا ماتھے پہ عرق چہرے پہ زردی چھائی
شہؑ نے فرمایا ہمیں چھوڑ چلے کیوں بھائی
لب ہلے حرؑ جری پھر نہ کچھ آواز آئی

طائرِ روح نے پرواز کی طوبیٰ کی طرف
پتلیاں رہ گئیں پھر کر شہِ والا کی طرف

لاش اٹھا کر شہِ دیں خیمے کے در پر آئے
پاؤں مہماں کے سنبھالے علی اکبرؑ آئے
غل ہوا خیمۂ عصمت میں کہ سرور آئے
پیچھے پردے کے حرم کھولے ہوئے سر آئے

دخترِ فاطمہؑ سامانِ عزا کرنے لگی
فضّہ پر ہو کے ادھر آ کے بکا کرنے لگی

شاہ چلائے کہ اے زینبؑ و امِ کلثوم — ہم بھی مظلوم ہیں جہاں بھی ہوا ہے مظلوم
ماں ہے یاں اس کی نہ خواہر یہ تمہیں ہے معلوم — کون لاشہ پہ کرے نالہ و فریاد کی دھوم
اچھا ہوگا تمہیں اشکوں سے جو منہ دھوؤ گی
اس کو یوں روؤ کہ جس طرح مجھے روؤ گی

کہدو کبریٰؑ سے کہ ماتم کے لئے کھول دے سر — روئے نادان سکینہؑ اسے بھائی کہکر
جاں گزا بین کرے بانوئے تفتیدہ جگر — ہم ادھر لاش پہ ماتم کریں تم روؤ ادھر
غل ہے فریاد کا آواز بکا آتی ہے
سُن لو ماں کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

سُن کے یہ شور ہوا حرّ دلاور ہے ہے — اے ستمگار جگر بند پیمبرؐ ہے ہے
خوں میں سب تر ہے ترا لعلِ منور ہے ہے — تشنہ و بیکس و مظلوم کے یاور ہے ہے
ادھر آنا تھا کہ تیری اجل آئی بھائی
گھر میں سادات کی دعوت بھی نہ کھائی بھائی

حضرت مسلمؑ کے صاحبزادوں کی شہادت

ترتیب صف فوج کا جس دم ہوا اعلام — باندھی علی اکبرؑ نے صف لشکر اسلام
ظاہر جو ہوئی شان جوانان گل اندام — کوفہ کے نشاں جھک گئے کانپی سپہ شام
اللہ رے شوکت شرفاء و نجبا کی
اسلام کا لشکر تھا کہ قدرت تھی خدا کی

ناگاہ بجا طبل بڑھا لشکر سفّاک ۔۔۔ تا چرخ گیا غلغلۂ کوس شغب ناک
فریاد سے قرنا کی ہلا گنبد افلاک ۔۔۔ تھرّا گیا آوازِ دہل سے کرۂ خاک
نوبت تھی زبس قتل امام مدنی کی
صاف آتی تھی تاشوں سے صدا سینہ زنی کی

واں شور تھا باجوں کا ادھر نعرۂ تکبیر ۔۔۔ ایک ایک جری جھومتا تھا تول کے شمشیر
ناگاہ سوئے فوج خدا آنے لگے تیر ۔۔۔ عباس علمدارؑ نے دیکھا رُخ شبیرؑ
کی عرض کہ لڑنے کو شریر آتے ہیں مولا
کیا حکم ہے اب پیاسوں پہ تیر آتے ہیں مولا

شہ نے کہا شرم آتی ہے کیا حکم میں دوں آہ ۔۔۔ ہفتاد و دو تن یاں ہیں ادھر سیکڑوں گمراہ
غازی نے یہ کی عرض کہ اے کُل کے شہنشاہ ۔۔۔ یہ شیر نیستانِ علیؑ ہیں تو وہ روباہ
لاکھوں ہوں تو کیا ڈر ہے شجاعانِ عرب کو
اقبال سے آقا کے بھگا دیتے ہیں سب کو

فرمایا کہ فاقوں سے ہے سارا مرا لشکر ۔۔۔ پانی نہیں ملتا کہ لب خشک کریں تر
بہتر ہے کہ ہو پہلے جدا تن سے مرا سر ۔۔۔ غازی نے کہا شیر گرسنہ ہیں یہ صفدر
حملوں سے الٹ دینگے پرے فوج عدو کے
بھوکے ہیں یہ زخموں کے پیاسے ہیں لہو کے

---

[۱] مورخین کا بیان ہے کہ کربلا کی جنگ میں عشرۂ محرم کے روز اہلبیتؑ نبوت میں سب سے پہلے حضرت مسلمؑ کے صاحبزادے عبداللہ اور محمدؑ شہادت کی سعادت سے بہرہ ور ہوئے ان کے والد ماجد حضرت مسلمؑ اور دو بھائی اس سے پہلے سفارت کی خدمات انجام دیتے ہوئے شہید ہو گئے تھے حضرت مسلمؑ کی بیوی حضرت عباس علیؑ اور جناب امام حسینؑ کی بہن تھیں ۱۲۔

حضرت نے کہا خیر لڑو فوج ستم سے
معلوم ہے سب آج جدا ہو ویں گے ہم سے
دنیا سے نہ مطلب ہے نہ کچھ جاہ و حشم سے
کٹ جائیگا اپنا بھی گلا تیغ دو دم سے
مقبول ہیں وہ جو مری امداد کریں گے
اس جنگ کو بھی لوگ بہت یاد کریں گے

جس دم یہ سنی قبلۂ کونین کی گفتار
جاں باز بڑھے فوج سے چلنے لگی تلوار
تھے پیاسوں کے حملے غضب حضرت قہار
چھوٹی کے جواں بھاگ گئے پھینک کے تلوار
کون آنکھ ملا سکتا تھا شیروں سے عرب کے
جب کرتے تھے نعرے تو قدم اٹھتے تھے سب کے

لڑتا تھا غضب ایک کے بعد ایک وفادار
دن چڑھتا تھا یاں گرم تھا واں موت کا بازار
سر بیچتے تھے جنس شہادت کے طلب گار
بڑھ بڑھ کے خریدار پہ گرتا تھا خریدار
لیں پہلے ہم ایک ایک کی جاں اس کی پڑی تھی
عقبیٰ کا جو سودا تھا تو قیمت بھی کڑی تھی

آیا جو عزیزوں کے لئے موت کا پیغام
فرزندوں نے جعفرؑ کے بڑی رن میں کئی کام
اولاد عقیلؑ آچکی شبیرؑ کے جب کام
لڑنے کو گئے مسلم بے کس کے گل اندام
تھا حشر بپا ندیاں بہتی تھیں لہو کی
بچوں نے الٹ دی تھیں صفیں فوج عدو کی

لشکر میں تلاطم تھا غضب چلتی تھی تلوار
بیتاب تھے یاں زینبؑ ناشاد کے دلدار
منہ دیکھ کے حضرت کا یہی کہتے تھے ہر بار
ہم جائیں گے بعد ان کے سوئے لشکر کفار
جی جائیں جو مولا ہمیں مرنے کی رضا دیں

ایسا نہ ہو تا کہ حضورؑ اذن وغا دیں

کچھ ان سے کہا چاہتے تھے سرور ذیشاں
جو غل ہوا مارے گئے مسلمؑ کے دل و جاں

لاشے بھی ادھر آ چکے جب خون میں غلطاں
پھر ہاتھوں کو جوڑا کے لئے رخصت میداں

شہ نے کہا یہ داغ تو دشوار ہے ہم پر
ان دونوں نے سر رکھدیئے ماموں کے قدم پر

حضرت امامؑ کے بھانجوں عون و محمد پسران زینبؑ کی شہادت

حضرت نے کہا ماں سے بھی ہو آئے ہو رخصت
کیا کہتے ہو لٹواؤ گی میں ہمشیر کی دولت

مایہ ہو تم ہی اس کی تم ہی اس کی بضاعت
چھوٹے نے یہ حضرت سے کہا تھام کے رقت

بھولے نہیں ہم آپ بھی پوچھ لیں سب سے
اماں تو رضا دے چکی ہیں رات کی شب سے

بچوں نے جو کی جوڑ کے ہاتھوں کو یہ تقریر
ان دونوں کا منہ دیکھ کے رونے لگے شبیرؑ

فرمایا چھڑاتا ہے تمہیں بھی فلک پیر
اچھا میں رضا مند ہوں جو مرضی ہمشیر

وہ سیدۂ پاک نواسی ہے نبیؐ کی
فیاض کی ہمشیر ہے بیٹی ہے سخی کی

یہ سن کے جھکے آخری تسلیم کو ذی جاہ
خورشید کے آگے مہ نو بن گئے دو ماہ

کی سوئے فلک دیکھ کے شبیر نے اک آہ
وہ شیر چلے گھوڑوں پہ چڑھ کے سوئے جنگگاہ

ماں ڈیوڑھی سے چلائی کہ رخصت ہو مبارک
سرکار شہنشاہ سے خلعت ہو مبارک

صدقہ گئی سن لو کہ میں کہتی ہوں مکرر
تم پہلے فدا کیجیو سر شہ کے قدم پر

میدان میں زخمی ہوئے گر قاسمؑ و اکبرؑ — پھر تم مرے فرزند نہ میں دونوں کی ملعد
جب دل ہوا ناراض تو فرزند کہاں کے
کس کام کے وہ لال جو کام آئے نہ ماں کے

دیکھو کہے دیتی ہوں خبردار خبردار — جیتے جو رہے دودھ نہ بخشوں گی میں زنہار
شیروں کے ہیں یہ کام کھنچے جب گھڑی تلوار — رکھ دیں وہ گلا بڑھ کے تہہ خنجر خونخوار
توڑی ہیں صفیں جنگ میں سب کھیت پڑے ہیں
جنات کے لشکر سے علیؑ یوں ہی لڑے ہیں

اعدا کو مرے دودھ کی تاثیر دکھاؤ — ہاں جلالِ حسنؑ شوکت شبیرؑ دکھاؤ
جعفرؑ کی طرح جوہر شمشیر دکھاؤ — تن تن کے ید اللہ کی تصویر دکھاؤ
خورشید امامت سے قرابت میں قریں ہو
تم شیر ہو شیروں کے حسینوں کے حسیں ہو

خندق کی لڑائی کی طرح جنگ کو جھیلو — بچے اسد اللہ کے ہو جان پہ کھیلو
تیغوں میں دھنسو چھاتیوں سے تیروں کو ریلو — کوفہ کو تہہ تیغ کرو شام کو لے لو
دو اور جلا آئینۂ تیغ عرب کو
لو روم کو قبضہ میں لو قابو میں حلب کو

خاقاں کا رہے تخت نہ قیصر کا رہے تاج — ہاں غازیو چین و حبش و زنگ سے لو باج
چڑھنا ہے لڑائی پہ جوانمردوں کی معراج — گیتی تہہ و بالا ہو وہ تلوار چلے آج
یوں آئیو چار آئینہ پہنے ہوئے بر میں
جس طرح علیؑ بعد ظفر آئے تھے گھر میں

میلے نہ بال تیور پہ سپاہی کے ہنر ہیں   جسکے ہیں بس اسکے ہیں جدھر ہیں اسی طرف ہیں
گر حضر میں الگ ہیں تو سفر میں بہم ہیں   صحبت میں مصاحب ہیں لڑائی میں سپر ہیں
وہ اور کسی سے نہ جھکیں گے نہ جھکے ہیں
غیرت میں نہ فرق آئے کہ سر بیچ چکے ہیں

تسلیم کو گھوڑوں سے جھکے جو تو وہ گلرو   دل ماں کا یہ الٹا کہ ٹپکنے لگے آنسو
باگیں جو اٹھائیں تو فرس بن گئے آہو   پھر دیکھنے پائی نہ انھیں زینبؑ خوشخو
میداں کی طرف یاس سے ماں رہ گئی تک کر
پنہاں ہوئے بدلی میں ستارے سے چمک کر

میداں میں عجب شان سے وہ شیر نر آئے   گویا کہ بہم حیدرؑ و جعفرؑ نظر آئے
غل پڑ گیا حضرت کی بہن کے پسر آئے   افلاک سے بالائے زمیں دو قمر آئے
یوسفؑ سے فزوں حسن گراں مایہ ہے ان کا
یہ دھوپ بیاباں میں نہیں سایہ ہے ان کا

پڑھنے لگے اشعار رجز جب وہ دلاور   اللہ رے فصاحت فصحا ہو گئے ششدر
ہر بیت تھی دشمن کے لئے تیغ دو پیکر   ہر مصرعۂ برجستہ میں تھی تیزیٔ خنجر
دے کون جواب ان کا کہ دم بند تھا سب کا
واں قافیہ تھا تنگ شجاعان عرب کا

اظہار نسب میں جو محمدؐ کا لیا نام   سب پڑھنے لگے صل علیٰ صاحب اسلام
آگے جو بڑھے نام علیؑ لے کے وہ گلفام   دل ہل گئے تھرانے لگا روم سے تا شام
جعفرؑ کا جو کچھ ذکر کیا بعد علیؑ کے

مجرے کو علم جھک گئے سب فوج شقی کے
آغاز تھا ذکر شرف حضرت شبیرؑ   ڈنکے پہ ادھر چوب لگی۔ چلنے لگے تیر
اس وقت بڑے بھائی سے کی چھوٹے نے تقریر   تلوار علم کیجئے اب کس لئے تاخیر
کہیئے تو جدا ہو کے ستمگاروں پہ جائیں
اسواروں پہ ہم آپ کمانداروں پہ جائیں

فرمایا بڑے بھائی نے ہنس کر نہیں بھائی   تم جان ہو دشوار ہے دم بھر کی جدائی
ہو جاتی ہے اک آن میں ہر صف کی صفائی   کر دیتے ہیں سر کون سی ایسی ہے لڑائی
بازو ہوں قوی ہاتھ سے گر ہاتھ نہ چھوٹے
سر تن سے اتر جائے مگر ساتھ نہ چھوٹے

نانا کی طرح فوج پہ حملے کریں آؤ   تلواروں میں تن تن کے چلو برچھیاں کھاؤ
ان چھوٹے سے ہاتھوں کا ہمیں زور دکھاؤ   ہم سینہ سپر تم ہو چلو تم ہم کو بچاؤ
ہم شیروں پہ ستم کا کبھی منہ پڑ نہ سکے گا
جب دو ہوئے اک دل تو کوئی لڑ نہ سکے گا

چھوٹے نے کہا جوڑ کے ہاتھوں کو کہ بہتر   بس کھینچ لئے تیغے دونوں نے برابر
دو بجلیاں کوندیں کہ لرزنے لگے لشکر   شیروں کے نیستاں میں در آئے غضنفر
برباد کیا رن میں سواروں کو دبا کے
پیادے بھی اسوار تھے گھوڑوں پہ ہٹا کے

موت آئی ادھر نیچے دونوں کے جو ادھر آئے   جب ہاتھ بڑھا پاؤں پلٹ کٹ کے سر آئے
گر سینہ تک آئے تو کبھی تا کمر آئے   خالی نہ پھرے جس پہ گئے خون میں بھر آئے

دو میں جو بجلی سے گذرتے تھے کمر سے
آدھے ہوئے جاتے تھے لعیں جان کے ڈر سے

دو چھوٹی سی تیغوں سے قیامت نظر آئی
معصوموں کے ہاتھوں سے کرامت نظر آئی
سر کٹنے کی اعدا کے علامت نظر آئی
لوہے کی سپر بھی نہ سلامت نظر آئی

بے وجہ نہ پھر جاتے تھے منہ اہل جفا کے
دریا کے تھپیڑے تھے طمانچے تھے قضا کے

عادت تھی وہ صف جس سے دغا کر کے پھرے وہ
دو ہاتھ میں سو سو کو فنا کر کے پھرے وہ
سرداروں کے سر تن سے جدا کر کے پھرے وہ
ہر غول میں اک حشر بپا کر کے پھرے وہ

غل تھا کہ پرے ٹوٹے ہوئے جم نہیں سکتے
سر کٹنے کی دہشت سے قدم تھم نہیں سکتے

گھوڑے تھے چھلاوہ کبھی یاں تھے کبھی واں تھے
بجلی میں تو پھرتے تھے پر آنکھوں سے نہاں تھے
یاں تھے جو سبک رو تو ادھر گرم عناں تھے
مچھلی تھے کسی جا تو کہیں آب رواں تھے

ہو سکتی تھی مچھلی سے یہ سرعت نہ ہرن سے
جھونکے تھے ہوا کے نکل جاتے تھے سن سے

جمعیت لشکر کو پریشاں کیا دم میں
جو فوج کی جاں تھے انھیں بیجاں کیا دم میں
تلواروں سے جنگل کو گلستاں کیا دم میں
سر کاٹ کے خونخواروں کو غلطاں کیا دم میں

بے دست تھے علموں کو جو بیدین لئے تھے
بچوں نے جوانوں کے نشاں چھین لئے تھے

کہتا تھا بڑے بھائی سے چھوٹا بصد آداب
بھائی میں بھگا دوں ابھی انکو جو ملے آب

اب پیاس کی گرمی سے کلیجے کو نہیں تاب — سینہ میں مرا دل نہیں آتش پہ ہے سیماب
ہم لوگ محق کیا نہیں اس آب رواں کے
تالو میں خلش ہوتی ہے کانٹوں سے زباں کے

کہتا تھا بڑا بھائی میں صدقے ترے گلفام — ہم خشک زبانوں کو بھلا پانی سے کیا کام
اب جلد اجل آئے تو کوثر کا پئیں جام — غش ہم کو بھی آجائے گا پانی کا نہ لو نام
آنکھیں تو ستم گاروں کی تیغوں سے لڑی ہیں
چپکے رہو اماں در خیمہ پہ کھڑی ہیں

اشک آنکھوں میں بھر کر کہا چھوٹے نے بہت خوب — ہر دم ہے رضامندی مادر ہمیں مطلوب
ایسے تو نہیں ہم کہ بزرگوں سے ہوں محجوب — منظور یہ تھا فخر کہ نکلے کوئی اسلوب
دریا کو بھی دیکھیں گے نہ اب آنکھ اٹھا کے
پیتے ہیں تو پہلے شہ والا کو پلا کے

جعفرؑ کے جو پوتے ہیں تو حیدرؑ کے نواسے — کچھ ہم علی اکبرؑ سے زیادہ نہیں پیاسے
یہ کہتے ہی لڑنے لگے پھر اہل جفا سے — فریاد کہ بچوں پہ گری فوج قضا سے
خوں سر کا بہا منہ پہ تو گھبرا گئے دونوں
دو لاکھ کی تیغوں کے تلے آ گئے دونوں

ڈوبے ہوئے تھے شام کے بادل میں وہ دو ماہ — پردہ سے کھڑی تکتی تھیں زینبؑ سوئے جنگاہ
عباسؑ سے کہتے تھے تڑپ کر شہ ذیجاہ — اب مجھ سے جدا ہوتے ہیں دو شیر مرے آہ
کیونکر متحمل ہو دل اس رنج و محن کا
گھر لٹتا ہے بھائی مری نادار بہن کا

عباسؑ نے کی عرض کلیجہ ہے دو پارا — ان کو تو کسی کی نہیں امداد گوارا
زخمی ہوئے نہ مجھ کو نہ اکبرؑ کو پکارا — جائے یہ غلام آپ جو فرمائیں اشارہ
حضرت کی قسم دیکھیے میں سمجھاؤں گا ان کو
مچلیں گے تو گودی میں اٹھا لاؤں گا ان کو

حضرت نے کہا صاحب غیرت ہیں وہ دونوں — لخت جگر شاہِ ولایت ہیں وہ دونوں
ضرغام نیستانِ شجاعت ہیں وہ دونوں — واللہ بڑے صاحب ہمت ہیں وہ دونوں
دو لاکھ تو کیا ہیں جو کروڑوں میں گھر ینگے
بیجان ہوئے وہ نہ پھرے ہاں نہ پھر ینگے

بڑھنے لگے میداں کی طرف قاسم ذی جاہ — اکبرؑ نے یہ کی عرض کہ میں جاتا ہوں یا شاہ
ہے دونوں کی فرقت کا مجھے صدمۂ جانکاہ — لاکھوں میں ہیں تنہا پھوپھی اماں کے پسر آہ
ریتی پہ کہیں گر نہ پڑیں برچھیاں کھا کر
میں ساتھ انھیں لے آتا ہوں اعدا کو بھگا کر

گھبرا کے در خیمہ سے زینبؑ یہ پکاری — سر ننگے میں نکلوں گی جو تم جاؤ گے واری
اولاد مجھے تم سے زیادہ نہیں پیاری — بتلاؤ تو میں ان کی ہوں عاشق کہ تمہاری
میداں کی طرف قاسمؑ بے پر بھی نہ جائیں
تلواروں میں عباسؑ دلاور بھی نہ جائیں

زہراؑ کی قسم کچھ نہیں بیٹوں کا مجھے دھیان — بھائی پہ تصدق ہوں یہی تھا مجھے ارمان
وہ آئے تو وسواس سے دل ہوگا پریشان — صدقے کو نہیں پھیر کے لاتے ہیں میں قربان
خود روؤں گی پر شاہ کو غم کھانے نہ دوں گی

لاشے بھی اٹھانے کے لئے جانے نہ دوں گی

شہزادوں کو کھوتے ہیں غلاموں کے لئے آہ ۔ میں جوڑتی ہوں ہاتھ بس اب روئیں نہ للّٰہ
ہے شرم کی کیا وجہ میں لونڈی وہ شہنشاہ ۔ سو ایسے ہوں بیٹے تو نثار شہ ذیجاہ
ممتاز ہے فدوی ہے جو زہراؑ کے پسر کا
شان اس کی بڑھے فخر ہو جو جد و پدر کا

بیٹوں سے ہوئی گر تو ہوئی آج جدائی ۔ سر پر مرے دنیا میں سلامت رہیں بھائی
اک دولتِ اولاد لٹائی تو لٹائی ۔ کیا لٹ گیا وہ کون سی ایسی تھی کمائی
کیوں روؤں میں دنیا میں جو دلبند نہیں ہیں
کیا اکبرؑ و اصغرؑ مرے فرزند نہیں ہیں

یہ ذکر ابھی تھا کہ ستمگار پکارے ۔ لو شاہ کی ہمشیر کے بیٹے گئے مارے
ٹکڑے کیا معصوموں کو تلواروں کے مارے ۔ وہ ٹوٹتے ہیں خاک پہ دو عرش کے تارے
پامالی کو ان دونوں کی اسوار بڑھیں گے
بچوں کے سر اب کٹ کے نشانوں پہ چڑھینگے

یہ سنتے ہی تھرّانے لگے حضرت عباسؑ ۔ گھبرا کے اٹھے خاک سے شبیرؑ بصد یاس
سر کھولے ہوئے بیبیاں ڈیوڑھی کے تھیں پاس ۔ سب نے کہا لو شہ کی بہن ہو گئی بے آس
ٹوٹا ہے فلک بنتِ شہنشاہ نجف پر
زینبؑ کو چلو لے کے بس اب ماتمی صف پر

ہے ہے کا جو اک شور ہوا اندرونِ در ۔ زینبؑ بھی ہٹی چھوڑ کے دروازہ کا پردہ
چلّائی ارے چپ کے رہو غل ہے یہ کیسا ۔ بھائی ہیں سلامت مجھے کیوں دیتی ہو پرسا

ہے ہے نہ کرو صاحبو گھبرائیں گے شبیرؑ
پھر کون ہے زینت کا جو مر جائیں گے شبیرؑ

تم روتے ہو کس واسطے میں تو نہیں روتی
دامان خرد بھی نہیں اشکوں سے بھگوتی
دل ہوتا جو ایسا ہی تو کیوں بیٹوں کو کھوتی
دولت کوئی ماں جائے سے پیاری نہیں ہوتی
قائم رہے اقبال محمدؐ کے خلف کا
بس نام بھرے گھر میں نہ لو ماتمی صف کا

باتیں یہ کہیں سب سے پہ سنبھلا نہ دل زار
تڑپا یہ کلیجہ کہ گری خاک پہ اک بار
واں لاشوں پہ روتے ہوئے پہنچے شہ ابرار
جہاں کوئی ساعت کے ملے وہ جگر افگار
کس عمر میں ہستی کا چمن چھوڑ رہے تھے
گودی کے پلے خاک پہ دم توڑ رہے تھے

رُخ زرد تھے اور خاک میں آلودہ تھے گیسو
جھک آئے تھے کٹ کٹ کے مہ نو سے وہ ابرو
تلواروں سے ٹکڑے تھے وہ بلور سے بازو
مہتاب سی وہ چھاتیاں اور تیر سے پہلو
پھکتا تھا جگر آنکھ نہ کھل سکتی تھی غش سے
ہونٹوں پہ زبانیں نکل آئی تھیں عطش سے

ٹکڑے ہوا سینہ میں دل سبط پیمبرؐ
ہے ہے کہا اور لاشوں سے لپٹے شہ صفدر
چھوٹے سے بڑے نے یہ کہا ہوش میں آکر
بالیں پہ حضورؐ آتے ہیں چونکو تو برادر
مشتاق تھے تم سیّد ذی جاہ کو دیکھو
مرتے ہوئے دیدار شہنشاہ کو دیکھو

سُن کر یہ صدا غش سے جو چونکا وہ دل افگار
دونوں نے رکھا سر قدم شاہ پہ اک بار

یں

اکبرؑ سے یہ کی عرض کہ اے شاہ کے دلدار
دشمن ہیں بہت قبلۂ عالم سے خبردار

ہم دونوں غلاموں کا نہ غم کھائیو بھائی

سر پیٹیں جو اماں انھیں سمجھائیو بھائی

یہ کہہ کے لگے ہچکیاں لینے وہ پیارے
بس موت کے آثار نمایاں ہوئے سارے

سر پیٹ کے ہاتھوں سے یہ شبیر پکارے
ماموں سے بچھڑتے ہو میں قربان تمہارے

پھر کی نہ کوئی بات سفر کر گئے دونوں

آنسو تھے رواں آنکھوں سے اور مر گئے دونوں

حضرتؑ کے جو رونے کی صدا خیمہ میں آئی
ماندوں نے ادھر ماتمی صف گھر میں بچھائی

زینبؑ نے کہا ہائے غضب روتے ہیں بھائی
فضہؑ یہ پکاری کہ دہائی ہے دھائی

لو چاک گریبان کیے آتے ہیں شبیرؑ

معصوموں کے لاشوں کو لیے آتے ہیں شبیرؑ

بیٹھی صفِ ماتم پہ ادھر شاہؑ کی خواہرؑ
سیدانیوں نے اٹھ کے ادھر کھول دیے سر

لاشوں کو لیے آئے جو گھر میں شہ صفدر
زینبؑ کے قریں بیٹھ گئے سر کو جھکا کر

فرمایا کہ لو لختِ جگر آئے تمہارے

لو دودھ انھیں بخشو یہ لیسر آئے تمہارے

شبیرؑ نے جب دودھ کا زینبؑ سے لیا نام
ہر چند کیا ضبط پہ تھرا گیا اندام

دل تھام کے کہنے لگی وہ بیکس و ناکام
آپ ان سے رضامند ہیں یا شاہ خوش انجام

فرمایا دل ان دونوں سے واللہ خوشی ہے

میں ان سے خوشی ہوں مرا اللہ خوشی ہے

ہمشیر سے یہ کہہ کے جو روئے شہ ابرار — بس آ گیا فرزندوں کی ہمت پہ اسے پیار
تھرائی ہوئی خاک سے اُٹھی وہ دل افگار — پاس آن کے لاشوں کی بلائیں لیں کئی بار
کانپے جو قدم گر کے سنبھلنے لگی زینبؑ
منہ خون بھرے چہروں سے ملنے لگی زینبؑ

دیکھا جو لہو بچوں کا چھاتی امنڈ آئی — نزدیک تھا مر جائے ید اللہ کی جائی
پر فاطمہؑ کے صبر کی شان اس نے دکھائی — سب سے یہ کہا نیک لگی میری کمائی
بچے مرے قرباں ہوئے احسان خدا کا
اے بیبیو صدقہ ہے یہ شاہ شہدا کا

رو کر شہ والا نے کہا صدقہ میں تم پر — دم بھرتے ہیں رو لو کہ یہ مہمان ہیں خواہر
بانوؑ نے اشارہ کیا اے سبط پیمبرؐ — قربان گئی آپ بس اب جائیے باہر
گر ضبط اسی طرح سے فرمائیں گی زینبؑ
یہ ماتم اولاد ہے مر جائیں گی زینبؑ

روتے ہوئے خیمہ سے جو ڈیوڑھی پہ گئے شاہ — فرزندوں کو چلانے لگی زینبؑ ذی جاہ
یہ نیند ہے کیسی کہ خبر تم کو نہیں آہ — صدقے گئی جاؤ شہ کونینؑ کے ہمراہ
زخمی ہوئے شبیرؑ تو جاں اپنی میں دوں گی
اچھا میں تمہیں دونوں سے ماں جائے کو لوں گی

لو نیمچے کاندھوں پہ دھرو اے مرے پیارو — تنتے ہوئے شبیرؑ کے ہمراہ سدھارو
گو پیاسے ہو دو دن کے پہ ہمت کو نہ ہارو — یہ خون میں ڈوبے ہوئے کپڑوں کو اتارو
اٹھ بیٹھو میں صدقہ گئی اتنا نہیں سوتے

اس طرح تو جلگے ہوئے دولہا نہیں سوتے

ہوتا ہے لڑائی کے دن ایسا کوئی غافل
بچو تمہیں کیا سن کے کہیں گے سر عاقل

دیکھو کہ تڑپتی ہے یہ ماں صورت بسمل
سلجھاؤ یہ زلفیں کہ الجھتا ہے مرا دل

کیا غش میں ہو یہ سونے کا نقشہ نہیں ہوتا
ایسا تو کوئی نیند کا ماتا نہیں ہوتا

پھر دو نوں کے سر زانو پہ رکھ کر یہ پکاری
لو اب ہوا معلوم کہ تم مر گئے واری

بیہوشی میں کچھ مجھ کو خبر بھی نہ تمہاری
اب آنکھوں سے کھو جائیں گی یہ صورتیں پیاری

دنیا کو نہ دیکھا کہ اجل آگئی بچو
ہے ہے یہ تمہیں کس کی نظر کھا گئی بچو

حضرت قاسمؑ بن حسنؑ کی شہادت

جب مر چکے زینبؑ کے پسر فوج ستم میں
اور گلشن ہستی سے گئے باغ ارم میں

تاریک جہاں تھا نظر شاہِ اُمم میں
زینبؑ نے برا حال کیا بیٹوں کے غم میں

چلاتی تھی دولت مری سب لٹ گئی لوگو
پردیس میں فرزندوں سے میں چھٹ گئی لوگو

ان باتوں پہ زینبؑ کی حرم کرتے تھے ماتم
میداں میں مبارز طلبی کرتے تھے اظلم

کچھ مشورہ تھا اکبرؑ و عباسؑ میں باہم
قاسمؑ کا ارادہ تھا کہ لیں رن کی رضا ہم

پر شدت گریہ سے نہ یارا تھا سخن کا
منہ ماں کا کبھی دیکھتے تھے گاہ دلہن کا

مادر کا اشارہ تھا کہ کیا قصد ہے واری
چپکے رہو گھونگھٹ میں دلہن کرتی ہے زاری

کہتا تھا پسر جان چچا سے نہیں پیاری　　کچھ آپ سفارش کریں اب ان سی ہماری
اکبرؑ کو نہ شبیرؑ کہیں اذن وغادیں
جی جائیں اگر یہ ہمیں مرنے کی رضا دیں

رخصت کا سخن منہ سے نکلتا نہ ہمارے　　فرزند پھوپی جان کے دنیا سے سدھارے
کچھ منہ سے نہیں بولتیں یہ شرم کے مارے　　حوریں ہمیں غرفوں سے یہ کرتی ہیں اشارے
کیا دیکھتے ہو پیار سے صورت کو دلہن کی
اب سیر کرو اٹھ کے شہادت کے چمن کی

فق ہو گئی ماں سن کے یہ فرزند کی تقریر　　بانوؑ نے کہا ہائے مری بچی کی تقدیر
خاموش تھی گھونگٹ میں دلہن صورتِ تصویر　　دولھا کا سخن سن کے کلیجہ پہ لگا تیر
چاہا کہ کہے کاش ہماری اجل آئے
کچھ منہ سے نہ نکلا مگر آنسو نکل آئے

آنکھوں کو رنڈاپے کا نظر آ گیا ساماں　　سینہ پہ چلی وصل میں تیغ غم ہجراں
خود بہہ گئے سب گوندھی ہوئی بال پریشاں　　ماتھے سے ستاروں کی طرح گر گئی افشاں
وہ رشک چمن غم سے جو سرگرم فغاں تھی
ہر آہ میں سہرے کے بھی پھولوں پہ خزاں تھی

دولھا نے جو دیکھا کہ دلہن غم سے ہے مضطر　　چلنے لگے سینہ پہ غم و درد کے خنجر
اک آہ بھری زرد ہوا چہرۂ انور　　جھک کر کہا زانو سے اٹھاؤ تو ذرا سر
للہ نہ رو دو تمہیں سمجھاتے ہیں صاحب
کچھ بات کرو مرنے کو ہم جاتے ہیں صاحب

ہم چھوڑ کے تنہا نہ تمہیں گھر سے نکلتے
سایہ کی طرح پاس سے اک آن نہ ٹلتے
اس گل کے کفِ پا سے ہم آنکھوں کو ملتے
کیا کیجیئے ہیں تیر چچا جان پہ چلتے
سو بار ہوں صدقہ تو یہ حق ان کے ادا ہوں
مظلوم کا پھر کون ہے گر ہم نہ فدا ہوں

فرما کے یہ مسند سے جو اٹھا وہ خوش اقبال
بولی نہ دلہن کچھ پہ ہوا ماں کا عجب حال
چلائی کہ مرنے کو چلا ہائے مرا لال
فریاد ہے مجھ رانڈ کی کھیتی ہوئی پامال
پردیس میں چھوڑے چلی جاتی ہیں دلہن کو
اے بیبیو روکو۔ کوئی فرزند حسنؑ کو

واں پر سے کو زینب کے تھے جو جمع حرم سب
غل پڑ گیا اور قیامت ہوئی یہ اب
کبری کو رنڈاپے سے بچا لیجیو یارب
بیٹھا نہ گیا اٹھ کے لگی پیٹنے زینبؑ
بیٹی کے لئے غم سے موئی جاتی تھی بانوؑ
بچے کو لئے گود میں تھرائی تھی بانوؑ

سب خیمۂ قاسمؑ میں جو آئے بدلِ زار
دولھا نظر آیا انہیں باندھے ہوئے ہتھیار
رخصت ہوا مادر سے یہ کہہ کر وہ دل افگار
اس وقت رہیں آپ ذرا ان سے خبردار
جو بات مناسب ہو وہ سمجھائیو ان کو
لاش آئے جو میری تو نہ دکھلائیو ان کو

بس اتنے میں قدموں پہ گرا آن کے نوشاہ
کی عرض کہ مرنے کی رضا دیجئے للہ
لپٹا کے گلے سے اسے شبیرؑ نے کی آہ
فرمایا کہ رخصت ہے بڑا صدمۂ جانکاہ
پر خیر چچا بے کس و مجبور ہے بیٹا

جاؤ یہی اللہ کو منظور ہے بیٹا

دی رن کی رضا شاہ نے جب ابن حسن کو — اک عید ہوئی مرنے کی اس غنچہ دہن کو
شیرانہ چلا تیغ بکف خیمہ سے رن کو — اعدا نے کہا دیکھ کے اس رشک چمن کو
نور حسنی چہرۂ زیبا سے عیاں ہے
ہم شوکت و شان اسداللہ یہ جواں ہے

اتنے میں رجز پڑھنے لگا قاسم نوشاہ — آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ ہو آگاہ
دادا ہے ہمارا اسد اللہ ید اللہ — عمو ہیں حسین ابن علیؑ سید ذی جاہ
میں لخت دل فاطمہؑ کا لخت جگر ہوں
پانی میں جسے زہر دیا اس کا پسر ہوں

ہم صاحب شمشیر ہیں ہم شیر جری ہیں — ہم بندۂ مقبول ہیں عصیاں سے بری ہیں
دنیا سے کوئی دم میں عدم کو سفری ہیں — کیا سمجھیں وہ جو مست مئے بے خبری ہیں
دیوے گا خدا داد جو بے داد کرو گے
بھولے ہو ابھی تو۔ یہ بہت یاد کرو گے

جان دل زہرا کے عبث دشمن جاں ہو — کس سمت کو بہکے ہوئے پھرتے ہو کہاں ہو
افسوس کہ جو مصحف ناطق کی زباں ہو — سب پانی پئیں اور وہی تشنہ دہاں ہو
ہیں سینکڑوں تیغیں علم اک جان کی خاطر
دنیا میں یہی ہوتی ہے مہمان کی خاطر

قبضہ پہ اگر ابن علیؑ ہاتھ دھرے گا — دیکھیں گے کہ سینہ کو سپر کون کرے گا
اک دم میں یہ میدان ستم خوں سے بھریگا — جو تیغ سے بچ جائے گا دہشت سے مریگا

لشکر کو اُلٹ دیں گے انھیں غیظ جب آیا

تیغ اسد اللہ کھنچی اور غضب آیا

ان کا تو ہے کیا ذکر اگر حکم دغا دیں   واللہ غلام ان کے ابھی تم کو بھگا دیں

ضرب اسد اللہ کا اندازہ دکھا دیں   سو سو کے سر اک دم میں تنوں پر سے گرا دیں

اک ان میں سے میں آیا ہوں جرأت مری دیکھو

سن دیکھو مرا اور شجاعت مری دیکھو

کیا دیر ہے منہ پر مری شمشیر کے آؤ   دیکھوں تو بھلا کچھ ہنر جنگ دکھاؤ

بولا پسر سعد سواروں سے کہ جاؤ   ہاں قاسم نوشاہ کا سر کاٹ کے لاؤ

داماد کا دو داغ امام مدنی کو

ٹھنڈا کرو تیغوں سے چراغ حسنی کو

باتوں پہ نہ جاؤ سخن ان کے ہیں اثر دار   پیچھے نہ ہٹے پاؤں دم جنگ خبردار

پھل پائینگے اس سرو کے کاٹے سے تبردار   سر لائیگا جو اس کا کروں گا اُسے سردار

نیزوں سے جو بچ جائے تو شمشیر سے مارو

شمشیر نہ کھائے تو اسے تیر سے مارو

نوشاہ نے پائی تھی عجب ہمت عالی   حملہ کیا جس صف پہ وہ صف ہو گئی خالی

تلوار نے آفت سرِ کفار پہ ڈالی   لڑنے کے لئے تیغ و سپر جس نے سنبھالی

تلوار کا آنا ہوا ثابت نہ لعیں پر

دو ٹکڑے نظر آئے برابر سر زیں پر

اک حملہ میں آخر ہوئی پہلے صف اوّل   وہ ہاتھ چلے تھے کہ ادھر پڑ گئی ہلچل

اعدا کا گھٹا زور پھٹا ڈھالوں کا بادل سر کٹ گئے یہ برچھیوں والوں کو ملا پھل
بھالے سے جو بن مارے نہ دشمن کو پھری تھے
اک نیزہ بسران لوگوں کے کٹ کٹ کے گری تھی

سہمے یہ کماندار کہ رُخ جنگ سے پھیرا چلّائے کہ حلقہ میں ہمیں موت نے گھیرا
تھا غیظ سے نوشاہ کی آنکھوں میں اندھیرا نعرہ تھا کہ ہاں وار کوئی روکے تو میرا
میں دست بہ قبضہ ہوں وہ جانبازان کہاں ہیں
گوشوں سے تو نکلیں قدر انداز کہاں ہیں

تھا مضطر و حیراں پسر سعد ستم گر پیہم یہ خبر دار خبر دیتے تھے آ کر
سرداروں کے سر کٹ گئے پسپا ہوا لشکر دریا تلک آ پہنچا ہے نخت دل شبرؑ
اس شیر غضبناک کو ٹوکا نہیں جاتا
سب کہتے ہیں بجلی کو تو روکا نہیں جاتا

گھبرا کے کہا اس نے کہ ارزق کو بلا لا آیا وہ جفا کار سنبھالے ہوئے بھالا
بولا یہ عمر ہو گیا لشکر تہ و بالا گھوڑے کو مگر تولنے پر سے سینہ نکالا
جا کر کوئی اس صفدر و جرار کو مارے
نزدیک ہے آ کر کسی سردار کو مارے

آیا وہ ستم گار سجے اسلحہ تن پر شانے پہ کماں رُخ پہ جھلم فرق پہ مغفر
ترکش بھی دہن کھولے ہوئے صورت اژدر بر میں تو زرہ اور کمر نحر میں خنجر
کف غیظ سے منہ میں سخن سخت زباں پر
اک ہاتھ تو شمشیر پہ اور ایک عناں پر

چنگھاڑ کے رن میں صفت دیو پکارا — کس شخص نے بیٹوں کو مرے جان سے مارا
قاسم نے صدا دی کہ یہ ہے کام ہمارا — الفت ہے جو بیٹوں کی تو ہو معرکہ آرا
ان بازوؤں میں زور ہے خالق کے ولی کا
تو ازرق شامی ہے میں پوتا ہوں علیؑ کا

شبیرؑ نے ازرق کو جو آتے ہوئے دیکھا — بس بیٹھ گئے تھام کے ہاتھوں سے کلیجا
فرمایا بڑا قہر ہوا آہ کروں کیا — وہ دیو یہ کمزور وہ سیر اب یہ پیاسا
گرتا ہے فلک گود کے پالے ہیں ہمارے
اب پیچ پڑا گیسوؤں والے پہ ہمارے

یاں ہونے لگی قاسم و ازرق میں لڑائی — نیزوں کی چمک دیکھتی تھی ساری خدائی
ازرق کی تو کرتا تھا عمر مدح سرائی — اکبرؑ کا یہ نعرہ تھا کہ ہاں اے مرے بھائی
اب گھوڑے کی ٹاپوں تلے پامال ہو ازرق
تم شیر کے فرزند ہو کیا مال ہے ازرق

قاسمؑ کی طرف بڑھ کے لگا کہنے وہ بے پیر — مشہور ہے دست ملک الموت یہ شمشیر
خالی گئے گو نیزہ و گرز و تبر و تیر — اے طفل حسن اب نہ بچے گا کسی تدبیر
دو ٹکڑے کروں گا تجھے یکتائے جہاں ہوں
تو مور سے کمزور ہے میں پیل دماں ہوں

قاسمؑ نے کہا تول کے شمشیر دو دستی — ایک دم میں نہ یہ زور رہے گا نہ یہ مستی
پہنچائے گی دوزخ میں تجھے کفر پرستی — دیکھیں کسے ہو آج بلندی کسے پستی
حاکم جو ادھر ہے تو ادھر شاہ نجف ہے

شیطاں ترا حامی ہے خدا میری طرف ہے

بل کھا کے ستم گار نے غصہ سے کہا ہاں قاسمؑ نے کہا ہے یہی گو را ہے یہی میداں
بولا یہ اٹھا تیغ کو وہ دشمن ایماں لے وار مرا روک تو اسے کودک ناداں

تھی پاس سپر بھی پہ نہ اس وار کو روکا
نوشاہ نے تلوار کو تلوار پہ روکا

چمکا کے وہی تیغ جو دشمن کو بتائی ہٹنے کی بھی مہلت نہ ستم گار نے پائی
اک برق سی آنکھوں میں چمکتی نظر آئی ظالم نے سپر سر کے بچانے کو اٹھالی

احسنت کا غل فوج کے انبوہ سے اٹھا
معلوم ہوا ابر سیاہ کوہ سے اٹھا

یوں وار کیا سر پہ گئی تیغ سپر سے مغفر کو جو کاٹا تو بڑھی کاسۂ سر سے
بجلی سی چمک کر اِدھر آئی جو اُدھر سے گردن تھی جدا سینے سے اور سینہ کمر سے

کیا ہاتھ جفا کار کو نوشاہ نے مارا
تھا شور کہ مرحب کو ید اللہ نے مارا

بجلی سی اٹھی تنگ کے نیچے سے جو شمشیر للکار کے قاسمؑ نے کیا نعرۂ تکبیر
یاں خاک پہ سجدے کیلئے جھک گئی شبیرؑ شادی سے ہوا سرخ رُخِ اکبرؑ دلگیر

دی بڑھ کے صدا فوج کو عباسؑ علی نے
کیوں کیا ہوا اس وار کو روکا نہ کسی نے

سچ کہتے ہیں ہے شادی و غم خلق میں توام معلوم نہ تھا یہ کہ بچھے گی صفِ ماتم
دولھا پہ اُدھر ٹوٹ پڑا لشکرِ اظلم تیغوں میں گھرے برچھیاں چلنے لگیں پیہم

تیر آتے تھے سینہ پہ کلیجے پہ جبیں پر
کٹ کٹ کے گرے پیچ عمامے کے زمیں پر
زخموں کا لگا خون رکابوں سے ٹپکنے — طاقت گئی لڑنے کی لگا ہاتھ بہکنے
پانی کے لئے تن میں لگی روح پھڑکنے — مر مر کے سوئے خیمہ لگے یاس سے تکنے
سینہ پہ سناں گرز لگا کاسۂ سر پہ
تیور جو جھکے تھے کہ پڑی تیغ کمر پہ
اعدا کو بھگا کر جو لگے ڈھونڈھنے سرور — پامال ہوا قاسم نوشاہ سراسر
گودی کا پلا پاؤں رگڑتا تھا زمیں پہ — رو کر پسر فاطمہؑ نے پیٹ لیا سر
دیکھا جو حسنؑ کو تن صد پاش سے لپٹے
چلا کے حسینؑ ابن علیؑ لاش سے لپٹے
رو کر کہا صدقے ہو چچا منہ سے تو بولو — کیا حال ہے اے ماہ لقا منہ سے تو بولو
بیٹا میں تڑپتا ہوں ذرا منہ سے تو بولو — گر اٹھ نہیں سکتے تو بھلا منہ سے تو بولو
مادر کو بڑا داغ دیئے جاتے ہو قاسمؑ
بیٹی کو مری رانڈ کئے جاتے ہو قاسمؑ
یہ کہتے تھے جو موت کی ہچکی اُسے آئی — منہ کھول کے حضرت کو زباں خشک دکھائی
مخدومۂ عالم نے یہ آواز سنائی — میں ساغر کوثر ہوں ترے واسطے لائی
پی لے اسے اے لال کہ تر خشک گلا ہو
واری ترے سوکھے ہوئے ہونٹوں پہ فدا ہو
اک شور اٹھا ہائے غضب مر گئے قاسم — سب خون میں سر تا بقدم بھر گئے قاسم

شہ بولے کہ برباد نہیں کر گئے قاسمؑ پیاسے مرے گھر سے طلبِ کوثر گئے قاسمؑ

تو خیمہ میں لے جاؤ تم اس رشکِ چمن کو

شرم آتی ہے میں منہ نہ دکھاؤنگا دلہن کو

حضرت عباسؑ ابن علیؑ کی شہادت

عباس علیؑ گوہرِ دریائے شرف ہے سو لعل نہ پہنچیں جسے وہ دُرِّ نجف ہے

غازی کی وفاداری کا غل چار طرف ہے کیوں شیر نہ ہو شیرِ الٰہی کا خلف ہے

حقا کہ زمانے میں بہادر نہیں ایسا

اس سا نہ صدف ہے نہ صرح میں اک دُر نہیں ایسا

عباس سا لعل ہے نہ ہوگا کوئی زنہار اک جان دو قالب انھیں کہنا ہے سزاوار

دیکھا کبھی دنیا میں نہ یہ انس نہ یہ پیار قربان علمدار نثار شہِ ابرارؑ

مطلوب ہو اس طرح کا طالب ہو تو ایسا

صاحب ہو تو ایسا جو مصاحب ہو تو ایسا

زینبؑ سے یہ فرماتے تھے اکثر شہِ ذیجاہ یہ بھائی ہے بیٹوں سے زیادہ مجھے واللہ

ہے اس کی وفا سے دلِ شبیرؑ ہی آگا عباس نہیں ساتھ علی ہیں مرے ہمراہ

یہ پاس ہو گو اور کوئی پاس نہ ہووے

میں قالبِ بیجاں ہوں جو عباسؑ نہ ہووے

کیوں اہلِ عزا تم نے سنا بھائیوں کا پیار اب سبطِ پیمبر سے بچھڑتا ہے علمدار

قاسمؑ جو ہوا رن میں فدائے شہِ ابرارؑ عباسؑ دلاور نے سجے جنگ کے ہتھیار

سنتے ہی گرفتارِ الم ہو گئے شبیرؑ

ہاتھوں سے کمر تھام کے خم ہو گئے شبیرؑ

زینبؑ سے کہا لو بہن اب تن سے چلی جاں | عباسؑ دلاور کے بچھڑنے کا ہے ساماں
صدقے ہو بلا سے روکو کسی عنواں | مر جاؤں گا میں گر وہ سدھارے سوئے میداں
فرزند جدا ہو مرا بھائی نہ جدا ہو
جیتا ہے عباسؑ حسینؑ اس پہ فدا ہو

اس بھائی سے پہلے مجھے اللہ اٹھا لے | وہ میرے یتیموں کو مری طرح سے پالے
سجادؑ کو سمجھائے سکینہؑ کو سنبھالے | عباسؑ جنازہ مرا اس گھر سے نکالے
اس کو یہ خوشی ہے کہ پسر مجھ سے روئے
میں اس کو نہ روؤں وہ فلاں سب مجھے روئے

بابا کی نشانی ہے وہ اے زینبؑ دلگیر | عباسؑ کے ہونے سے قوی ہے دل شبیرؑ
ہاتھوں سے گنوا دوں اسے یہ بات کی تدبیر | رکھ دیتا ہے بالقصد کوئی اپنا تہہ شمشیر
دانستہ بھلا اپنا برا کرتا ہے کوئی
اس طرح سے عاشق کو جدا کرتا ہے کوئی

واں سے مرے لاشے کو اٹھا لائیگا پھر کون | ہمراہ جنازے کے گھر سے جائیگا پھر کون
بچے مرے روئیں گے تو بہلائیگا پھر کون | روضہ پہ نبیؐ کے تمہیں لیجائیگا پھر کون
اعدا کو میری روح کا بھی پاس نہ ہوگا
بربادی ہے اس گھر کی جو عباسؑ نہ ہوگا

فرما کے جو یہ بیٹھ گئے خاک پہ سرور | بیتابی شبیرؑ پہ زینبؑ ہوئی مضطر
فضہ سے یہ کہنے لگی اشک آنکھوں میں بھر کر | باہر ہیں کہ خیمہ میں ہیں عباسؑ دلاور

یاں بادشہ عرش نشیں خاک نشیں ہے
کیا بھائی کے رونیکی خبر ان کو نہیں ہے

بولی یہ سکینہ کہ سنو مجھ سے پھوپھی جان | تم بھی وہیں کرتے ہیں چچا کوچ کا ساماں
ہاتھوں سے چچی جان نہیں چھوٹتی داماں | وہ کہتے ہیں ہو رخصت دو مجھے شاہ مہقراں
اس فدیۂ سلطان دو عالم کو نہ روکو
ہم جوڑتے ہیں ہاتھوں کو اب ہم کو نہ روکو

کہتی ہیں چچی قدموں پہ سر رکھ کے چچا کے | صاحب میں تمہیں واسطے دیتی ہوں خدا کے
فرزند بلکتے ہیں مرے اشک بہا کے | تم پیار بھی کرتے نہیں چھاتی سے لگا کے
رونے کا نہ غم ان کے نہ رخصت کی خوشی ہے
اللہ تمہیں ایسی شہادت کی خوشی ہے

ہے ہے تمہیں کچھ میری تباہی کا نہیں غم | منظور یہ ہے قید میں سر ننگے پھریں ہم
فرماتے ہیں وہ دعویٰ ان کسی کا نہیں اس دم | بچے بھی فدا ہم بھی نثار شہ عالم
رونا نہ وصیت یہ کیے جاتا ہوں تم کو
بانو کی کنیزی میں دیے جاتا ہوں تم کو

یہ سن کے جو میں رونے لگی اشک بہا کر | فرمایا چچا نے مجھے چھاتی سے لگا کر
اب پانی پلاتے ہیں تمہیں نہر سے لا کر | تم مشک کوئی چھوٹی سی لے آؤ تو جا کر
یہ حال یہاں کا مرے آقا سے نہ کہنا
روتی ہیں چچی یہ شہ والا سے نہ کہنا

زینب کو سکینہ نے خبر جب یہ سنائی | تب بولی بہن طلب نہ دے کے گلا بھر آیا

بیٹی سے کہا مشک جو تم سے ہے منگائی — واللہ سکینہ یہ ہے پیغام جدائی
بے وجہ تو مشکیزہ کو جاتی نہیں مانگا
تم نے تو چچا سے کہیں پانی نہیں مانگا

اس پردہ میں بی بی انھیں منظور ہے مرنا — منت سے انھیں روکیو سر پاؤں پہ دھرنا
الفت ہے تو پانی کا سوال ان سے نہ کرنا — دشوار ہے بے خوں میں بھرے مشک کا بھرنا
پانی کے لئے ہاتھ سے کھوؤ گی چچا کو
دریا پہ جو بھیجو گی تو روؤ گی چچا کو

گھبرا کے یہ کہنے لگی حضرت سے وہ ناداں — سچ کہتے ہو بابا مجھے کچھ اس کا نہ تھا دھیان
سنتے ہیں وہاں ہوتا ہے کچھ اور ہی ساماں — اب مجھ پہ کھلا مرنے کو جاتے ہیں چچا جاں
بے روکے ہوئے ان کے اب آب نہ لونگی
مر جاؤں گی پانی کا مگر نام نہ لوں گی

بس اتنے میں عباسؑ دلاور نظر آئے — چار آئینہ پہنے ہوئے ہتھیار لگائے
کچھ سوچ کے زینبؑ نے قدم جلد بڑھائے — فرمایا کہ صدقہ بہن اس آنے کے جائے
جو کہنے کو آئے ہو وہ ہمشیر سے کہنا
مر جائیں گے رخصت کو نہ شبیر سے کہنا

بھائی ہے مرا بے وطن و بیکس و بے آس — تم ان کو رلاؤ تمہیں لازم نہیں عباسؑ
سو طرح کے اندیشے ہیں سو طرح کے وسواس — جب تم نہ رہے پاس تو جینا ہوا بے آس
بے مونس و یاور پسر شاہ نجف ہے
منصف ہو تمہی بھائی میرا حق بطرف ہے

قوت تم ہی ان کی تم ہی شوکت تم ہی اقبال — بچھڑو گے تو جینے کا نہیں فاطمہؑ کا لال
تو ان کے دیکھو تو برادر کا ذرا حال — کس درد سے روتے ہیں دھرے آنکھوں پہ رومال

کہتے ہیں کہ ساتھ اس کے ہمارا بھی سفر ہے
بہنا مجھے عباسؑ کے مر جانے کا ڈر ہے

عباسؑ بھی رونے لگے زینبؑ سے یہ سن کر — اور دستِ ادب باندھ کے قدموں پہ رکھا سر
کی عرض کہ اے وارث ذریت حیدرؑ — حضرت کو سمجھتا ہوں میں زہراؑ کے برابر

اس رنج و مصیبت سے رہائی مری کیجئے
اے بنت علیؑ عقدہ کشائی مری کیجئے

اب جینے سے بیزار ہے دنیا میں مرا دل — گر آپ مدد کیجئے تو آساں ہو یہ مشکل
ساتھی تو ہوئے سب چمن خلد میں داخل — دن ڈھلتا ہے کھوٹی نہ کہیں ہو مری منزل

آداب تو مانع ہے پہ دل رہ نہیں سکتا
میں قافلہ سالار سے کچھ کہہ نہیں سکتا

بھائی نہ کہو میں ہوں غلام آپ کا ہمشیر — وہ کیجیے کہ رخصت پہ رضا مند ہوں شبیرؑ
مر جانے میں ہے آج مری عزت و توقیر — شبیرؑ کے بدلے مری چھاتی پہ لگیں تیر

کوشش کرو اپنے جد امجد کا تصدق
دلوا دو رضا عونؑ و محمدؑ کا تصدق

عباسؑ کا منہ دیکھ کے زینبؑ نے کہا لو — سمجھاتی تھی میں ان کو یہ سمجھاتے ہیں مجھ کو
شبیرؑ تو روتے ہیں یہ کہتے ہیں رضا دو — کس کی کہوں کس کی نہ کہوں کیا کروں لوگو

بے ہے نظر آتی ہے تباہی مجھے گھر کی

اماں کی وہ دولت یہ کمائی ہے پدر کی

تلواروں میں اس لوٹے ہوئے گھر کو سنبھالوں　　یا ہاتھوں سے اپنے دل مضطر کو سنبھالوں
بہلاؤں سکینہؑ کو کہ اصغرؑ کو سنبھالوں　　عباسؑ کو یاد کروں کہ برادر کو سنبھالوں

جان ان میں لگی ہے مرا دل اک طرف ہے
وہ لال ہے زہراؑ کا تو یہ دُرِّ نجف ہے

لے چلنے کو کہتے ہو تو آؤ مرے ہمراہ　　جوڑے ہوئے ہاتھوں کو چلا ابن ید اللہ
زانو پہ جھکائے ہوئے سر اٹھے شاہ　　قدموں پہ گرا سبط پیمبرؐ کے وہ ذیجاہ

شہ نے کہا کیا کہتے ہو فرماؤ برادر
اٹھ کر مری چھاتی سے لپٹ جاؤ برادر

ان ہاتھوں کو جوڑے ہوئے آنکھیں ہیں تصدق　　سر خم ہے قدموں پہ جھکانے کے ہیں صدقے
کیوں روتے ہو اشکوں کے بہانے میں صدقے　　باندھے گئے تصدق ترے شانے کے ہیں صدقے

بھائی یہ تری گل بدنی بھاتی ہے مجھکو
وہ صورت گریاں کی آجاتی ہے مجھ کو

منزل کے قریب پاس لگا کہنے علمدار　　ہیں آپ سخی ابن سخی یا شہ ابرار
سائل کوئی پھر جائے یہ ایسی نہیں سرکار　　خادم بھی ہے مرجانے کی رخصت کا طلبگار

جب تک نہ رضا آپکی نہ میں پاؤں گا آقا
اس سر کو نہ ان قدموں سے سرکاؤں گا آقا

شہ بولے مرے سر کی قسم سر تو اٹھاؤ　　کیوں روتے ہو کب میں کہا یہ کہ نہ جاؤ
اچھا مرے غم کھانے کا کچھ دھیان نہ لاؤ　　فاقے کئے ہیں تین دن اب برچھیاں کھاؤ

قرباں تمہیں ہونے کو بنایا ہے خدا نے

شبیرؑ کو رونے کو بنایا ہے قضا نے

روتے ہوئے قدموں سے اٹھے حضرت عباسؑ — اور گرد پھرے سبطِ پیمبرؐ کے بصد یاس

فرمایا سکینہؑ سے کہ اب کچھ نہیں وسواس — کیوں مشک چھپا رکھی ہے لاؤ مرے پاس

اب نہر بھی نزدیک ہے کوثر بھی قریں ہے

بولی یہ سکینہؑ کہ مجھے پیاس نہیں ہے

منہ تکنے لگی شاہ کا یہ کہہ کے وہ خوش خو — حضرت سے یہ کہا جاؤ انھیں مشک بھی لا دو

لشکر کا علمدار تو ہم کر چکے ان کو — اب مرتبہ بھی پیاسوں کی سقائی کا بخشو

جعفرؑ سے دوبالا ہوا رتبہ ترے عم کا

اب حشر تلک ساتھ رہا مشک و علم کا

مشکیزہ کو لے آئی سکینہؑ جگر افگار — غازی نے تھا سے لے کے بھتیجی کو کیا پیار

خیمہ میں بپا غل کہ چلا شاہ کا غمخوار — غش کھا کے گری زوجۂ عباسؑ علمدار

ہاتھوں سے اُسے تھام کے دل سب نے سنبھالا

شہؑ اٹھ کے جو گرنے لگے زینبؑ نے سنبھالا

خیمے سے برآمد ہوئے ابنِ شہِ مرداں — گھوڑے پہ چڑھا ہاتھ سے گریاں کو دیا ہاں

اک نورِ خدا پھیل گیا تا سرِ میداں — ذرات زمیں ہو گئے خورشید درخشاں

موسیٰؑ نے بھی دیکھا تھا نہ اس نور کا جلوہ

ہر نخل میں تھا ہاں شجرِ طور کا جلوہ

میداں میں جو آیا پسرِ ضیغم یزداں — دریا پہ لعیں کا لشکر ہوا دہشت سی پریشاں

نعرہ جو غضنفر نے لگایا شہ مرداں　　تھرا گئے دل گونج گیا قتل کا میداں

غل پڑ گیا لو شیر خدا نعرہ زن آئے

گھوڑوں کو بھگاؤ شہ خیبر شکن آئے

اعدا کے سخن سن کے علمدار پکارا　　حیدر نہیں ہم حیدر صفدر کا ہوں پیارا

تم جس کے ثنا خواں ہو وہ بابا ہے ہمارا　　ہم آئے ہیں اب نہر سے کر جاؤ کنارا

لاکھوں کو بھگا دیتا ہوں یہ کام ہے میرا

عباسؑ غلام شہ دیں نام ہے میرا

یہ سنتے ہی ہتھیار لعینوں نے سنبھالے　　تلواریں علم ہو گئیں سیدھے ہوئے بھالے

چمکاتے ہوئے ڈنڈ بڑھے برچھیوں والے　　گھر آئے تھے تنہا کے سواروں کے رسالے

گردوں پہ پہنچتی تھی صدا طبل دغا کی

فریاد گئی عرش پہ شاہ شہدا کی

یاں فوج پہ تلوار علمدار نے کھینچی　　واں آہ حزیں سید ابرار نے کھینچی

تصویر اجل آنکھوں میں تلوار نے کھینچی　　گھوڑے کی عناں ڈر کے ہر اسوار نے کھینچی

سر پر ابھی پہنچی تھی نہ بیداد گروں کے

ہاتھوں سے گرے چھٹ کے گردے سپروں کے

میداں میں پڑے لوٹتے تھے سر تہ و بالا　　یوں ماہی بے تاب تھے پیکر تہ و بالا

اسوار تھے گھوڑوں کے برابر تہ و بالا　　اک تیغ سے تھا شام کا لشکر تہ و بالا

ملعونوں کے ہتھیار ابھی ناکارہ ہوئے تھے

چار آئینہ و جامہ بھی صد پارہ ہوئے تھے

ترائی سے جب شام کے بادل کو ہٹایا　　عباس علمدار کو دریا نظر آیا
منہ کر کے سوئے چرخ کہا شکر خدایا　　یاں تک تو ترا فضل سلامت مجھے لایا
غم ہے کہ نہ واں پیاس سے بچے کہیں جائیں
اب پانی جو مل جائے تو سب کام سنور جائیں

یہ کہہ کے گئے نہر میں عباس خوش اطوار　　آقا کو بھی پانی کو بھی تکنے لگا رہوار
جب بھر چکے مشکیزہ تو گھوڑے کو یہ کی گفتار　　گر میں ہوں وفادار تو تو بھی ہے وفادار
شرمندگی ہووے گی بڑی پیاس بجھا کے
بچے ابھی پیاسے ہیں امام دوسرا کے

دریا سے چلا بحر شجاعت کا شناور　　گویا فقط چرخ سے نکلا شہ خاور
غل پڑ گیا لو پیاسوں کی قسمت ہوئی یاور　　ہاں مشک کو لیجانے نہ پاوے یہ دلاور
لڑنے کو تو آئی میں ہر جنگ تا ہے رو کو
دریائے شجاعت کا نہنگ آتا ہے رو کو

دریا میں صفیں برچھیوں والوں کی ہو آئیں　　نیزوں کی بھی نوکیں کئی بالائے سر آئیں
تیغوں کی جو موجیں سر ساحل نظر آئیں　　پیاسوں کے لئے آنکھیں حبابوں کی بھر آئیں
غل مچھلیوں میں تھا کہ یہ آجائے جو ہم میں
یونسؑ کی طرح اس کو چھپا رکھیں شکم میں

غازی نے کیا پاؤں سے تازی کو اشارہ　　دریا سے بھرا شبل غوال اس نے طرارہ
پانی میں جو اترے تھے انھیں تیر سے مارا　　جو گھاٹ پہ تھے تیغ کے گھاٹ ان کو اتارا
بجلی سی گری لشکر سفاک کے اوپر

لاشے تو گرے نہر میں سفاک کے اوپر

پھر نہر سے گھوڑے کو اڑاتے ہوئے نکلے
کس شان سے نیزہ کو ہلاتے ہوئے نکلے
مشکیزے کو تیروں سے بچاتے ہوئے نکلے
تلوار سے اعدا کو ہٹاتے ہوئے نکلے
نرغے میں جب اس ابن حسن پہ نظر تھی
سر پہ اجل آ پہونچی ہے اس کی نہ خبر تھی

گھیرے ہوئے تھے تیس ہزار آہ کماندار
سینہ پہ تھا جس طرح یہ تھی تیروں کی بوچھار
تیروں کو جو کاٹا تو چلے برچھیوں کے وار
جاتے تھے جدھر پھرتی تھی تلوار پہ تلوار
سینہ کی نہ گردن کی نہ شانے کی خبر تھی
ہوش اپنا نہ تھا مشک بچانے کی خبر تھی

افسوس بر آئی نہ تمنائے علمدار
مشکیزہ پہ اک تیر لگا شانہ پہ تلوار
اس ہاتھ سے اس ہاتھ میں لی تیغ شرربار
اعدا کو پکارے کہ نہ سمجھو مجھے بے کار
پنجہ مرا تلوار پکڑنے کو بہت ہے
ہمت ہو تو یہ ہاتھ بھی لڑنے کو بہت ہے

اک ہاتھ گر اک کٹ گیا تو پروا نہیں کیا ہے
وہ شیر ہوں میں جس کا پدر دست خدا ہے
آقا مرا فرزند رسول دوسرا ہے
یہ ہاتھ ہے کیا جان تلک ان پہ فدا ہے
روح اسد اللہ کو میں شاد کروں گا
آقا کی اسی ہاتھ سے امداد کروں گا

فرما کے یہ جھپٹا اسد اللہ کا پیارا
رہوار کا لشکر تہہ و بالا ہوا سارا
بہتوں کو اسی ہاتھ سے اس شیر نے مارا
زخمی پہ مگر ٹوٹ پڑے سب ستم آرا

سقائے سکینہ پہ ستم ہو گیا ہے ہے
وہ ہاتھ ہی شانے سے قلم ہو گیا ہے ہے

چلائے کہ تشریف ادھر لائیے آقا
مشتاق کو دیدار دکھا جائیے آقا

الطاف و کرم بندہ پہ فرمائیے آقا
اب گھوڑے سے گرتا ہے غلام آئیے آقا

باتیں کئی کہنی ہیں یہ فدوی انہیں کہہ جائے
مرتے ہوئے حسرت نہ ملاقات کی رہ جائے

بھائی کی صدا سن کے تڑپنے لگی شبیرؑ
چلا کے کہا ہائے کلیجہ پہ لگا تیر

دوڑی گئی ڈیوڑھی کی طرف زینبؑ دلگیر
غل پڑ گیا ہے ہے اسداللہ کی تصویر

سب قافلہ رانڈوں کا کھلے سر نکل آیا
عباسؑ کا فرزند بھی باہر نکل آیا

زینبؑ نے کہا ساتھ لئے جاؤ مجھے بھی
تصویر علمدار کی دکھلاؤ مجھے بھی

چلائی سکینہؑ وہیں پہنچاؤ مجھے بھی
دریا کی کدھر راہ ہے بتلاؤ مجھے بھی

بیتاب ہوں چھاتی سے لپٹ جاؤنگی جا کر
میں اپنے چچا جان کو لے آؤں گی جا کر

واں لاش پہ شہ خاک اُڑاتے ہوئے پہنچے
کفار کے لشکر کو ہٹاتے ہوئے پہنچے

آنسو رُخ انور پہ بہاتے ہوئے پہنچے
پہنچے تو مگر ٹھوکریں کھاتے ہوئے پہنچے

چلائے کہ جانی ہے مری جان برادر
چھاتی سے لپٹ جا ترے قربان برادر

بھائی کی صدا سن کے اسے ہوش جو آیا
اُٹھ کر قدم شاہ پہ سر اپنا جھکایا

نعلین پہ منہ رکھ کے یہ آقا کو سنایا گو ہاتھ مرے کٹ گئے حضرت کو تو پایا

سر ہوئے گا آغوش شہ کون و مکاں میں

اس طرح کا مرنا کسے ملتا ہے جہاں میں

یہ کہتے ہی عباس علمدار سدھارے چلائے شہ دیں مرے غمخوار سدھارے

بیکس کے مسافر کے مددگار سدھارے دنیا سے مرے جعفر طیار سدھارے

چھوڑا ہمیں کیا جلد سفر کر گئے بھائی

تم چھوٹ گئے رنج سے ہم مر گئے بھائی

حضرت علی اکبرؑ ابن امام حسینؑ کی شہادت

جب غازیان فوج خدا نام کر گئے لاکھوں سے تشنہ کام لڑے کام کر گئے

امت کی مغفرت کا سر انجام کر گئے فیض اپنا مثل ابر کرم عام کر گئے

پڑھتے ہیں سب درود جو ذکر ان کا کرتے ہیں

ایسے بشر وہ تھے کہ ملک جن کو روتے ہیں

گل ہو گئے عقیلؑ کی تربت کے جب چراغ جعفر کے لاڈلوں نے دیئے شہ کے دل کو داغ

ماتم سے بھانجوں کے ہوا تھا نہ انفراغ پامال ہو گیا حسنؑ مجتبےٰ کا باغ

لاشے اٹھائے جنگ کرے یا بکا کرے

جس پر گریں یہ کوہ مصیبت وہ کیا کرے

صدمہ یہ تھا کہ لٹنے لگی دولت پدر نکلے نبرد کو اسد اللہ کے پسر

مارے گئے جہان میں جس دم وہ شیر نر رخصت ہوئے حسینؑ سے عباس نامور

دریا بہے لہو کے بڑا کشت و خوں ہوا

ڈھلتی تھی دوپہر کہ علم سرنگوں ہوا

ماتم ادھر تھا جشن میں تھے اہلِ شر ادھر — بجتے تھے شادیانہ بفتح و ظفر ادھر
انعام بانٹتا تھا ہر اک کو عمر ادھر — روتے تھے دیکھ دیکھ کے حضرت اِدھر اُدھر

غل تھا کہ بس حسین بہت روئے بھائی کو
کوئی جواں ہوا اور تو بھیجو لڑائی کو

باقی نہیں کوئی تو دغا کو خود آیئے — جنگ کی ذوالفقار کے جوہر دکھایئے
زخمِ سنان و خنجر و شمشیر کھایئے — گرمی بڑی ہے آج لہو میں نہایئے

آمادہ ہم تو دیر سے بہرِ ستیز ہیں
تیغیں بھی ہیں رُکی ہوئی خنجر بھی تیز ہیں

صابر بڑے ہیں آپ تو یا شاہ انس و جاں — اک بھائی کے فراق میں یہ نالہ و فغاں
رونے سے جی اُٹھیں گے نہ عباس نوجواں — حضرت پکارتے ہیں کیسے بھائی اب کہاں

ملتا ہے کب جہاں میں بھلا جو گذر گیا
اب فکر اپنی کیجیئے وہ شیر مر گیا

اکبر نے کی غضب کی نظر سوئے فوجِ شام — کانپے یہ غیظ میں کہ اوگلنے لگی حسام
کی عرض ہاتھ جوڑ کے اے قبلۂ انام — سنتے ہیں آپ لشکرِ اعدا کے یہ کلام

خوں تن میں جوش کھاتا ہی ہنگامِ جنگ ہے
آقا بس اب تو حوصلۂ صبر تنگ ہے

اُن کے کلام سننے کی کس کے جگر میں تاب — خادم زبانِ تیغ سے دیگا انھیں جواب
کیا اپنے دل میں سمجھے ہیں یہ خانماں خراب — نعرہ کروں تو شیر کا زہرہ ہو آب آب

آداب شاہ سے نہیں ہم بول سکتے ہیں
زخم جگر پہ اب تو نمک یہ چھڑکتے ہیں

عموؑ کو قتل کر کے بہت ہو گئے ہیں شیر — ان ظالموں کے زعم میں اب ہے نہیں دلیر
معلوم ہوگا لاشوں کے جب بن میں لگیں گے ڈھیر — دیکھیں تو کون اب ہے زبردست کون زیر
مجمع ہوا ہے ادھر ہمیں تنہا سمجھتے ہیں
اچھا یوں ہی سہی ہم انھیں کیا سمجھتے ہیں

ہم کو یہ طعن طنز کی باتیں نہیں پسند — کوفے میں لیں گے دم جو اٹھائینگے بھر سند
ہنستے ہیں یہ غم سے اپنے یہاں جان درد مند — کاٹیں یا تبر سے تیغ سے خنجر سے بند بند
ہنس ہنس کے جسم پر تو سو تیر کھائیں گے
تیغ زباں کے زخم اٹھائے نہ جائیں گے

بے چین دیکھنے لگے بیٹے کے منہ کو شاہ — فرمایا خیر کہنے دو کہتے ہیں رو سیاہ
کیوں کانپتے ہو غیظ سے اے میرے رشک ماہ — لازم ہے صبر و شکر کہ راضی رہے اللہ
غصہ اسی طرح اگر آئیگا آپ کو
خنجر تلے یہ کس طرح دیکھو گے باپ کو

بابا نہ ہو یہیں سر شبیرؑ کی قسم — لڑنے میں جاؤں خیر سمجھ لیں گے ان سے ہم
دیکھو نہیں کہ بھائی کے بازو ہوئے قلم — تلوار دل پہ چل گئی مارا نہ ہم نے دم
سب جل کے خاک ہو گئے ہم بھی یہ دعا کرو
ہمت نہیں ہے پھر صبر کیا کروں

یہ سن کے نبضِ ہو گئے ہم شکل مصطفیٰ — رو کر کہا یہ کہتے ہیں ارشاد آپ کیا

وہ وقت وہ گھڑی نہ دکھلائے ہمیں خدا　　بابا نہ ہو تو بیٹے کے جینے کا کیا مزا
آمادۂ قضا ہیں خوشی دل سے فوت ہے
پھر خضر کی حیات ملی گر تو موت ہے

یہ کہہ کے اٹھ کھڑے ہوئے سلطانِ بحر و بر　　پٹکے سے باندھنے لگے ٹوٹی ہوئی کمر
قدموں پہ گر پڑے علی اکبر بچشمِ تر　　کی عرض رحم کیجیے مر جائے گا پسر
آگے مرے جو ہو گی شہادت امام کی
دنیا میں آبرو نہ رہے گی غلام کی

چھوٹے تھے جو کہ سن میں بڑے کر گئے وہ کام　　یا شاہ کیا لڑائی کے قابل نہیں غلام
عمو کے خوں کا لیں گے لعینوں سے انتقام　　ہم نے بھی تیغ باندھی ہے بچپن سے یا امام
عزت ملی ہے خلق میں صدقے سے آپ کے
بیٹا وہی جو رنج میں کام آئے باپ کے

انصاف آپ کیجیے یا سرورِ عرب　　بیٹا تو گھر میں بیٹھا رہے باپ تشنہ لب
مارا گیا نہ آج تو کل یہ کہیں گے سب　　کیا بے حیا سفیہ تھا دنیا کا تھا طلب
سر کو کٹا کے باپ جہاں سے گذر گئے
بیٹا جوان باپ کے آگے نہ مر گیا

بہرِ رسول رن کی رضا دیجیے مجھے　　صدقہ علیؑ کا اذنِ وغا دیجیے مجھے
مرتا ہوں یا امام جِلا دیجیے مجھے　　یادِ خدا میں دل سے بھلا دیجیے مجھے
لکھوں میں گر حضور تو دل کو قرار ہو
کہہ دیجیے کہ جا علی اکبر نثار ہو

شہ نے کہا تمہیں مرے دل کی نہیں خبر — پیارے کہاں سے لاؤں میں اس طرح کا جگر
ہے باپ کو عصائے ضعیفی جواں پسر — جب تم نہ ہوگے پاس تو مر جائے گا پدر
ایسے ہنسے نہ تھے کہ ہمیں تم رُلاتے ہو
شادی کے دن جو آئے تو مرنے کو جاتے ہو

دیتا اگر تمہیں کوئی فرزند ذوالجلال — ہوتی پدر کی قدر سمجھتے ہمارا حال
رخصت کا آپ سے یوں ہی کرتا وہ جب سوال — تب جانتے کہ دیتے اُسے رخصت جدال
کیا جانتے وہ مزہ جسے اس کا ملا نہیں
اچھا سدھارو تم سے ہمیں کچھ گلا نہیں

تسلیم کر کے بولے علی اکبر غیور — لاکھوں برس جہاں میں سلامت رہیں حضور
فرمایا شہ نے خیر اجل بھی نہیں ہے دور — برچھی لگا کے دل پہ خوشامد یہ کیا ضرور
تقریر میں بھلا کوئی اب بند کیجیے
خیمہ میں جا کے ماں کو رضامند کیجیے

روتے ہوئے چلے علی اکبر سوئے خیام — کانپا یہ دل کہ بیٹھ گئے خاک پر امام
روتا ہوا جو ڈیوڑھی سے آیا وہ نیک نام — دوڑی پسر کو دیکھ کے بانوئے تشنہ کام
دامن سے آ کے بالی سکینہؑ چمٹ گئی
زینبؑ بلائیں لے کے گلے سے لپٹ گئی

ماں گرد پھر کے بولی کہ اے میرے گلعذار — تم صبح سے گئے تھے اب آئے ہو ماں نثار
در پر تڑپ تڑپ کے میں جاتی تھی بار بار — گھبرائی اب کہ مرا دل ہے بے قرار
گرمی ہے اور قحط کئی دن سے آب کا

رخ تمتما گیا ہے مرے آفتاب کا

صغراؑ کی تو وطن سے کچھ آئی نہیں خبر — جلدی کہو کہ منہ سے نکلتا ہے آب جگر
اکبرؑ نے عرض کی کہ ہیں سب خیر سے مگر — لٹتا ہے لوٹی آن میں خیر النساؑ کا گھر
ملتی نہیں رضا ہمیں آنسو بہاتے ہیں
بابا گلا کٹانے کو میداں میں جاتے ہیں

اس وقت کس سے درد دل اپنا کہوں ہائے — تم بھی ہو سیدرا پھوپی بھی ہیں ستمدیدہ
چھائی ہے واں گھٹا کی طرح شام کی سپاہ — اللہ مدد کرو کہ کمر باندھتے ہیں شاہ
اب زندگی ہے تلخ بہت تنگ جان سے
الفت نے آپ کی ہمیں کھویا جہاں سے

دیتے نہیں رضا جو امام فلک اساس — خاطر فقط ہے آپ کی ہے اور پھوپی کا پاس
اب غیر پاس کوئی نہیں ان کے کس کے پاس — ناطاقتی ہے ضعف ہے فاقہ ہے اور پیاس
کیونکر لڑیں گے وہ کہ سراپا ضعیف ہیں
پیری ہے دل ضعیف ہے اعضا ضعیف ہیں

ابا کا حکم ہے کہ رضا جلد ان سے لاؤ — راضی پھوپی ہوں جب تو لڑو اور زخم کھاؤ
مرضی ہے آپ کی کہ مرے پاس سے نہ جاؤ — یا فاطمہؑ تمہی علی اکبرؑ کے کام آؤ
چلنے لگے ہیں تیر شہ مشرقین پر
نرغہ ہے ظالموں کا تمہارے حسینؑ پر

دیکھی گئی نہ ماں سے یہ بیتابی پسر — وارث کی بے کسی پہ لگا کانپنے جگر
ہاتھوں سے دل کو تھام کے بولی وہ نوحہ گر — دولت پہ فاطمہؑ کے تصدق تمام گھر

پہلے نہ کچھ کہا تھا نہ اب روکتی ہوں میں
روتے ہو کس لیے تمہیں کب روکتی ہوں میں

مجھ پر حوالہ کرتے ہیں گر شاہ خوش خصال
رخصت نہ تم کو دوں یہ بھلا ہے مری مجال

صدقہ کہیں کا ہے کہ ملا تم سا نونہال
تم بچ رہیں صدقہ جائے پھوپھی سمجھو سوالی

ہم سب کنیزیں بنتِ امیرِ عرب کی ہیں
اصغرؑ جو پایا کہ تم وہی مختار سب کی ہیں

روتے ہوئے گئے علی اکبرؑ پھوپھی کے پاس
دیکھا کہ غش پڑی ہیں رہیں پھر وہ حق شناس

زانو پہ سر لیے ہوئے گھبری ہے بے حواس
اس حال میں بھی لب پہ یہی ہے کلام یاس

اے ہائے اب یہ طاقت جسد و روح بدل گئی
کیوں ساجو رضا علی اکبرؑ کو مل گئی

لب پر ہمارے ابھی تو یہاں سے کچھ کلام
بھائی نے کیوں لیا تھا ابھی ہو گئے میرا نام

سینے پہ ہاتھ کو رکھ کے یہ بولا وہ لالہ فام
آنکھیں تو آپ کھولیے حاضر ہے یہ غلام

وہ ادھر چیدا نہ تھا شہر گود دوں سر یہ ہے
کس رحم پر خفا ہیں حقیر سے

کیا ہے قصور مجھ سے یہ غصہ ہے یہ عتاب
کرتا ہوں بات میں تو کوئی ہے مرضی جناب

روتا ہوں اب کہ صبر کی مجھ کو نہیں ہے تاب
شکوہ یہ خاکسار کا ہے اے بنتِ بوترابؑ

ہر دکھ میں ہر بلا میں مددگار آپ ہیں
پالا ہے مجھ کو مالک و مختار آپ ہیں

مرضی تو ہو تو ان کو کبھی جائے نہ یہ غلام
بندے ہیں ہم اطاعت مالک ہے ہم کو کام

تکرار کی مجال نہ اصرار کا مقام — مرتے اگر تو اس میں بھی تھا آپ ہی کا نام
روتی ہیں آپ کس لئے اچھا نہ جائیں گے
پر یاد رکھیے منہ نہ کسی کو دکھائیں گے

یہ کہہ کے جھک گیا جو قدم پہ وہ ذی وقار — بس ہو گئیں محبت قلبی سے بے قرار
پھیلا کے دونوں ہاتھوں کو اٹھیں بحال زار — شکوہ کے بدلے منہ سے یہ نکلا کہ میں نثار
اُمڈا یہ دل کہ چشم کے ساغر چھلک پڑے
دیکھا جو آفتاب کو آنسو ٹپک پڑے

لے کر بلائیں بولیں کہ واری خفا نہ ہو — صدقہ ہو تم پہ جان ہماری خفا نہ ہو
باتیں تھیں یہ تو پیار کی ساری خفا نہ ہو — روتے ہو کیوں منگاؤں سواری خفا نہ ہو
آئے بلا حسینؑ پہ جو اس کو رد کرو
اچھا سدھارو دو گھڑی میں پدر کی مدد کرو

تسلیم کر کے خیمہ سے وہ سیم بر چلا — پیچھے حرم کا قافلہ سب ننگے سر چلا
بانو پکارتی تھی کہ بیٹا رالپسر چلا — چلاتی تھی پھوپھی مرا لخت جگر چلا
کٹتے ہیں اہل بیت دہائی امام کی
تصویر گھر سے جاتی ہے خیر الانام کی

نکلا حرم سرا سے جو وہ نور حق کا نور — خادم نے دی صدا کہ برآمد ہوئے حضور
حضرت کھڑے تھے خیمہ کی ڈیوڑھی سے کچھ ہی دور — دست ادب کو جوڑ کے بولا وہ ذی شعور
رخصت ہوں اب جو حکم شہ نامدار ہو
رو کر کہا حسینؑ نے اچھا سوار ہو

گھوڑے پہ شاہزادۂ عالم ہوا سوار — گویا چلے جہاد کو محبوبِ کردگار
تھا ثانیِ براق فلک سیر راہوار — صرصر سے تند و تیز تو بجلی سے بے قرار

یوں سامنے سے وہ مہِ جولاں نکل گیا
گویا ہوا پہ تختِ سلیماں نکل گیا

یہ ذکر تھا کہ نورِ حسن جلوہ گر ہوا — گویا رسولِ پاک کا رن میں گذر ہوا
چلائے اہلِ شام کو طالع قمر ہوا — ہنگامِ ظہر تھا پہ گمان سحر ہوا

جلوہ دکھایا برقِ تجلی نے طور سے
خورشید کو چھپا دیا چہرے کے نور سے

کچھ عمر بھی نہیں ہے ابھی اٹھارواں ہی سال — یہ باغِ گل بہار میں ہو تلے پائمال
حالت ہے یہ کہ سروِ گلستاں ہے اعتدال — ماں باپ دیکھ دیکھ کے کیونکر نہ ہوں نہال

آنکھوں کے سامنے جو یہ غارت نہ ہوئیگی
لیلاؑ ماں کے دل پہ قیامت نہ ہوئیگی

ناگاہ فوجِ کیں سے عمر نے کیا کلام — یہ وقت کار زار ہے اے ساکنانِ شام
بس ہے یہی بساطِ شہنشاہِ خاص و عام — مارا گیا یہ شیر تو مر جائیں گے امام

لوٹو جنابِ فاطمہ زہراؑ کے باغ کو
ٹھنڈا کرو حسینؑ کے گھر کے چراغ کو

کُل فاریہ نہ اس کی جوانی کا غم کرو — نیزے پہ نیزے مار کے ستم پر ستم کرو
برچھی اٹھاؤ ہاتھوں میں تیغیں علم کرو — نخلِ مرادِ سبطِ نبی کو قلم کرو

بچ گیا یہ جب رہا تو کدھر جائیں گے حسینؑ

گھوڑے سے یہ گریگا تو مر جائیں گے حسینؑ

یہ سُن کے فوج کیں ہوئی آمادہ نبرد صدمہ دلِ حسینؑ کا تھا ایک گونہ درد
غل سُن کے ہو گیا شہ والا کا رنگ زرد کانپے جو پاؤں بیٹھ گئے بھر کے آہ سرد
ماں گر پڑی زمیں پہ پھوپی بلبلا گئی
بجلی ستم کی ہاں علی اکبرؑ پہ چھا گئی

لڑنے کو اس طرف سے عدو سب کے سب بڑھے تنہا ادھر سے اکبرؑ عالی نسب بڑھے
چومے قدم بہن نے جھک کر یہ جب بڑھے پھر جہاد پائے امیرِ عرب بڑھے
دہشت سے فوج شام کی بیلی سمٹ گئی
قدرت خدا کی دن چڑھا ظلمات گھٹ گئی

جرّار کی زرہ پہ لگے جب کئی خدنگ صفدر نے بڑھ کے کھینچ لی تیغ شعلہ رنگ
چمکا اک آئینہ کہ ہوئی فوج شام دنگ دکھلائے تیغ تیز نے بجلی کے رنگ ڈھنگ
تھی کس کو تاب صاعقۂ شعلہ بار کی
یاد آ گئی ہر اک کو چمک ذوالفقار کی

تھم تھم کے یوں گیا صفِ اعدا پہ وہ دلیر جاتا ہے دوڑ کے غزالوں پہ جیسے شیر
فاقے جو بھوک پیاس میں تھا زندگی سے سیر کشتوں کے پشتے ہو گئے دم بھر میں سروں کے ڈھیر
اک سیل زور شور سے آئی گذر گئی
ثابت نہ یہ ہوا صفِ اول کدھر گئی

ٹکڑے پڑے تھے خاک پہ بھالے ادھر ادھر چھپتے تھے ڈر کے برچھیوں والے ادھر ادھر
پیشِ نظر تھے خون کے نالے ادھر ادھر ابتر تھے دشتِ کیں میں رسالے ادھر ادھر

ملتا تھا فصل کا نہ ٹھکانا نہ باب کا
شیرازہ کھل گیا تھا ستم کی کتاب کا

تیغوں کو ڈر کے عربدہ جو پھینکنے لگے — مغفر سروں کے شل سبو پھینکنے لگے
چلّے کماں کے سب لب جو پھینکنے لگے — تنکا سمجھ کے تیر عدو پھینکنے لگے
ترکش بھی اہل ظلم کے آفت رسیدہ تھے
چلّے بھی کشمکش میں کماں سے کشیدہ تھے

دہشت سے کتنے ڈوب کے دریا میں مر گئے — اس گھاٹ پہ جو آئے رسالے کے ساتھ گئے
رستہ تھا ایک ادھر سے گئے یا اودھر گئے — پھر پھر کے ہر طرف سے میانِ سقر گئے
نار ان کے اشتیاق میں آب ان کی لاگ میں
پھینکا ہوا نہ آب میں باقی تھے آگ میں

جب اس جری نے قتل کئے پانچسو جواں — ہر صف سے ہر پری سے اٹھا شور الاماں
چلّایا ابن سعد سیہ قلب و سخت جاں — نکلیں عدو دس ہزار کماندار ہیں کہاں
برچھی کا اب ہے کام نہ تلوار چاہیئے
اس نوجواں پہ تیروں کی بوچھار چاہیئے

یٰسیں کے تشنہ لب پہ چلے چارسو سے تیر — پیہم عقب سے پڑنے لگے دوبدو سے تیر
آتے تھے فوج فوج سیاہ عدو سے تیر — لب سرخ تھے شبیہ نبی کے لہو سے تیر
مقتل میں کیا ہجوم تھا اس نور عین پہ
پروانے گر رہے تھے چراغ حسینؑ پہ

اس حال میں بھی تیغ سے کیں لاکھ چھیاں قلم — لیکن جگر پہ لگ گیا اک تیرۂ ستم

زخمِ جگر سے بہنے لگا خون دم بدم ۔۔۔ نکلے ہوئے تھے نابلوں سے تھراتے تھے قدم

کھینچا جو اس نے سینہ سے نیزہ نکال کے ہاتھ

دو پارۂ جگر نکل آئے سناں کے ساتھ

گرنا تھا بس کہ سر پہ لگا گرز بے ستم ۔۔۔ یوں جھک گئے کہ جھکتے ہیں سجدہ میں جیسے خم

رکھ دی گلے پہ خبیث نے شمشیر تیز دم ۔۔۔ تلوار اک پڑی کہ ہوئیں پسلیاں قلم

غل تھا گرو نہ جسمِ تنِ پاش پاش پر

دوڑا دو گھوڑے اکبرؑ مہرو کی لاش پر

حضرت علی اصغر بن امام حسینؑ کی شہادت

جب رن میں حسینؑ اصغرِ بے شیر کو لائے[ل] ۔۔۔ لختِ جگرِ بانوئے دلگیر کو لائے

جلادوں میں اس صاحبِ توقیر کو لائے ۔۔۔ ہاتھوں پہ دھرے چاند سی تصویر کو لائے

غل پڑ گیا دیکھو شہِ والا کے پسر کو

خورشید نے ہاتھوں سے اٹھایا ہے قمر کو

اعدا کو دکھلاتے ہیں منہ اس کا شہِ خوشخو ۔۔۔ میداں میں تجلّی ہے مہِ مہر کی ہر سو

جاری ہیں ہر اک صاحبِ اولاد کے آنسو ۔۔۔ کھولے ہیں دستِ خجل حضرت اصغر مہ رُو

پیاسا ہے پسر اشکوں سے منہ دھوتے ہیں شبیرؑ

بچہ کی طرف تکتے ہیں اور روتے ہیں شبیرؑ

ل علی اصغرؑ کو جب کافی وقت سے دودھ نہ ملا وہ تشنہ دہن تڑپنے لگا حضرت شہر بانوؑ نے جناب امام حسینؑ سے درخواست کی کہ سپاہ یزید کو بچہ کی حالت دکھا کر پانی طلب کیجیے شاید رحم آ جائے حضرت امام حسینؑ مگر جو اس کو پسند نہ کرتے تھے لیکن بانو کی خواہش اور بچہ کی حالت سے مجبور ہو کر اس پر آمادہ ہو گئے ۔

فرماتے ہیں اے غنچہ دہن اصغر پیارے بتلاؤ مجھے کیا میں کہوں اہلِ جفا سے
گویا نہیں اس وقت زبان غرضِ حیا سے کچھ میں نے جو مانگا ہے وہ مانگا ہے خدا سے

بے پانی کے مانگے عرقِ شرم میں تر ہوں
مختار جو کوثر کا ہے میں اس کا پسر ہوں

لیکن تری مادر پہ تری پیاس ہے دشوار دروازہ پہ سر کھولے کھڑی ہے وہ دل افگار
میں نے بھی کیا ہے طلب آب کا اقرار کہتا ہوں لعینوں سے تری پیاس کو اظہار

پر وہ نہیں دینے کے مرے دل کو یقیں ہے
اس نہر کا پانی تری قسمت میں نہیں ہے

یہ کہہ کے پکارا اسداللہ کا جانی کچھ کہتا ہوں یارو علی اصغرؑ کی زبانی
اب اٹھ نہیں سکتی تعبِ تشنہ دہانی کہتے ہیں کہ اک بوند پلا دو ہمیں پانی

سب خلق پہ احسان حسینؑ ابن علیؑ ہیں۔
تم لوگ مسلماں ہو تو ہم آلِ نبیؐ ہیں

ان پھول سے رخساروں کے کمہلانے کو دیکھو گھبرا کے سوئے سینہ میں چلے آنے کو دیکھو
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں کے مرجھانے کو دیکھو غش آنے کو اور سانس الٹ جانے کو دیکھو

ناحق ہے عداوت تمہیں نانا کے پسر سے
پھر دو گے تو پانی بھی نہ اترے گا گلے سے

سن کر یہ سخن وہ ستم ایجاد پکارے خیر نے نہ دینا ہمیں کوثر کے کنارے
اطفال جئیں یا کہ مریں پیاس کے مارے تم لوگوں کا حصہ نہیں پانی میں ہمارے

ہم سمجھے کہ حیلے سے طلب کرتے ہو پانی

بچے کے وسیلے سے طلب کرتے ہو پانی

فرمانے لگے سبطِ نبیؐ اشک بہا کر
ہم پیاس بجھائیں گے تو کوثر ہی پہ جا کر
ہٹ جاتا ہوں میں خاک پہ اصغرؑ کو لٹا کر
دریا سے تمہیں پانی پلا دو اسے لا کر
اپنے لئے سائل کبھی پانی کا نہ ہوں گا
بچہ مرا مر جائے میں پیاسا ہی رہوں گا

وہ بولے کہ اکبرؑ سے زیادہ نہیں اصغرؑ
شہ بولے کہ تیرے میں تو دونوں ہیں برابر
گو چھوٹے بڑے ہیں یہ ہیں اک بحر کے گوہر
وہ برجِ شرافت کا قمر ہے تو یہ اختر
اس کو جو کلیجہ تو مرا دل اسے سمجھو
قرآں اُسے سمجھو تو حمائل اِسے سمجھو

بڑھ کر بن کاہل نے کہا اے شہِ والا
اکبرؑ کو تو دیکھا ہے میں نے نہیں دیکھا
دکھلاؤ تو اصغرؑ کا مجھے چاند سا چہرہ
سنتا ہوں کہ ہم صورتِ حیدرؑ ہے یہ بچہ
حاصل ہوئی اکبرؑ سے پیمبرؐ کی زیارت
باقی ہے مگر حیدرؑ صفدر کی زیارت

شبیرؑ نے اس چاند کو ہاتھوں پہ اٹھایا
چلّے سے کماندار نے واں تیر چلایا
خم ہو کے اسے مثلِ کماں شہ نے بچایا
مانندِ اجل ناوکِ ظلم و ستم آیا
شبیرؑ چھپاتے رہے ماندوں کے پلے کو
بازو پہ لگا توڑ کے ننھے سے گلے کو

حلقوم وہ نازک سا اور تیرِ سہ پہلو
دل سہم گیا چونک پڑے اصغرِ مہ رو
گردن سے لہو بہنے لگا آنکھوں سے آنسو
منہ کھل گیا تھرانے لگے شاہ کے بازو

گل رنگ ہوا طوق گلو خون میں بھر کر
ریتی پہ کڑے گر پڑے ہاتھوں سے اتر کر
فوارہ چھٹا حلق سے بچے کے لہو کا
سب خون میں تر ہو گیا ننھا سا شلوکا
دم آ کے رکا حلق میں اس تشنہ گلو کا
خوں منہ سے اگلنے لگا وہ دودھ کا بھوکا
ننھی سی وہ ٹوپی بھی گری جاتی تھی سر سے
جب آتی تھی ہچکی تو لپٹتا تھا پدر سے

جب تیر کو معصوم کی گردن سے نکالا
دنیا سے سفر کر گیا وہ ہنسلیوں والا
چلا کے عجب درد سے روئے شہ والا
نزدیک تھا ہو جائے کلیجہ تہ و بالا
غل تھا کہ اب امت کا نگہبان علی ہے
فریاد کو زہرا طرفِ عرش چلی ہے

شہ لاش کو ہاتھوں پہ اٹھا کر یہ پکارے
اے بار خدا خلق سے اصغر بھی سدھارے
صد شکر کہ تو نے مرے سب کام سنوارے
کچھ اور بجز نذر نہ تھا پاس ہمارے
یہ ہے پسر صاحب معراج کا ہدیہ
مقبول ہو اس بندۂ محتاج کا ہدیہ

فرمایا کہ اے خاک امانت سے خبردار
بانوئے دل افگار کی دولت سے خبردار
لختِ جگر شاہ ولایت سے خبردار
اس بندۂ بے کس کی بضاعت سے خبردار
یہ گوہر نایاب ہے پاکیزہ صدف کا
سونپا ہے تجھے میں نے نگیں در نجف کا

شہادت حضرت امام حسینؑ

دنیا بھی عجب گھر ہے کہ راحت نہیں جس میں ۔ وہ گل ہے یہ گل بوئے محبت نہیں جس میں
وہ دوست ہو یہ دوست مروت نہیں جس میں ۔ وہ شہد ہے یہ شہد حلاوت نہیں جس میں
بے دردو الم شام غریباں نہیں گذری
دنیا میں کسی کی کبھی یکساں نہیں گذری

گودی ہے کبھی ماں کی کبھی قبر کا آغوش ۔ گل پیرہن اکثر نظر آتے ہیں کفن پوش
سرگرم سخن ہے کبھی انساں کبھی خاموش ۔ گہ تخت ہے اور گاہ جنازہ لبسر دوش
اک طور پہ دیکھا نہ جواں کو نہ مسن کو
شب کو تو چھپر کھٹ میں ہو تابوت میں ان کو

ہے عالم فانی کی عجب صبح عجب شام ۔ گہ غم کبھی شادی کبھی ایذا کبھی آرام
نانوں سے پلا فاطمہ زہرا کا گل اندام ۔ واحسرت و دردا کہ وہ آغاز یہ انجام
راحت نہ ملی گھر کے تلاطم سے دہم تک
مظلوم نے فاقے کیے ہفتم سے دہم تک

ریتی پہ عزیزوں کا مرقع تو ہے ابتر ۔ خشکا ہے یہ نقشہ کہ ہیں تصویر سے ششدر
فرزند نہ مسلم کے نہ ہمشیر کے دلبر ۔ قاسمؑ ہیں نہ عباسؑ نہ اکبرؑ ہیں نہ اصغرؑ
سب نذر کو دربار پیمبرؐ میں گئے ہیں
رخصت کو اکیلے شہِ دیں گھر میں گئے ہیں

منظور ہے پھر دیکھ لیں ہمشیر کی صورت ۔ پھر لے گئی ہے گھر میں سکینہ کی محبت
سجاد سے کچھ کہتے ہیں اسرار امامت ۔ بانوئے دو عالم سے بھی ہے آخری رخصت

مطلوب یہ ہے زیب بدن رخت کہن ہو
تا بعد شہادت وہی ملبوس بدن ہو

خیمہ میں مسافر کا وہ آنا تھا قیامت — ایک ایک کو چھاتی سے لگانا تھا قیامت
آنا تو غنیمت تھا پہ جانا تھا قیامت — تھوڑا سا وہ رخصت کا زمانہ تھا قیامت

واں ہیں وہی صبر و شکیبائی کی باتیں
افسانۂ ماتم یہیں بہن بھائی کی باتیں

حضرت کا وہ کہنا کہ بہن صبر کرو صبر — امت کے لئے سرور عالم نے سہے جبر
وہ کہتی تھیں کیونکر نہ میں رووں صفت ابر — تم پہنو کفن بعد نہ بنے ہائے مری قبر

لٹتی ہوئی اماں کا گھر ان آنکھوں سے دیکھا
ہے ہے نہ خبر تمہیں کن آنکھوں سے دیکھوں

اس عمر میں تھوڑے غم جانکاہ اٹھائے — اشک آنکھوں سے اماں کے جنازہ پہ بہائے
آنسو نہ تھمے تھے کہ پدر خوں میں نہائے — ٹکڑے دل شبر کے لگن میں نظر آئے

حضرت کے سوا اب کوئی سر پر نہیں بھائی
انساں ہوں کلیجہ مرا پتھر نہیں بھائی

ہر شخص کو ہے یوں تو سفر خلق سے کرنا — دشوار ہے اک آن مسافر کا ٹھہرنا
ان آنکھوں سے دیکھا ہے بزرگوں کا گزرنا — ہے سب سے سوا ہائے یہ مظلومی کا مرنا

صدقے گئی یوں ملک کبھی لٹتے نہیں دیکھا
اک دن میں بھرے گھر کو اجڑتے نہیں دیکھا

ہے ہے تمہیں میں لا کے کہاں چھپ ہوں بھائی — لٹتی ہے مرے چار بزرگوں کی کمائی

کس دشت پُر آشوب میں قسمت مجھے لائی   یارب کہیں مل جائے ید اللہ کی جائی

زہرا کا پسر وقت جدائی مجھے رو دے
سب کو تو ملے راحتی بچھڑا یہ بھائی مجھے لیٹے

زینب کی وہ زاری سکینہ کا بلکنا   وہ ننھی سی چھاتی میں کلیجہ کا دھڑکنا
وہ چاند سے آنسو وہ بندے کا جھمکنا   حضرت کا وہ بیٹی کی طرف یاس سے تکنا

صورت سے یہ ظاہر تھا کہ معذور ہیں بی بی
پیدا تھا نگاہوں سے کہ مجبور ہیں بی بی

وہ کہتی تھی بابا ہمیں چھاتی سے لگاؤ   زلفیں تھیں شانہ آؤ نہ جان پدر آؤ
ہم کرتے ہیں لو آنکھوں سے آنسو نہ بہاؤ   خوشبو تو ذرا گیسوئے مشکیں سے سنگھاؤ

کوثر پہ بھی تم بن نہیں آرام چچا کو
ہم جاتے ہیں کچھ دیتی ہو پیغام چچا کو

بی بی کہو کیا حال ہے اماں کا تمہاری   کس گوشہ میں بیٹھی ہیں کہاں کرتی ہیں زاری
جب سے سدھارے سوئے جنت گئی اکبر کی سواری   دیکھا نہ انھیں گھر میں ہم آئے کئی باری

تھی سب کی محبت انھیں بیٹی ہی کے دم تک
کیا آخری رخصت کو بھی آئیں گی نہ ہم تک

کس جا ہیں طلب ہم کو کریں یا وہی آئیں   ممکن نہیں اب وہ ہمیں یا ہم انھیں پائیں
یکھ ہم سے کہیں کچھ ہمیں حال اپنا سنائیں   اک دم کے مسافر ہیں ہمیں دیکھ تو جائیں

بس اب نہ یہ لوٹا ہوا گھر اور لٹے گا
افسوس کہ اک عمر کا ساتھ آج چھٹے گا

غش میں ہوئیں بانوئے مضطر نے یہ تقریر — ثابت ہوا مرنے کو چلے حضرت شبیرؑ
سر ننگی اٹھی چھوڑ کے گہوارۂ بے شیرؑ — چلائی مجھے ہوش نہ تھا یا شہ دلگیر
جان تن سے کوئی آن میں اب جاتی ہے آقا
یہ فضہ رخصت کے لئے آتی ہے آقا

دیکھتی تھی کیونکر میں اٹھوں لو مرے سرتاج — والی انہیں قدموں کی بدولت ہے مرا راج
سر پر جو نہ ہوگا پسر صاحب معراج — چادر کے لیے خلق میں ہو جاؤں گی محتاج
چھوٹے جو قدم مرتبہ گھٹ جائیگا میرا
قرباں گئی تخت الٹ جائے گا میرا

یاں آئی میں جب خانۂ کسریٰ ہوا برباد — وہ پہلی اسیری کی اذیت ہے مجھے یاد
کی عقدہ کشائے دو جہاں نے مری امداد — حضرت کے تصدق میں ہوئی قید سے آزاد
لونڈی تھی بہو ہو گئی زہراؑ و علیؑ کی
قسمت نے بٹھایا مجھے مسند پہ نبیؐ کی

چھبیس برس تک نہ چھٹا آپ کا پہلو — اب ہجر ہے تقدیر میں یا سید خوشخو
شب بھر رہے تکیہ سر اقدس کا جو بازو — ہے ہے وہی اب رسّی سے باندھیں گے جفا جو
سر پہ نہ ردا ہوگی تو مر جاؤں گی صاحب
چھپنے کو میں جنگل میں کدھر جاؤں گی صاحب

حضرت نے کہا کس کا سدا ساتھ رہا ہے — ہر عاشق و معشوق نے یہ داغ سہا ہے
دار محن اس دار کو داور نے کہا ہے — ہر چشم سے خون جگر اس غم میں بہا ہے
فرقت میں عجب حال ہوا خالق کے ولی کا

ساتھ آٹھ برس تک رہا زہراؑ و علیؑ کا

سو سو برس اس گھر میں محبت سے رہے جو
اس موت نے دم بھر میں جدا کر دیا ان کو
کچھ بس نہیں چارہ نہیں اے بانوئے خوشخو
ہے شاق فلک کو کہ رہیں ایک جگہ دو
کس کس پہ زمانے نے جفا کی نہیں صاحب
اچھوں سے کبھی اس نے وفا کی نہیں صاحب

زینبؑ کو تو دیکھو کہ ہیں کس دکھ میں گرفتار
ایسا کوئی اس گھر میں نہیں بیکس و ناچار
تنہا ہیں کہ بیجان ہوئے دو جان سے دلدار
دنیا سے گیا اکبر ناشاد سا غمخوار
بیٹے بھی نہیں گو دکھ کا پالا بھی نہیں ہے
ان کا تو کوئی پوچھنے والا بھی نہیں ہے

یہ کہہ کے کچھ آہستہ کہا گوش پسر میں
بیمار گئے رونے سے قیامت ہوئی گھر میں
اندھیر زمانہ ہوا بانو کی نظر میں
غش ہو گئی زینبؑ یہ اٹھا درد جگر میں
ٹھہرا نہ گیا واں سے شہ والا نکل آئے
تنہا گئے روتے ہوئے تنہا نکل آئے

کچھ بڑھ کے پھرے جانب قبلہ شہ بے پر
کنج کی طرف دوش پہ ہیں گردن انور
تھرّاتے ہوئے ہاتھوں پہ عمامے کو رکھ کر
کی حق سے مناجات کہ اے خالق اکبر
حرمت ترے محبوب کی دنیا میں بڑی ہے
کر رحم کہ آل ان کی تباہی میں پڑی ہے

یارب یہ ہے سادات کا گھر تیرے حوالے
رانڈیں ہیں کئی خستہ جگر تیرے حوالے
بیکس کا ہے بیمار پسر تیرے حوالے
سب ہیں ترے در کے ہے گھر تیرے حوالے

عالم ہے کہ غربت میں گرفتار بلا ہوں

میں تیری حمایت میں انھیں چھوڑ چلا ہوں

میں یہ نہیں کہتا کہ اذیت نہ اٹھائیں ... یا اہل ستم آگ سے خیمے نہ جلائیں

ناموس نبی قید ہوں اور شام میں جائیں ... مہلت مرے لاشے پہ بھی رونے کی نہ پائیں

بیڑی میں قدم طوق میں عابد کا گلا ہو

جس میں ترے محبوب کی امت کا بھلا ہو

پھینک کے گریبان مبارک کو کیا چاک ... اور ڈال لی پیراہن پرنور میں کچھ خاک

میت ہوئے شبیر کفن بن گئی پوشاک ... بس فاتحہ خیر پڑھا با دل غمناک

مڑ کر نہ کسی دوست و غمخوار کو دیکھا

پاس آئے تو روتے ہوئے رہوار کو دیکھا

گرنا ہے کے دامن علی اکبر کو پکارے ... تھامو مرے گھوڑے کی رکاب آ مرے پیارے

لخت دل شبیر کدھر اس وقت سدھارے ... بھائی ہیں کہاں ہاتھ میں دیں ہاتھ ہمارے

آتے نہیں مسلم کے جگر بند کہاں ہیں

دونوں مری ہمشیر کے فرزند کہاں ہیں

تنہائی میں یک بیک حضرت نے پکارا ... کون آئے کہ فردوس میں تھا قافلہ سارا

گھوڑے پہ چڑھا خود اسد اللہ کا پیارا ... اے نجا جہاں افلاک امامت کا ستارا

ستو غمی سے فرس پاؤں نہ رکھتا تھا زمیں پر

غل تھا کہ چلا قطب زماں عرش بریں پر

اعدا کی زبانوں پہ یہ حیرت کی تھی تقریر ... حضرت یہ رجز پڑھتے تھے تولے ہوئے شمشیر

دیکھو نہ مٹاؤ مجھے اے فرقۂ بے پیر — میں یوسفِ کنعانِ رسالت کی ہوں تصویر

واللہ تعلّی نہیں یہ کلمۂ حق ہے
عالم کے مرقع میں حسینؑ ایک ورق ہے

نانا وہ کہ ہیں جن کے قدم عرش کے سرتاج — وہ سیدِ مکاں ختمِ رسل صاحبِ معراج
ماں ایسی کہ سب جسکی شفاعت کے ہیں محتاج — باپ ایسا کہ منہ غاقوں کو جس نے کیا تاراج

لڑنے کو اگر حیدرِ صفدر نہ نکلتے
بُت گھر سے خدا کے کبھی باہر نہ نکلتے

کس جنگ میں سینہ کو سپر کر کے نہ آئے — کس مرحلۂ صعب کو سر کر کے نہ آئے
کس فوج کی صف زیر و زبر کر کے نہ آئے — تھی کون سی شب جس کو سحر کر کے نہ آئے

تھا کون جو ایماں بہ صمصام نہ لایا
اس شخص کا سر لائے جو اسلام نہ لایا

اصنام بھی کچھ کم تھے نہ کفار تھے تھوڑے — طاقت تھی کہ عزّیٰ کو کوئی لات سے توڑے
بدکیشوں نے مسجد سے کبھی ہاتھ بھی جوڑے — بے توڑے وہ بت حیدرِ صفدر نے نہ چھوڑے

کعبہ کو صفا کر دیا خالق کے کرم سے
نکلے اسد اللہ اذاں دے کے حرم سے

اس عہد میں مالک اسی تلوار کے ہم ہیں — جرار پسر حیدرِ کرار کے ہم ہیں
فرزندِ محمدؐ سے جہاں دار کے ہم ہیں — وارث شہِ لولاک کی سرکار کے ہم ہیں

کچھ غیرِ کفن ساتھ نہیں لے کے گئے ہیں
تابوتِ سکینہ بھی یہیں دے کے گئے ہیں

یہ فرق پہ عمامۂ سردارِ زمن ہے — یہ تیغِ علیؑ ہے یہ کمر بند حسن ہے
یہ جوشنِ داؤد ہے جو حافظ تن ہے — یہ پیرہن یوسف کنعانِ سخن ہے
دکھلائیں سند دستِ رسولِ عربی کی
یہ مہرِ سلیمانؑ ہے یہ خاتم ہے نبی کی

دیکھو تو یہ ہے کون سے جرّار کی تلوار — کس شیر کے قبضہ میں ہے کرار کی تلوار
دنیا نے بھی دیکھی نہیں اس دھار کی تلوار — بجلی کی تو بجلی ہے یہ تلوار کی تلوار
قہر و غضب اللہ کا ہے کاٹ نہیں ہے
کہتے ہیں اسے موت کا گھر گھاٹ نہیں ہے

گر فیض ظہورِ شہِ لولاک نہ ہوتا — بالائے زمیں گنبدِ افلاک نہ ہوتا
کچھ خاک کے طبقے ہیں بجز خاک نہ ہوتا — ہم پاک نہ کرتے تو جہاں پاک نہ ہوتا
یہ شورِ اذاں کا سحر و شام کہاں تھا
ہم عرش پہ جب تھے تو یہ اسلام کہاں تھا

محسن سے بدی ہے کہ ہے احساں کا عوض واہ — دشمن کے ہوا خواہ ہوئے دوست کے بدخواہ
گمراہ کیے بہکانے سے روکو نہ مری راہ — لو اب بھی مسافر کو نکل جانے دو واللہ
مل جائے گی اک دم میں اماں رنج و بلا سے
میں ذبح سے بچ جاؤں گا تم قہر خدا سے

بستی میں کہیں مسکن و ماویٰ نہ کروں گا — یثرب میں بھی جانے کا ارادہ نہ کروں گا
صابر ہوں کسی کا کبھی شکوہ نہ کروں گا — اس ظلم کا میں ذکر بھی اصلا نہ کروں گا
رونا نہ چھٹے گا کہ عزیزوں سے چھٹا ہوں

جو پوچھے گا کہدوں گا کہ جنگل میں لٹا ہوں

اعدا نے کہا قہر خدا سے نہیں ڈرتے
ناری تو ہیں دوزخ کی جفاؤں سے نہیں ڈرتے
زہرا و رسول دوسرا سے نہیں ڈرتے
خاتون قیامت کی بکا سے نہیں ڈرتے
ہم لوگ جدھر دولت دنیا ہے اُدھر ہیں
اللہ سے کچھ کام نہیں بندۂ زر ہیں

حضرت نے کہا خیر خبردار صفوں سے
آیا غضب اللہ کا ہشیار صفوں سے
بجلی سا گزر جاؤں گا ہر بار صفوں سے
کب بچتی ہیں رُکتے ہیں دو چار صفوں سے
غربت کے چلن دیکھ چکے حرب کو دیکھو
لو بندۂ زر ہو تو مری ضرب کو دیکھو

یاں گوشۂ عزلت تھی شمشیر نے چھوڑا
واں سہم کے چلّے کو ہر اک تیر نے چھوڑا
کس قہر سے گھر موت کی تصویر نے چھوڑا
ساحل کو صف لشکر بے پیر نے چھوڑا
عقاب سے غلاف چرخ کا در کھول کے نکلا
شہباز اجل صید کو پر تول کے نکلا

بالا سے جو آئی وہ بلا جانب پستی
بس نیست ہوئی دم میں ستمگاروں کی ہستی
چلنے لگی یک دست جو شمشیر دو دستی
معلوم ہوا الٹ گئی سب کفر کی بستی
نو دو اُن کے بھاگ ضرب میں اللہ نے توڑے
ٹوٹیں جو صفیں بت اسداللہ نے توڑے

بجلی سی جو گر کر صف کفار سے نکلی
آواز زن تیغ کی جھنکار سے نکلی
گہ ڈھال میں ڈوبی کبھی تلوار سے نکلی
در آئی جو پیکاں میں تو سوفار سے نکلی

اب فتح و ظفر دلبر زہرا نہ رکے گا ۔۔۔ تا غرق نہ فرعون ہو موسیٰ نہ رکے گا
ہے یہ غضبِ پاک نام ہے قہرِ صمد اس کا
رکنے کا نہیں شام تلک جزر و مد اس کا

اس صف میں گئے بیچ میں امر غل ہی نکلے ۔۔۔ جو فوج چڑھی منہ پہ اسے رول کے نکلے
انبوہ سے یوں تیغ دو سر تول کے نکلے ۔۔۔ گویا در خیبر کو علیؑ کھول کے نکلے
دنیا جو بچی روح محمدؐ کا سبب تھا
شبیرؑ اگر رحم نہ کرتے تو غضب تھا

لڑتے تھے مگر غیظ سے رحمت تھی زیادہ ۔۔۔ شفقت بھی نہ کم تھی جو شجاعت تھی زیادہ
نانا کی طرح خاطر امت تھی زیادہ ۔۔۔ بیٹوں سے غلاموں کی محبت تھی زیادہ
تلوار نہ ماری جسے منہ موڑتے دیکھا
آنسو نکل آئے جسے دم توڑتے دیکھا

فرماتے تھے اعدا کو ترائی سے بھگا کر ۔۔۔ کیوں چھوڑ دیا گھاٹ کو رو کو ہمیں آ کر
دعوت یوں ہی کرتے ہیں مسافر کو بلا کر ۔۔۔ ہم چاہیں تو پانی بھی پئیں نہر میں جا کر
پر صبر کے دریا میں ہمیں پیاس نہیں ہے
اب نہر یہ پانی ہے کہ عباسؑ نہیں ہے

بھولی نہیں اکبرؑ کی ہمیں تشنہ دہانی ۔۔۔ وہ چاند سا رخ وہ قد و قامت وہ جوانی
وہ سوکھے ہوئے ہونٹ وہ اعجاز بیانی ۔۔۔ دکھلا کے زباں نزع میں کہتے تھے کہ پانی
کس سے کہیں جو خون جگر ہم نے پیا ہے
بعد ایسے پسر کے بھی کہیں باپ جیا ہے

تھے بند خطا کاروں پہ در امن و اماں کے
چلّے بھی چھپے جاتے تھے گوشوں میں کماں کے

نیزوں پہ گئی برچھیوں والوں کی طرف سے — جا پہنچی کمانداروں پہ بھالوں کی طرف سے
پھر آئی سواروں کے رسالہ کی طرف سے — نہ تیغوں کی جانب گیا ڈھالوں کی طرف سے
بس ہو گیا دفتر نظری نام و نسب کا
لاکھوں تھے تو کیا دیکھ لیا جائزہ سب کا

پہنچی جو سپر تک تو کلائی کو نہ چھوڑا — ہر ہاتھ میں ثابت کسی گھائی کو نہ چھوڑا
شوخی کو شرارت کو لڑائی کو نہ چھوڑا — تیزی کو رکھائی کو صفائی کو نہ چھوڑا
اعضائے بدن قطع ہوئے جاتے تھے سب کے
قینچی سی زباں چلتی تھی فقرے تھے غضب کے

بدکیش لڑائی کا چلن بھول گئے تھے — ناوک فگنی تیر فگن بھول گئے تھے
سب حیلہ گری عہد شکن بھول گئے تھے — بیہوشی میں ترکش کا دہن بھول گئے تھے
معلوم نہ تھا جسم میں جاں ہے کہ نہیں ہے
چلّاتے تھے قبضہ میں کماں ہے کہ نہیں ہے

ڈر ڈر کے قد راست سنانوں نے جھکائے — دب دب کے سر عجز کمانوں نے جھکائے
ہٹ ہٹ کے علم ان میں جوانوں نے جھکائے — سفاک پکڑ گر کے نشانوں نے جھکائے
غل تھا کہ پناہ اب نہیں یا شاہ زماں دو
پھیلائے تھے دامن کو پھریرے کہ اماں دو

وہ کہتے تھے ہر باڑھ پہ دریا نہ رکے گا — اس موج پہ آفت کا طمانچہ نہ رکے گا

یہ کہہ کے سکینہؑ کے بہشتی کو پکارے | الفت ہمیں لے آئی ہے پھر پاس تمہارے
اٹھتے ہوئے آپ پہنچے ہیں دریا کے کنارے | عباسؑ غش آتا ہے ہمیں پیاس کے مارے
ان سوکھے ہوئے ہونٹوں سے ہونٹوں کو ملا دو
کچھ مشک میں پانی ہو تو بھائی کو پلا دو

لیٹے ہوئے ہو ریتی میں کیوں منہ کو چھپائے | اٹھو کہ سکینہ کو یہاں ہم نہیں لائے
غافل ہو برادر تمہیں کس طرح جگائے | ہے عصر کا وقت اے اسد اللہ کے جائے
خوش ہوں گا میں آگے ہو علم لیکے بڑھو گے
کیا بھائی کے پیچھے نہ نماز آج پڑھو گے

کہہ کر یہ سخن رونے لگے بھائی کو بھائی | تلوار سے مہلت ستم ایجادوں نے پائی
جس فوج نے نہر چھوڑ دیا تھا وہ پھر آئی | دو روز کے پیاسے پہ گھٹا شام کی چھائی
بارش ہوئی تیروں کی ولی ابن ولی پر
سب ٹوٹ پڑے ایک حسینؑ ابن علیؑ پر

کی شہ نے جو سینہ پہ نظر پونچھ کے آنسو | سب بھائی تھے پہلوؤں تک تیر سے پہلو
ہر سمت سے تیغیں جو لگاتے تھے جفا جو | سالم نہ کلائی تھی نہ شانہ تھا نہ بازو
برگشتہ زمانہ تھا شہ تشنہ گلو سے
پھل برچھیوں کے سرخ تھے سید کے لہو سے

جھک جاتے تھے ہر نیزے پہ جو غش سے شہ ابرار | منہ پھیر کے آقا کی طرف تکتا تھا رہوار
چمکار کے فرماتے تھے شبیرؑ دل افگار | اب خاتمہ جنگ ہے اے اسپ وفادار
اتریں گے بس اب تجھ سے چھٹا ساتھ ہمارا

لے پاؤں ترے چلتے ہیں نے ہاتھ ہمارا

زخمی ہیں نہیں اب تری تکلیف گوارا گرتے ہیں سنبھلنے کا ہمیں اب نہیں یارا
کیا بات تری خوب دیا ساتھ ہمارا آپہنچا ہے منزل پہ یداللہ کا پیارا

تو جس میں پلا ہے وہ گھر ایک دم میں لٹیگا
بچپن کا ہمارا ترا اب ساتھ چھٹے گا

گھیرے ہیں عدو خیمہ تلک جا نہیں سکتے کھوئی ہے جو طاقت اسے اب پا نہیں سکتے
مشکل ہے سنبھلنا تجھے دوڑا نہیں سکتے پہلو ترے مجروح ہیں ٹھہرا نہیں سکتے

حیواں کو بھی دکھ ہوتا ہے زخموں کے تعب کا
میں درد رسیدہ ہوں تجھے صدمہ ہے سب کا

فرماتے تھے اعدا سے کہ اے فرقۂ ناری بے فائدہ کیوں لیتے ہو تم جان ہماری
گھوڑے نے سنی درد کی باتیں جو یہ ساری بورہمیاں اشکوں کی ہوئیں آنکھوں سے جاری

حیوانوں کو رقت ہوئی اس لطف و کرم پہ
منہ رکھدیا مرکر شہ والا کے قدم پہ

گردن کو ہلایا کہ مسیحا نہ اتر ئیے دم ہے ابھی مجھ میں مرے آقا نہ اتر ئیے
تلواریں لئے گرد ہیں اعدا نہ اتر ئیے سب فوج چڑھی آتی ہے مولا نہ اتر ئیے

اے وائے ستم صدر نشیں خاک نشیں ہو
حسرت ہے کہ مر جاؤں تو خالی مرا زیں ہو

شہ نے کہا کیا چند مسافر سے محبت وہ تو نے کیا ہوتا ہے جو حق رفاقت
بتلا تو سنبھلنے کی بھلا کون سی ہے صورت نہ ہاتھ نہ پاؤں میں نہ ہو قلب میں طاقت

بہتر ہے کہ اتروں نہیں تیورا کے گروں گا
پھٹ جائینگے سب زخم جو غش کھا کے گروں گا
ہے عصر کا ہنگام مناسب ہے اترنا
اس خاک پہ ہے شکر کا سجدہ ہمیں کرنا
گو مرحلہ صعب ہے دنیا سے گذرنا
سجدے میں کٹے سر کہ سعادت ہے یہ مرنا
طاعت میں خدا کی نہیں صرف تن و سر کا
دعویٰ حق میں ہمیں اس کے کہ وہ شہ ہے پدر کا
اترا یہ سخن کہہ کے وہ کونین کا والی
خاتم سے نگیں گر گیا زیں ہو گیا خالی
اس دکھ میں نہ یاور تھے نہ مولا کے موالی
خود ٹیک کے تلوار کو سنبھلے شہ عالی
کپڑے شہ پرنور کے سب خوں میں بھرے تھے
اک ہاتھ کو رہوار کی گردن پہ دھرے تھے
سر یال پہ رکھ رکھ کے یہ فرماتے تھے ہر بار
جا ڈیوڑھی پہ اے صاحب معراج کے رہوار
اب ذبح کریں گے ہمیں اک دم میں ستمگار
زینبؑ سے یہ کہنا کہ سکینہؑ سے خبردار
رہنا تو رجب تک مرا سر تن سے جدا ہو
لے جائیو بانو کو جدھر حکم خدا ہو
یہ کہہ کے جو سرکا اسد اللہ کا جایا
اک تیر جبیں پہ بن اشعب نے لگایا
فریاد نے زہرا کی دو عالم کو ہلایا
پیکان سہ پہلو عقب سر نکل آیا
تڑپے نہ رہے صبر امام دو جہاں کا
سوفار نے بوسہ لیا سجدے کے نشاں کا
حضرت نے جبیں سے ابھی کھینچا نہ تھا وہ تیر
جو سر پہ لگی تیغ بن مالک بے پیر

مارا وہ تنک اُتر کر جو اٹھی ظلم کی شمشیر — سر تھام کے بس بیٹھ گئے خاک پہ شبیرؑ
چلائے ملک دیکھ کے خون سبط نبی کا
تھا حال یہی مسجد کوفہ میں علیؑ کا

بیٹھے جو سوئے قبلہ دو زانو شہ بے پر — جھکتے تھے کبھی غش میں اٹھاتے تھے کبھی سر
تھے ذکر خدا میں کہ لگا تیر دہن پر — یاقوت نبیؐ ڈوب گئے خوں میں ہو کے تر
بہہ آیا لہو تا بہ زنخدان مبارک
ٹھنڈے ہوئے دو گوہر دندان مبارک

نیزے کا سنِ وہب نے پہلو پہ کیا وار — کاندھے پہ چلی ساتھ زرارہ کی بھی تلوار
ناوک بن کاہل کا کلیجے کے ہوا پار — بازو میں حد آیا تبر خولی خوں خوار
تلوار سے وقفہ نہ ملا چند نفس کا
دم رک گیا نیزہ جو لگا ابن انس کا

تھرا کے جھکے سجدۂ حق میں شہ ابرار — شور دہل فتح ہوا فوج میں اک بار
خوش ہو کے پکارا پسر سعد جفاکار — اے خولی و شیث اور سنان جوشن جرار
آخر ہے بس اب کام امام ازلی کا
سر کاٹ لو سب مل کے حسینؑ ابن علیؑ کا

اس وقت شہ دیں نے سنی زاری خواہر — جس وقت کہ تھا حلق مبارک تہہ خنجر
فرمایا اشارے سے کہ اے شمر ستمگر — زینبؑ نکل آئی ہے ٹھہر جا ابھی دم بھر
آخر تو سفر ہوتا ہے اس دار محن سے
دو باتیں تو کر لینے دے بھائی کو بہن سے

منہ پھیر لیا شمر نے خنجر کو ہٹا کے — دی شہ نے یہ زینبؑ کو صدا اشک بہا کے
تڑپاتی ہو بھائی کو بہن بلوے میں آ کے — دیکھو گی آپ کیسے ہم تو ہیں پنجۂ میں قضا کے

اٹھ سکتے نہیں جسم پہ تلواریں پڑی ہیں
گھبراؤ نہ اماں مرے پہلو میں کھڑی ہیں

دوڑی یہ صدا سن کے ید اللہ کی جائی — چلائی کہ دیدار تو میں دیکھ لوں بھائی
پر ہائے بہن بھائی تلک آنے نہ پائی — یاں ہو گئی سید کے تن و سر میں جدائی

قاتل کو نہ گردن کو نہ شمشیر کو دیکھا
پہونچیں تو سناں پر سر شبیر کو دیکھا

سر دیکھ کے بھائی کا وہ بیکس یہ پکاری — دکھ پائی بہن آپ کی مظلومی کے واری
گردن کی رگیں کٹ گئیں خنجر سے تمہاری — تم مر گئے پوچھے گا خبر کون ہماری

آفت میں پھنسی آل رسول عربیؐ کی
اب جائیں کہاں بیٹیاں زہراؑ و علیؑ کی

ہے ہے پسر صاحب معراج حسیناؑ — پردیس میں بیووں کا لٹا راج حسینا
گویا کہ علیؑ قتل ہوئے آج حسیناؑ — ہے ہے کفن و گور کے محتاج حسینا

پرسا بھی ترا دینے کو آتا نہیں بھائی
لاشا بھی زمیں پر سے اٹھاتا نہیں بھائی

قربان بہن اے مرے سرور مرے سید — مذبوح قضا کشتۂ خنجر مرے سید
اے فاقہ کش و بیکس و دلبر مرے سید — پنجے میں ہے ہے قاتل کے ترا سر مرے سید

دیتے ہو صدا کچھ نہ بلاتے ہو بہن کو

کس یاس سے تکتے چلے جاتے ہو بہن کو

بھیّا مرا کوئی نہیں تم خوب ہو آگاہ
احمدؐ ہیں نہ زہراؑ نہ حسنؑ ہیں نہ یداللہ
ڈھارس تھی بڑی آپ کی ہم رشتۂ ذیجاہ
چھوڑا مجھے جنگل میں یہ کیا قہر کیا آہ
چلتے ہوئے کچھ مجھ سے نہ فرما گئے بھائی
بہنا کو نجف تک بھی نہ پہنچا گئے بھائی

اے میرے شہیدا سے مرے ماں جائے برادر
کس سے ترا لاشہ بہن اٹھوائے برادر
کس طرح مرے دل کو قرار آئے برادر
پانی بھی نہ قاتل نے دیا ہائے برادر
انساں پہ ستم یوں کبھی انساں نہیں کرتا
حیواں کو بھی پیاسا کوئی بے جاں نہیں کرتا

مابعد شہادت

جب طوقِ سلاسل میں مسلسل ہوئے عابدؑ
خم شکلِ ہلالِ شبِ اول ہوئے عابدؑ
اس شکل سے راہی سوئے مقتل ہوئے عابدؑ
اعدا تو چڑھے گھوڑوں پہ پیدل ہوئے عابدؑ
رانڈوں میں تو محبوسیٔ سجادؑ کا غل تھا
ہر گام پہ زنجیر کی فریاد کا غل تھا

لے دینوں میں تھی تہنیت فتح کی اک دھوم
رانڈوں میں تھا اک شور کہ اے سیدِ مظلوم
اور شرم سے نہوڑائے تھے سر عابدؑ مغموم
بیمار کو آنکھوں سے نہ کچھ ہوتا تھا معلوم
اک ہاتھ میں زنجیر لیے رنج و محن تھی
اک ہاتھ میں ماں بہنوں کی ٹوٹی ہوئی رسن تھی

تلواریں لیے چاروں طرف ظلم کے بانی
حلقے میں دل آزاروں کے وہ یوسفِ ثانی

غربت میں الم سے پدری تشنہ دہانی   وہ طوق کا لنگر وہ سلاسل کی گرانی

مڑ کر کبھی زینبؑ کے رُخ پاک کو دیکھا

بیڑی کو گہے عرش گہے افلاک کو دیکھا

لغزش میں نہ تھا ہاتھ کوئی تھامنے والا   صدمے سے گرا پڑتا تھا وہ نازوں کا پالا

تھا چاند سے سینے میں کلیجہ تہ و بالا   زنجیر جو ہاتھوں سے چھٹی طوق سنبھالا

مرقد نہ بنا باپ کا یہ فکر بڑی تھی

اک جان حزیں لاکھ مصیبت میں پڑی تھی

دستور ہے بیمار کے ہیں پاؤں دباتے   یاں بیڑیاں بھاری ہی لا کے ہیں پنہاتے

ماتم کی خبر کو ہیں مریضوں سے چھپاتے   یاں باپ کا سر کاٹ کے اسکو ہیں دکھاتے

یہ دکھ نہ کسی صاحب آزار نے دیکھے

ہاں بعد پدر عابدؑ بیمار نے دیکھے

ہفتم سے جو اعدا کی ہوئی شہ پہ چڑھائی   بیمار کو پانی نہ ملا کیسی ٹھنڈائی

عاشور کو غش تھے کہ یکایک خبر آئی   شہ ذبح ہوئے لٹ گئی زہراؑ کی کمائی

ہوش آیا تو گھر آگ میں جلتے ہوئے دیکھا

ماں بہنوں کو بلوے میں نکلتے ہوئے دیکھا

کیا کیا نہ ستم اہل شقاوت نے دکھائے   بیمار نے جز شکر خدا لب نہ ہلائے

جب طوق و سلاسل کو عدو سامنے لائے   کس صبر سے نہوڑا دیا سر پاؤں بڑھائے

تھی فکر گنہگاروں کی اس رنج و محن میں

بندھوا دیئے امت کے لئے ہاتھ رسن میں

پھر بھی سرِ ناقہ نظر آتی تھیں کھلے سر ہاتھوں سے چھپائے ہوئے منہ روتی تھیں مادر
بے پردہ تھی اک رات کی بیاہی ہوئی خواہر چھپیاں تھیں اس انبوہ میں بے مقنعہ و چادر

ناموسِ محمدؐ پہ تو یہ ظلم و ستم تھا
اور سامنے سر باپ کا نیزے پہ علم تھا

فریاد تھی رانڈوں میں کہ اے قافلہ سالار منہ کاہے سے ڈھانپیں حرمِ حیدرِ کرارؑ
کس حد سے فرماتے تھے سجادؑ دل افگار صابر رہو شاکر رہو جو مرضیِ غفار

چھننے کا رداؤں کے عبث رنج و الم ہے
کیا چادرِ تطہیر کا پردہ تمہیں کم ہے

ہوئے سرِ پُر نور سے چہروں کو چھپا لو شکوہ کی کوئی بات زباں سے نہ نکالو
لازم ہے تمہیں صبر کلیجوں کو سنبھالو غربت میں اسیری کی بھی تکلیف اٹھا لو

چادر نہیں سر پر تو ضرر کیا ہے تمہارا
پردہ رہے امت کا یہ پردہ ہے تمہارا

یہ کہتے تھے جو قتل کا میداں نظر آیا کاٹا ہوا زہراؑ کا گلستاں نظر آیا
دیکھا جسے وہ خاک پہ بے جاں نظر آیا سوتے ہوئے شیروں کا نیستاں نظر آیا

روحیں تو نثارِ پسرِ شاہِ نجف ہیں
پیاسوں کی کٹی گردنیں قبلہ کی طرف ہیں

سوتا تھا کوئی پر کوئی ہاتھ کٹائے تھا خواب اجل میں کوئی پھل برچھی کا کھائے
تھے جسم لہو میں عوضِ غسل نہائے اتنا بھی نہ تھا کوئی کہ قبریں بھی بنائے

دم نکلے تھے مشکل سے کہ وہ تشنہ جواں تھے

بالائے زمیں پاؤں رگڑنے کے نشاں تھے

تھا بیچ میں ان لاشوں کے اک لاشہ بے سر — گردن پہ نمایاں کئی جا گہہ خطِ خنجر
تھا تیروں کی کثرت سے یہ حالِ تنِ اطہر — جس طرح عیاں خار ہوں ساہی کے بدن پہ
بخشا تھا سرِ عرش نشیمن جو خدا نے
پر کھولے تھے اس اوجِ سعادت کے ہما نے

پہلو میں تھا اک طفلِ حسیں تیر کا مارا — جس طرح سے ہو ماہ کے نزدیک ستارا
چھوٹا سا شلوکا تھا بھرا خون سے سارا — معلوم یہ ہوتا تھا کہ ہے باپ کا پیارا
کچھ داغ جو دل پہ تھے تو کچھ داغ جگر پہ
اک ہاتھ تو تھا سینے پہ اک ہاتھ تھا سر پہ

اس دھوپ میں سایہ جو نہ تھا لاشۂ شہ پہ — مرغانِ ہوا چھائے تھے کھولے ہوئے شہپر
آ ملتا تھا جب دور سے طائر کوئی اڑ کر — یہ کہتے تھے دکھلا کے اسے لاشۂ بے سر
غم دیکھے ہیں دنیا میں پہ یہ غم نہیں دیکھا
ایسا تو سلیماں کا بھی ماتم نہیں دیکھا

کرتے تھے بیاں اس سے یہ سب طائرِ صحرا — اس سلطنت کی آہ خبر تجھ کو نہیں کیا
گھر لٹ گیا زہراؑ کا قیامت ہوئی برپا — ہے خاک پہ بے سر یہ محمدؐ کا نواسا
یہ وہ ہے رسولِ عربی روئے ہیں جس کو
آ آ کے سما سے نبی روئے ہیں جس کو

صحرا کے پرندوں میں یہ تھی درد کی تقریر — آ پہنچے جو رانڈوں کو لئے عابدِ دلگیر
بے سر نظر آیا جو انہیں لاشۂ شبیرؑ — قدموں پہ گرے چھٹ گئی ہاتھ سے زنجیر

بیمار نے نعرہ جو کیا یا ابتا کا
تھرا گیا لاشہ سر پسر شیر خدا کا

سر پیٹ کے چلائے یہ سجادِ دل افگار | رخصت کیلئے آیا ہے یہ صاحبِ آزار
صدقے تری مظلومی کے اے سیدِ ابرار | باندھے ہوئے گردن لئے جاتے ہیں جفاکار

تلواریں علم سر پہ ہیں دم لے نہیں سکتا
مجبور ہوں حضرت کو کفن دے نہیں سکتا

بعد آپ کے امت نے یہ کی ہے مری توقیر | اونٹوں کی رسن ہاتھ میں اور پاؤں میں زنجیر
پہنایا ہے گردن میں بھی اک طوق گلوگیر | جو قافلہ سے چھوٹے ہے اسکی یہ ہی تقدیر

بیماری میں جو ہم پہ ستم ہو سو روا ہے
شمشیر سے گردن نہ کٹانے کی سزا ہے

یہ ذکر تھا جو اونٹ سے فضہ یہ پکاری | اے قافلہ سالار حرم عاشق باری
لو اونٹ سے گرتی ہیں پھوپھی جان تمہاری | ایسا نہ ہو مر جائے یہ اللہ کی پیاری

مانجائے کی مظلومی و تنہائی پہ رو لے
اونٹوں کو بٹھا دو تو بہن بھائی کو رو لے

بولی یہ سکینہ مرا ناقہ بھی بٹھا دو | اچھے مرے بھیا مجھے بابا سے ملا دو
خوشبوئے شہ مظلوم کی چھاتی کی سنگھا دو | سوتے ہیں اگر نام مرا لے کے جگا دو

مارا ہے عبث شمر نے مجھ خستہ جگر کو
دکھلاؤں گی یہ نیل طمانچہ کا پدر کو

گھبرا کے پکارا عمر سعد جفاکار | کہدو کہ اُٹھے لاشہ سے اب عابد بیمار

نیزے پہ لئے ناقوں کے رہیں گرد ستمگار   اونٹوں سے زمیں پہ کوئی اترے نہ خبردار
خولی سے کہو آگے بڑھے لے کے سروں کو
ہاں جلد روانہ کرو ان نوحہ گروں کو

عابد کو تن شاہ سے اعدا نے چھڑایا   جی بھر کے پسر باپ کو رونے بھی نہ پایا
جب اونٹ چلے راندوں نے یہ شور مچایا   رونا نہ ملا لاشوں پہ فریاد خدایا
کشتے ہوئے سب دفن لعینوں کی طرف سے
لاشے کو نہ گاڑا پسر شاہ نجف کے

ہے ہے نہیں اونٹوں سے اترنے نہیں دیتے   کوشش کفن و غسل کی کرنے نہیں دیتے
کھینچے لئے جاتے ہیں ٹھہرنے نہیں دیتے   مظلوم کو تربت میں بھی دھرنے نہیں دیتے
مٹی نہ ملی لاش کو شاہِ شہدا کی
فریاد نبیؐ کی ہے دوہائی ہے خدا کی

اس قافلہ میں روتے ہوئے عابدؑ مضطر   پہنچے پسر سعد کے خیمہ کے برابر
بیٹھا ہوا کرسی پہ تھا نخوت سے بداختر   اور فتح کی نذریں اسے دیتے تھے ستمگر
تھا جشن کا غل کشتیوں میں آتے تھے خلعت
خدام کھڑے شمر کو پہناتے تھے خلعت

نوفل پسر سعد سے کرتا تھا یہ گفتار   دو خلعت بہ نذر کہوں میں آج طلبگار
عباس کے شانے پہ لگائی ہے وہ تلوار   جس ضرب سے ٹوٹی کمر سید ابرار
کاٹا علم شاہ کو شمشیر سے میں نے
مشکیزے میں سوراخ کیا تیر سے میں نے

کہتا تھا کوئی لوٹ کا اسباب دکھا کر — مقنع یہ دولہن کا ہے یہ بانو کا ہے زیور
باقرؑ کی یہ ہنسلی ہے سکینہ کا ہے گوہر — شملہ یہ ہے اکبرؑ کا یہ گہوارہ اصغرؑ
یہ خون میں تر جامۂ شاہِ شہدا ہے
پیوند ہیں جس میں یہی زینبؑ کی ردا ہے

عابدؑ نے سنی جب یہ ستمگاروں کی تقریر — نزدیک عمر آئے سنبھالے ہوئے زنجیر
فرمایا کہ قبروں میں تو گاڑے گئے بے پیر — کی ہے پسرِ فاطمہؑ نے کون سی تقصیر
کھلواؤ مرے ہاتھ کہ صدمہ ہے جگر کو
میں دفن کروں شیرِ الٰہی کے پسر کو

بے دفن و کفن ہیں جو یہ اللہ کے پیارے — واللہ گڑا جاتا ہوں میں شرم کے مارے
بکھرے ہوئے یاں پھول محمدؐ کے ہیں سارے — صحرا میں کوئی ہے کوئی دریا کے کنارے
ان پھولوں کو مقتل سے اٹھا لینے دو مجھ کو
مٹی میں ستاروں کو چھپا لینے دو مجھ کو

سفاک نے یہ چیں بجبیں ہو کے سنایا — حاکم کا یہ شقہ ہے میرے نام پہ آیا
تو کوفہ میں اب تک سرِ شبیرؑ نہ لایا — صحرا سے خبردار جو لاشوں کو اٹھایا
مرنے پہ بھی راحت تنِ سرور کو نہ دینا
زنہار کفن سبطِ پیمبرؐ کو نہ دینا

چپ ہو گئے سجادِ حزیں سر کو جھکا کر — چلائے تنِ شہ کی طرف منہ کو پھرا کر
جیتا ہوں اگر قید کی تکلیف اٹھا کر — گاڑے گا غلام آپ کو اب شام سے آ کر
حیدرؑ کی حمایت میں تنِ شاہ کو سونپا

آئی یہ صدا تم کو بھی اللہ کو سونپا

یہ سن کے چلے روتے ہوئے عابد بیمار
راہی ہوئے خیموں کو اکھڑوا کے ستمگار

بے غسل و کفن رہ گئی نعش شہ ابرار
جز بے کسی و یاس نہ دلسوز نہ غمخوار

روتے تھے ملک عرش پہ جب روتی تھی زہراؑ

اور لاش پسر سے نہ جدا ہوتی تھی زہراؑ

مابعد شہادت کا ایک منظر

جب کہ خاموش ہوئی شمع امامت رن میں
دن کو پیدا ہوئی ظلمت کی علامت رن میں

اور تڑپنے لگا وہ سرو سا قامت رن میں
صاف ظاہر ہوئے آثار قیامت رن میں

چرخ ہلتا تھا زمیں خوف سے تھراتی تھی

نالۂ فاطمہؑ زہرا کی صدا آتی تھی

شور تھا فاطمہؑ کا راحت جاں قتل ہوا
ہائے پانی نہ ملا تشنہ دہاں قتل ہوا

حق کے سجدے میں امام دو جہاں قتل ہوا
قبلۂ دیں شرف کون و مکاں قتل ہوا

ظلم اعدا سے ہوا یثرب و بطحا خالی

ہو گئی پنجتن پاک سے دنیا خالی

بیبیاں ڈیوڑھی پہ چلاتی ہیں کھولے ہوئے سر
ہائے فرزند علیؑ ہائے محمدؐ کے پسر

کہتی تھی پیٹ کے سر زینب تفتیدہ جگر
سبط احمدؐ تری مظلومی کے صدقے خواہر

تم نے پردیس میں منہ بہنوں سے موڑا بھائی

آپ جنت کو سدھاری ہمیں چھوڑا بھائی

گھر میں زہراؑ کے تو ماتم ہے ستمگاروں نیں عید
روزِ عاشور کو سمجھے تھے لعیں روز سعید
غل تھا سجدہ میں ہوا فاطمہؑ کا لال شہید
آلِ احمدؐ پہ ظفر یاب ہوئی فوج یزید
قتل فرزند ہوا غالبِ ہر غالب کا
کٹ گیا باغ علیؑ بن ابی طالب کا

اپنے خیمہ میں ادھر بیٹھا تھا کرسی پہ عمر
کہ خبرداروں نے ناگاہ یہ دی آ کے خبر
لے مبارک ہو کہ مارا گیا زہراؑ کا پسر
فاطمہؑ روتی رہی کاٹ لیا شمر نے سر
خیمہ کی ڈیوڑھی پہ سیدانیاں چلاتی ہیں
بیٹیاں فاطمہؑ کی رن میں چلی آتی ہیں

کہہ کے یہ کرسئی منزیں سے اٹھا وہ بیدیں
شکر ہے قتل ہوا بادشہ عرش نشیں
آیا خوش ہوتا ہوا سامنے یوں شمر لعیں
سر تھا اک ہاتھ میں اک ہاتھ میں تھا خنجر کیں
کہتا تھا احمد مختار کا گھر خاک ہوا
لے عمر خاتمہ پنجتن پاک ہوا

اس نے دیکھا جو سر پاک امام خوشخو
چاہتا تھا کہ ہنسے پر نکل آئے آنسو
پوچھا یہ شمر سے اے آل پیغمبرؐ کے عدو
کس طرح ذبح کیا مجھ سے مفصل کہہ تو
تیغ جب حلق پہ رکھی تھی تو کیا کرتے تھے
اس نے رو کر کہا امت کی دعا کرتے تھے

جب میں نزدیک گیا کھینچے ہوئے خنجر کیں
قبلہ رو بیٹھے تھے بیہوش شہ عرش نشیں
ہاتھ تھے خاک پہ اور سجدہ خالق میں جبیں
آستیں میں نے جو الٹی تو لرزتی تھی زمیں

عرش تھرایا تھا جب فاطمہؑ چلاتی تھی
الاماں کی مرے خنجر سے صدا آتی تھی

زانو اس سینہ پُر نور پہ میں رکھنے لگا جب
شور تھا چار طرف ہائے غضب ہائے غضب

تھامے ہاتھوں سے جگر کہتے مجھے سلطان عرب
میرا سینہ ہے یہ۔ اس سینے کا لازم ہے ادب

تجھ کو اللہ نہ بخشے گا یہ کیا کرتا ہے
سر شبیرؑ کو خنجر سے جدا کرتا ہے

گردنِ سبطِ پیغمبر پہ جو رکھا خنجر
شہ بیکس نے عجب یاس سے کی مجھ پہ نظر

پھر گئی آنکھ تلے گردشِ چشمِ حیدرؑ
رو کے فرمایا کہ زینبؑ تو نہیں ڈیوڑھی پر

اوٹ کچھ کر لے کہ وہ جی سے گذر جائے گی
ذبح ہوتے مجھے دیکھے گی تو مر جائے گی

ضرب اول میں شہ دیں نے کہا بسم اللہ
دوسری بار پکارے مدد اے یا جداہ

تیسری ضرب میں آئی یہ صدا لے جا لکاہ
بخش دے حشر میں یارب مرے شیعوں کے گناہ

پھر نہ کچھ حضرت شبیرؑ کی آواز آئی
جب گلا کٹ گیا تکبیر کی آواز آئی

شمر ظالم سے خوشی ہو کے لگا کہنے عمر
شکر صد شکر کہ جلدی یہ مہم ہو گئی سر

حکم دے فوج کو کوئی نہ ابھی کھولے کمر
جلد غارت کریں ابن اسد اللہ کا گھر

دن بہت کم ہے بس اب غارت زر و مال کرو
لٹ چکیں خیمہ تو پھر لاشوں کو پامال کرو

شمر چلایا یہ سنتے ہی کہ اے لشکر شام
غارت خیمہ کا ہے حکم۔ چلے فوج تمام

دیر کا وقت نہیں اب کہیں ہو جائے نہ شام — جس کے جو ہاتھ لگے لوٹ لے اسباب تمام
پاس ناموس نبی کے زر و زیور نہ رہے
ہاں سر زینب و کلثوم پہ چادر نہ رہے

یہ سخن سن کے چلے خیمہ پہ اعدا کے پرے — غور تھا رحم نہ ہرگز کوئی رانڈوں پہ کرے
کاٹ کر لاشوں کے سر نوک پہ نیزوں کے دھرے — نہ خدا سے نہ علیؑ سے نہ پیغمبرؐ سے ڈرے
آلِ احمدؐ پہ عجب طرح کی آفت آئی
فوج کیا آئی کہ خیمے میں قیامت آئی

پیٹتی پھرتی تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال — ماؤں کی گودیوں میں چھپتے تھے ڈر سے اطفال
خوف کے مارے سکینہؑ کا عجب تھا احوال — ماں سے لپٹی ہوئی چلاتی تھی وہ نیک خصال
جاں بلب ہوں شہ والا کو بلا دے کوئی
ارے لوگو مرے بابا کو بلا دے کوئی

یہ تلاطم تھا کہ خیمے میں دھنسے غارت گر — اور لٹنے لگا ناموسِ نبیؐ کا زیور
دخترِ فاطمہؑ کے سر پہ نہ چھوڑی چادر — شور تھا جلد بتا دو کہ خزانہ ہے کدھر
مخفی رکھی ہے کہاں سبطِ نبی کی دولت
کیا ہوئی احمد و زہرا و علی کی دولت

بیبیاں کہتی تھیں بکھرائے ہوئے چہروں پہ بال — گھر سخی کا ہے یہ بیجا ہے یہاں زر کا خیال
کرتا تھا فاقے پہ فاقے اسد اللہ کا لال — نہ دفینہ ہے نہ دولت ہے نہ زیور ہے نہ مال
اب حسینؑ ابنِ علیؑ سے ہے زمانہ خالی
ہو گیا آج محمدؐ کا خزانہ خالی

غش میں بستر پہ جو سجاد پڑے تھے تنہا — بیچ اسی میں سکینہ گئی دوڑی اس جا
ننھے سے ہاتھوں سے بازو کو ہلا کر یہ کہا — پھوپی اماں کی ردا چھن گئی اٹھو بھیا

جی مرا ڈرتا ہے چھاتی سے لگا لو مجھ کو
میرے گوہر نہ کوئی چھینے چھپا لو مجھ کو

اٹھو صدقے گئی دیکھو کہ یہ کیسا ہے ستم — برچھیاں تانے ہوئے گھر میں کھڑے ہیں ظالم
کھول کر آنکھ پکارے یہ امام عالمؑ — ہائے شاید سر شبیرؑ ہوا تن سے قلم

رہ گئے ہم اسد اللہ کا پیارا نہ رہا
لٹ گئے خلق میں سرتاج ہمارا نہ رہا

کہتے تھے یہ کہ لعینوں کا ہوا گرد ہجوم — قتل اسکو بھی کرو تھی ملعونوں میں یہ دھوم
برچھیاں تان کے سب بولے کہ اٹھ او مغموم — باپ مارا گیا شاید نہیں تجھ کو معلوم

اونٹ موجود ہیں ناموس کے بٹھلانے کو
بیڑیاں آتی ہیں بھاری ترے پہنانے کو

آ گیا غیظ میں فرزند علیؑ کا دلدار — کانپتے ہاتھوں سے بستر سے اٹھائی تلوار
شمر ظالم سے یہ فرمایا کہ او نابہنجار — تیری سب فوج کو کافی ہوں میں گو ہوں بیمار

او لعیں صاحب شمشیر کا پوتا ہوں میں
قید ہونے کا نہیں۔ شیر کا پوتا ہوں میں

بیچ میں آ گئیں سب بیبیاں کھولے ہوئے سر — بانو چلائی کہ ہے ہے مرے بیمار پسر
کہا زینبؑ نے پھوپی صدقے ہوئی اے نور نظر — کچھ تمہیں یاد ہے کیا کہہ گئے تھے تم سے پدر

جنگ کا قصد نہ اے سید سجاد کرو

صدقہ میں۔ باپ کی باتوں کو ذرا یاد کرو

لے کے بھائی کی بلائیں یہ پکاری کبرا وقت رخصت تمہیں کچھ لکھ کے ہی بابا نے دیا
خط وصیت کا ہے تم اس کو تو پڑھ لو بھیّا لیکے اس نامہ کو سجاد نے آنکھوں پہ دھرا

بولے دیکھوں خط شبیر میں کیا لکھا ہے
اور بیمار کی تقدیر میں کیا لکھا ہے

خط جو کھولا تو یہ لکھا تھا پس از حمد خدا مرے عابد تری تنہائی کے صدقے بابا
ہم تو اب جاتے ہیں خنجر سے کٹانے کو گلا سب کو سونپا تمہیں اور تم کو خدا کو سونپا

تابع مرضی حق عابد و زاہد رہنا
باپ کی بے کسی و یاس کے شاہد رہنا

لوٹنے آئے مرے بعد جو فوج دشمن منہ سے نکلے نہ بجز شکر کوئی اور سخن
طوق لادیں تو خوشی ہو کے جھکانا گردن کیجو امت کی دعا باندھیں جو ہاتھ میں رسن

گھر کے لٹنے کا نہ اے لال تاسف کرنا
میری مسند بھی جلا دیں تو نہ تم اُف کرنا

رکھیو امت پہ نبیؐ کی نظر لطف و کرم کھینچیو تیغ نہ جھنجھلا کے مرے سر کی قسم
ہم کو سب طرح کی قدرت تھی پہ مارا نہیں دم اے مری جاں ڈگے راہِ رضا سے نہ قدم

مر کے بھی تم سے نہ غافل یہ پدر ہووے گا
شام تک ساتھ تمہارے مرا سر ہووے گا

پڑھ چکا باپ کی تحریر کو جب وہ بیمار اشک آنکھوں سے بہے ہاتھ سے رکھدی تلوار
دیکھکر لشکر کفار کو۔ یہ کی گفتار طوق و زنجیر کو لے آؤ نہیں اب انکار

ہاتھ باندھو یہ گرفتار بلا حاضر ہے
پانوؤں سوجے ہوئے حاضر ہیں گلا حاضر ہے

سن کے بیمار کی تقریر بڑھے اہل جفا
پھنس گیا طوق میں وہ چاند سا پر نور گلا
بھائی زنجیر کے نالوں سے قیامت برپا
جب بندھے ہاتھ تو فرمایا کہ یا عقدہ کشا
میں تو صابر ہوں پہ حضرت یہ ستم دیکھتے ہیں
آئی آوازِ ید اللہ کہ ہم دیکھتے ہیں

اتنے میں جلنے لگا خیمۂ سلطان امم
بچے لے لیکے نکلنے لگے ڈیوڑھی سے حرم
دوڑا معصوم سکینہ کی طرف اک ظالم
دونوں کانوں سے گہر چھین لئے وائے ستم
خوں میں کرتے کو بھرا دیکھ کے تھرائی تھی
ہاتھ کانوں پہ دھرے باپ کو چلاتی تھی

گود میں لیکے اسے رونے لگی بانوئے زار
غل ہوا اہل حرم جلد ہوں اونٹوں پہ سوار
اونٹ بٹھلائے تو چلائی یہ زینب اکبار
کس طرف ہو علی اکبرؑ یہ پھوپی تم پہ نثار
گرد اونٹوں کے قنات آکے لگا دو بیٹا
ہاتھ پکڑو مجھے محمل میں بٹھا دو بیٹا

اونٹ آئے ہیں سواری کو پیارے نور نظر
نہ کجاوہ ہے نہ ہودج نہ عماری جن پہ
دیر سے بھائی کو چلاتی ہوں میں خستہ جگر
اپنی ماں جائی کی لیتے نہیں اس وقت خبر
سر پہ چادر نہیں ہے شان ہماری دیکھو
آج ناموس محمدؐ کی سواری دیکھو

یہ جو زینب نے کہا رونے لگے خورد و کلاں
اور اونٹوں کی بھی آنکھوں سے ہوئے آنسو رواں

بس انیس خستہ جگر افگار نہیں تاب و تواں
عرض کر حق سے بصد عجز کہ رب دو جہاں

توبہ کرتا ہوں گناہوں سے پشیماں ہوں میں
عفو کر جرم کہ آلودہ عصیاں ہوں میں

حرم اہلبیتؑ کی کوفہ کی جانب روانگی

جب عصر تک سپاہ خدا رن میں لڑ چکی
یعنی بتولؑ پاک کی کھیتی اُجڑ چکی
آرام اہلبیتؑ کی صورت بگڑ چکی
پردیس میں حسینؑ سے زینبؑ بچھڑ چکی

کنبہ نبیؐ کا مورد بیداد ہو گیا
گھر فاطمہؑ کا ظلم سے برباد ہو گیا

لکھتا ہے اس طرح سے ابومخنف سعید
جس وقت لٹ چکے حرم سرور شہید
وہ دن تھا ابن سعد کے نزدیک روز عید
سب کے سروں کو سامنے منگوا کے وہ پلید

بولا سبھوں کو فتح دکھانا ضرور ہے
نیزوں پہ ان سروں کو چڑھانا ضرور ہے

جب سب کے سر رواں سوئے کوفہ وہ کر چکا
اس وقت دست نحس میں سر شاہ کا لیا
خولی اصبحی کو لعین نے طلب کیا
سر اس کو دے کے سبط پیمبر کا یہ کہا

تھی آرزو کہ قتل امام زمانہ ہو
سر لے کے شہ کا کوفے میں جلدی روانہ ہو

خولی کو اس لعین نے جو سونپا سر حسینؑ
خیمہ میں اپنے لے کے وہ پہنچا سر حسینؑ
رومال میں لعین نے جو باندھا سر حسینؑ
بسمل سا تن کے واسطے تڑپا سر حسینؑ

زہراؑ کا نے علیؑ و نبیؐ کا ادب کیا

کوچ اس نے لیکے شاہ کا سر وقتِ شب کیا

کوفہ میں داخلہ کا منظر

کوفہ میں جب حرم حضرت شبیرؑ آئے — روتے اور پیٹتے با حالتِ تغییر آئے
ننگے سر بلوے میں سب صاحبِ توقیر آئے — پہنے زنجیرِ گراں عابدِ دلگیر آئے
یوں تو اس شہر میں بندی نہ کبھی آئے تھے
ننگے سر رانڈیں تھیں اور لوگ تماشائی تھے

گرم بازار عجب طرح کا تھا بلوۂ عام — سیر کو لوگ گھروں سے چلے آئے تھے تمام
جا کہیں خالی نہ تھی بھر گئے تھے کوچہ و بام — کثرتِ خلق سے مشکل تھا اٹھانا اک گام
کوئی غمگین تھا اور شاد کوئی ہوتا تھا
کوئی ہنستا تھا اسیروں پہ کوئی روتا تھا

شہر کے قلعہ سے ہے ناکے تک انبوہ کثیر — شاد و خرم چلی آتی ہے پیادوں کی بھیڑ
غل تھا عورات میں ہر سمت کہ ہا ہی شبیرؑ — بے خطر ہو کے یہ کہتے تھے صغیر اور کبیر
ننگے اونٹوں پہ جو سیدانیاں محبوس ہیں یہ
احمدؐ و حیدرؑ و شبیرؑ کے ناموس ہیں یہ

آمد فوج مخالف کا کروں کیا میں بیاں — آگے آگے تو چلے آتے تھے لشکر کے نشاں
پیچھے گھوڑوں پہ تھے اسوار نمودار جواں — بج رہا تھا دہل فتح ہر اک تھا شاداں
پہ تماشائیوں کی چھاتی پھٹی جاتی تھی
باجوں سے ہائے حسیناؑ کی صدا آتی تھی

پیچھے ان لوگوں کے مقتولوں کے کوتل گھوڑے — تسمے باگوں کے کٹے گردنوں پہ تیر لگے

زین ڈھلکے ہوئے اور خوں میں سراسر ڈوبے بال سے ان کے ٹپکتے تھے لہو کے قطرے
گردنیں ڈالے ہوئے چپکے چلے جاتے تھے
آنسو ان گھوڑوں کی آنکھوں سے بہے جاتے تھے

پیچھے ان گھوڑوں کے نیزوں پہ شہیدوں کے تھے سر کوئی خورشید لقا اور کوئی رشکِ قمر
راہ کی گرد جمی چاند سے رخساروں پر خشک لب پیاس سے اور خون تھے چہرے سے تر
سر سے ایک ایک کے تھی صولت و شوکت ظاہر
بعد مرنے کے بھی تھی شانِ شجاعت ظاہر

سب کے آگے سرِ عباس تھا نیزے پہ علم بند تھے غنچۂ نرگس کی طرح دیدۂ نم
دیکھ کر اس کو تماشائی یہ کہتے تھے بہم دیکھو تو۔ مر گئے پر بھی ہے۔ عجب جاہ و حشم
رتبہ پہنچا یہ شہنشاہ نبی ہاشم کا
سر ہے نیزے پہ۔ دھرا ماہ نبی ہاشم کا

سرِ اکبر پہ جو پڑتی تھی خلائق کی نگاہ کہتے تھے رو کے کہ کیا رعب ہے کیا حسن ہے واہ
کوئی کہتا تھا کہ واللہ یہ ہے غیرتِ ماہ کوئی گھبرا کے یہ کہتا تھا کہ اے بار الٰہ
نیزے پہ یوسفِ یعقوب کا سر دیکھا ہے
یا سناں پر ترے محبوب کا سر دیکھا ہے

سرِ قاسم کو ہر ایک دیکھ کے کرتا تھا بیاں اس میں سب سید مسموم کی ہے شوکت و شاں
سہرا ماتھے پہ بندھا ہے تو یہ ہوتا ہے عیاں عقد کے بعد یہ نوشاہ ہوا ہے بے جاں
اس طرح بیاہ کسی کا نہ ہوا ہوئے گا
ایسا ناشاد تو کوئی نہ بنا ہوئے گا

اک سناں پر تھا سر سبطِ رسول مدنی
لوگ کہتے تھے کہ تیروں سے ہے پیشانی چھنی
ہے عیاں چہرہ سے مظلومی غریب الوطنی
یہ سر پاک کہاں اور کہاں نیزے کی انی

اس کا کیا نام ہے یارو یہ پسر کس کا ہے
کس سے پوچھیں نہیں معلوم یہ سر کس کا ہے

یہ جو آپس میں تماشائیوں نے ذکر کیا
آئی اس دم سر شاہِ شہدا سے یہ صدا
ایہا الناس میں بیکس ہوں علیؑ کا بیٹا
میرا نانا ہے نبی باپ علیؑ شیر خدا

تن سے سر میرے عزیزوں کا اتارا ناحق
میں وہ ہوں بھوکا پیاسا جسے مارا ناحق

سر سرور نے فصاحت سے کیا یہ جو بیاں
اپنا سر پیٹ کے رونے لگے سب خورد و کلاں
خولی تب آگے بڑھا لے کے سر شاہِ زماں
دیکھا سب لوگوں نے پھر قید میں اک اور جواں

تھا ورم پاؤں پہ تن ضعف سے تھراتا تھا
رسی کھینچے ہوئے اونٹوں کی چلا جاتا تھا

ہتھکڑی ہاتھوں میں اور پاؤں میں بھاری زنجیر
کھینچے تلواریں گئے اس کو لیں پشت شریر
تھی یہ تاکید کہ چلنے میں نہ کیجیو تاخیر
اور تھی ضعف سے اس قیدی کی حالت تغیر

کہتا تھا ظالمو بے جرم ستاتے ہو مجھے
چل نہیں سکتا ہوں کھینچے لئے جاتے ہو مجھے

نہ تو پاؤں میں ہیں نعلین نہ سر پہ دستار
پرزے پرزے ہے عبا جسم ہے کانٹوں سے فگار
مجھ پہ اب رحم کرو ہوں میں ضعیف و بیمار
لڑکھڑاتا ہوں چڑھا ہے مجھے شدت سے بخار

اب غش آیا تو نہیں پھر میں سنبھل سکنے کا

گر پڑا اب سکے تو ہرگز نہیں چل سکنے کا

کہتے تھے رو کے ایک ایک سے یہ زین عبا
کوئی دیتا نہ تھا اس بے کس و مظلوم کی داد
ظلم سے کھینچے لئے جاتے تھے اس کو جلاد
بانو وا شتر سے یہ چلاتی تھی ہے ہے سجاد

جو جو اس بیکس و تنہا پہ ستم ہوتے تھے
پیٹ کر سینہ و سر اہل حرم روتے تھے

جبکہ ڈیوڑھی پہ اسی حال سے پہنچے قیدی
اس گھڑی چھا گئی سر بی بی کے رخ پر زردی
بانو دروازے کے بازو سے لپٹ رونے لگی
خاک پر بیٹھ کے یہ کہنے لگی بنت علیؑ

وہ ہے مرتا ہے صورت نہ دکھاؤں گی میں
سامنے حاکم ظالم کے نہ جاؤں گی میں

عمر سعد نے اس وقت یہ زینبؑ سے کہا
اٹھ کے دربار میں چل تو نے یہ حیلہ ہے کیا
سر برہنہ تجھے بازاریوں نے دیکھ لیا
پیش حاکم تجھے جاتے ہوئے آتی ہے حیا

چل تو چل ورنہ ابھی شمر کو بلواتا ہوں
سر دربار تجھے کھینچے لئے جاتا ہوں

پیٹ کر سر کہا زینب نے کہ او نا ہنجار
میرے بھائی کی طرح میرا بھی سر تن سے اتار
پر نہ لیجا مجھے دربار لعیں میں زنہار
فاطمہؑ ماں ہے مری ہوں میں علی کی دلدار

کھینچ کر تو جو یہاں سے مجھے لے جاوے گا
کیا پیغمبرؐ کو نہ منہ حشر میں دکھلاوے گا

طیش میں آ گیا زینب سے یہ سنتے ہی شریر
جا کے سردار سے یوں کہنے لگا وہ بے پیر
اڑ گئے ہیں در دولت پہ کئی آ کے اسیر
آپ کے خوف سے دے سکتا نہیں میں تعزیر

بنت زہرا کسی تدبیر نہیں آتی ہے
شہ مظلوم کی ہمشیر نہیں آتی ہے

ماجرا سنتے ہی یہ غیظ میں آیا بے دیں — شمر سے کہنے لگا چیں بجبیں ہو کے لعیں
یوں جو ناموس حسین ابن علی آتے نہیں — جا انھیں رسیوں سے باندھ کے لا میرے قریں

میں تو سنتا ہوں بہت بیکس و مجبور ہیں وہ
کوئی وارث ابھی جیتا ہے جو مغرور ہیں وہ

شمر بے دین چلا سنتے ہی حاکم کی یہ بات — رسّی اک لیکے ہوا خولی ملعون بھی سات
پہنچا جب آل محمدؐ کے قریں وہ بدذات — خولی سے کہنے لگا باندھ لے اک اک کے ہاتھ

شمر سے سنتے ہی یہ بیبیاں جی کھونے لگیں
کوئی وارث جو نہ تھا ڈھانپ کے منہ رونے لگیں

خولی رسّی لئے زینبؑ کی طرف جوں ہی بڑھا — دوڑے سجاد یہ کہتے ہوئے کرتا ہے یہ کیا
رُک گئے پھر حضرت زینبؑ سے یہ عابدؑ نے کہا — روبرو حاکم ظالم کے چلو بہر خدا

آپ کے رتبہ سے آگاہ یہ جلاد نہیں
بابا صاحب کی وصیت تمہیں کیا یاد نہیں

ابن زیاد کے دربار میں

رُک کے زینبؑ سے یہ سجّاد نے تقریر جو کی — خاک سے پیٹتی چھاتی کو اٹھی بنت علیؑ
پہنچیں دربار میں رانڈیں تو لگا کہنے شقی — ان میں سے کونسی عورت جو یہاں آتی نہ تھی

عرض کی شمر نے تب زینب دلگیر یہ ہے

دختر فاطمہ ہے۔ شاہ کی ہمشیر یہ ہے

دیکھ زینبؑ کی طرف کہنے لگا وہ ملعون   خواب ہے کہ نہ اسکی سزا میں تجھے دوں
تب کہا زینبؑ بیکس نے بہا چشم سے خوں   مرے رتبہ کو سمجھتا نہیں اے سفلۂ دوں
دین و دنیا کے شہنشاہ کی بیٹی ہوں میں
او ستمگر اسد اللہ کی بیٹی ہوں میں

تجھ کو معلوم نہیں حال مری مادر کا   غیر محرم نے جنازہ بھی نہ جن کا دیکھا
اس کی بیٹی ہوں میں سر ہے مرا مجلس میں کھلا   اب بھی اس ظلم سے دل میں نہیں نادم ہوتا
کیا جواب اس کا پیغمبر کو تو دے گا ظالم
تو نے برباد کیا خانۂ زہرا ظالم

تیغ کیں سبط پیغمبرؐ پہ چلائی تو نے   کی بلا کر مرے بھائی سے برائی تو نے
شکل نامحرموں کو میری دکھائی تو نے   ہائے لوٹی مری اماں کی کمائی تو نے
کچھ سزا تو نے نہ اس ظلم کی پائی ظالم
مر گئے وہ پہ تجھے موت نہ آئی ظالم

سر دربار جو زینبؑ نے کیا یہ ارشاد   برہم اس دم ہوا وہ دشمن دیں حد سے زیاد
بولا غولی سے کہ گویا ہے بہت یہ ناشاد   تیغ کو کھینچ کے آوے کوئی جلدی جلاد
شہ مظلوم کی خواہر کی اتارے گردن
تن سے اس بیکس و مضطر کی اتارے گردن

سن کے یہ کھینچ لی اک دشمن دیں نے تلوار   سر جھکا خاک پہ تب بیٹھ گئی زینبؑ زار
دوڑے تھامے ہوئے زنجیر امام بیمار   لپٹیں یہ کہہ کے تب اس بی بی سے ناشاد ہی جا

ظلم عورت پہ یہ۔ اللہ سے ڈر اے ظالم
دختر فاطمہؑ کو قتل نہ کرا اے ظالم

تخت کے نیچے جو رکھا تھا سرِ شاہِ ہدا — بھائی کے سر کی طرف دیکھ کے زینبؑ نے کہا
کچھ خبر ہے تمہیں جو ظلم ہے مجھ پہ ہوتا — قتل ہوتی ہوں بچاتے نہیں مجھ کو بھیا

ابتو اے فاطمہؑ کے لال کرامت کیجئے
اپنی ہمشیر کی اس وقت حمایت کیجئے

شام کی جانب اہلبیت کی روانگی

وہ قافلہ دمشق کی جانب ہوا رواں — نیزوں پہ تھے شہیدوں کے سرہائے خونچکاں
رسی لئے ہوئے تھے ہونٹوں کی سجاد ناتواں — ہے ہے حسین کہتی تھیں سر کھولے بی بیاں

بچے بھی ماں کی گودیوں میں بے قرار تھے
عابد پیادہ پا تھے ستمگر سوار تھے

منزل پہ کس تعب سے پہنچتے تھے تا بہ شام — تھا ایک کوس ضعف کی شدت سے ایک گام
کہتی ناتوانی کرو اب یہیں قیام — گر تے تھے جب تو اٹھتے تھے لے کر علیؑ کا نام

دم رک گیا جو طوق سے گھبرا کے گر پڑے
کانٹا چبھا تو خاک پہ تھرا کے گر پڑے

علہ ابن زیاد نے شمر وغیرہ کو فوج دے کر حکم دیا کہ حرم اہل بیت اور شہدائے کے سروں کو دمشق دارالسلطنت شام لے جاؤ اور یزید کی خدمت میں پیش کرو شمر وغیرہ قافلہ کو لے کر دمشق کی جانب روانہ ہوئے۔ ۱۲ مؤلف

منزل پہ جا کے سوتے تھے راحت سے بدصفات غم میں پدر کے روتے تھے عابد تمام رات
جز حمدِ حق زباں پہ نہ آتی تھی کوئی بات ہر دم تھا شکرِ نعمتِ معبودِ پاک ذات
کٹتی تھی راہ بندگیٔ بے نیاز میں
شب کو جب اٹھ کے دیکھا تو پایا نماز میں

دمشق میں داخلہ کا منظر

آمد آمد حرم شاہ کی دربار میں ہے صبح سے جشن کا غل شام کے بازار میں ہے
صحبت عیش و طرب مجلس غدار میں ہے شورِ فریاد و بکا عترتِ اطہار میں ہے
نوبتیں بجتی ہیں، دشمن تو خوشی ہوتے ہیں
فاطمہ پیٹتی ہیں شیرِ خدا روتے ہیں

آگے آگے تو ہیں سجاد جھکائے گردن پاؤں بیڑی میں گلا طوق میں گردن میں رسن
شل خورشیدِ فلک شرم سے لرزاں ہے بدن چاک ہے غم میں گریبانِ قبا تا دامن
بیٹھ جاتے ہیں تو جھنجھلا کے اٹھاتے ہیں لعیں
بوریاں نیزوں کی شانوں میں چبھاتے ہیں لعیں

پنڈلیاں سوجی ہیں اور طوق سے چھلتا ہے گلا سخت ایذا میں ہے فرزندِ شہِ کرب و بلا
خار تلووں میں ہیں مقتل سے جو پیدل ہے چلا دھجیاں پاؤں میں باندھے ہے وہ نانوں کا پلا
اس کی مظلومی پہ بیتاب حرم ہوتے ہیں
دیدۂ حلقۂ زنجیر لہو روتے ہیں

پیچھے بیمار کے ہے قافلۂ اہلِ حرم چپ ہیں تصویر سے گویا کسی میں نہیں دم

دخترِ فاطمہ زہرا کا عجب ہے عالم — تھرتھری جسم میں ہے اٹھ نہیں سکتے ہیں قدم
رو کے فرماتی ہیں کس گوشہ میں جائے زینبؑ
ہاتھ کھل جائیں تو منہ اپنا چھپائے زینبؑ

کبھی سجاد سے کہتی ہیں باہ و زاری — مجھ کو دربار کی آفت سے بچاؤ واری
کر کے زاری یہ بیاں کرتا ہے وہ آزاری — صبر فرماؤ جو مرضی جنابِ باری
کم نہ کچھ مرتبہ آلِ عبا ہوئے گا
عاصیوں کا اسی پردہ میں بھلا ہوئے گا

گردنیں بارہ اسیروں کی ہیں اور ایک رسن — جس طرح ہوتے ہیں گلدستہ میں گلہائے چمن
رشتہ دارانِ علی سب ہیں گرفتارِ محن — شرم کے مارے سمٹی جاتی ہے اک شب کی دلہن
دم بدم ساس بھی سر پیٹتی ہے ساتھ اس کے
ابھی کنگنا نہ کھلا تھا کہ بندھے ہاتھ اس کے

ہے اسی رسی میں ننھا سا سکینہؑ کا گلو — دم گھٹا جاتا ہے آنکھوں سے رواں ہیں آنسو
چاک کرتے کا گریباں ہے پریشاں گیسو — سوجے ہیں گال تو کانوں سے ٹپکتا ہے لہو
آہ ہر گام پہ سینے سے نکل جاتی ہے
جب گھڑکتے ہیں ستمگر تو دہل جاتی ہے

ماں سے کرتی ہے اشارہ وہ گرفتارِ ستم — رسی کھلوا دو نہیں گھٹ کے نکل جائیگا دم
رو کے وہ کہتی ہے مجبور ہوں میں کشتۂ غم — ہائے بچی تری قسمت میں تھا یہ درد و الم
صدقے اماں یہ گرہ عقدہ کشا کھولے گا
بی بی اس عقدۂ مشکل کو خدا کھولے گا

ماں سے رو رو کے وہ نادان یہ کرتی ہے بیاں
کس کا دربار ہے اس حال سے جاتی ہوں کہاں
یہ تو کہدو کہیں بابا بھی ملیں گے اماں
کئی دن گذرے ہیں وہ ہیں مری آنکھوں سے نہاں
بھول جائیگا یہ سب دکھ جو انہیں پاؤنگی
دوڑ کر چاند سی چھاتی سے لپٹ جاؤنگی

کہیں دربار میں اماں وہ اگر مجھ کو ملے
دیکھنا کرتی ہوں کیسے شہ والا سے گلے
وہ خبر لیویں نہ گردن مری رسی سے چھلے
اس کو یوں بھولتے ہیں باپ سے بچہ جو پلے
وجہ کیا کونسی تقصیر پہ منہ موڑا ہے
سیلیاں کھانے کو اعدا میں مجھے چھوڑا ہے

کان زخمی ہوئے اور لی نہ خبر واہ رے پیار
خوب بھولے مجھے بابا کی محبت کے نثار
دن میں چھاتی سے لگاتے تھے مجھے سو سو بار
مجھ پہ یہ ظلم ہیں آیا انہیں کس طرح قرار
منہ دکھلانے نہیں شفقت سے بلانا کیسا
خواب میں آئے نہ چھاتی پہ سلانا کیسا

روتے تھے سن کے سکینہ کا بیاں سارے اسیر
ہر قدم پر تھا یہی شور کہ ہے ہے شبیر
اس طرف ہوتی تھی آرائش دربار شریر
تخت پر آپ تھا اور کرسیوں پہ سارے امیر
اک طرف لوٹ کا سب زیور و زر رکھا تھا
اللہ رے فاطمہ کے لال کا سر رکھا تھا

نذریں ہاتھوں پہ لئے آتے تھے سب درباری
پڑھتے تھے تہنیت فتح کو باری باری
جمع دربار میں تھی شہر کی خلقت ساری
یاں تو تھا جشن کا غل اور ادھر تھی زاری
اس طرف سے تو وہ رونے کی صدا آتی تھی

اور اس سمت سے ہے ہے کی صدا آتی تھی

دم بدم تخت سے اٹھ اٹھ کے یہ کہتا تھا شریر
قیدی کیوں جلد نہیں آتے ہیں کیا ہے تاخیر
بڑھ کے اکثر کرتے تھے خبردار یہ اس دم تقریر
ضعف سے پاؤں کو تھم تھم کے اٹھاتے ہیں اسیر
مارے دہشت کے لہو ان کا گھٹا جاتا ہے
ہر قدم ایک ضعیفہ کو غش آجاتا ہے

بولا وہ کونسی عورت ہے وہ محبوس ستم
عرض کی اس لئے کہ ہمشیر شہنشاہ امم
باپ جس کا ہے علی پشت و پناہ عالم
جس کی ماں فاطمہؑ ہے فخر جناب مریم
ہے جو سلطان عرب اس کی نواسی ہے وہ
کلمہ گو جس کے ہیں سب اسکی نواسی ہے وہ

ہے وہی حضرت جعفر کی بہو سینہ فگار
وہی زینبؑ ہے جو شبیر کی تھی عاشق زار
لاش شہ پہ وہی اشتر سے گری تھی کئی بار
بعد مرنے کے بھی ہے بھائی بہن میں وہی پیار
قافلہ یوں تو سبھی شام و سحر روتا ہے
یہ وہ روتی ہے تو شبیر کا سر روتا ہے

بولا وہ کیا ہی پھر اور رہ گئے نہ آنے کا سبب
عرض کی ایک ہی اسی میں سارے ہیں جکڑے ہوئے سب
خاک پر گرتی ہے جب بنت شہنشاہ عرب
شور ہوتا ہے اسیروں میں کہ ہے ہے زینبؑ
ہوش میں آن کے بھائی کو وہ جب روتی ہے
دیر تک قیدیوں میں سینہ زنی ہوتی ہے

انھیں رانڈوں میں ہی ایک دختر فرزند نبیؐ
خو گر سینۂ دلبند رسول عربی
آفت ناوکشی بے پدری تشنہ لبی
دم بدم لب پہ یہ ہے ۔ ابن ابی ۔ ابن ابی

چھاتیاں پیٹتی ہیں اس حد سے وہ روتی ہے
شمر جب آنکھ دکھاتا ہے تو چپ ہوتی ہے

دربار یزید میں داخلہ

ذکر یہ تھا کہ وہ قیدی سرِ دربار آئے
سب پکارے کہ وہ ظالم کے گنہگار آئے
آگے روتے ہوئے سجادِ دل افگار آئے
پیچھے سر کھولے ہوئے عترتِ اطہار آئے
صاف خورشید سی شکلیں جو نظر آتی ہیں
آنکھیں سب ظالموں کی بند ہوئی جاتی ہیں

گو کہ اس روز تھیں سیدانیاں کھولے ہوئے بال
منہ چھپانے کو کسی پاس نہ تھا اک رومال
بیٹیوں کا اسد اللہ کی اللہ رے جلال
آنکھ اٹھا کر کوئی دیکھے نہ کسی کی تھی مجال
جلوۂ روشنیٔ طور نظر آتا تھا
کچھ نہ آنکھوں کو بجز نور نظر آتا تھا

بندہ چشم سے باہر نہ نکلتی تھی نظر
ایک سے پوچھتا تھا ایک کہ قیدی ہیں کدھر
بیٹیاں فاطمہ زہرا کی جو تھیں ننگے سر
دستِ حیدر تھا تماشائیوں کی آنکھوں پر
تھا جو منظورِ خدا آلِ عبا کا پردہ
فاطمہ رکھتی تھیں اپنی ردا کا پردہ

کہا ظالم نے کہ ہاں قیدیوں کو لاؤ قریب
حکم یہ سنتے ہی دوڑے گئے دو چار نقیب
شرم کے مارے ہوا بیبیوں کا حال عجیب
اپنا سر پیٹ کے بانو نے کہا وائے نصیب
کھینچ کر سب کو ستم گار جو لے جانے لگے

حضرت زینبؑ و کلثومؑ کو غش آنے لگے

تخت کے سامنے بندھے ہوئے آئے جو اسیر
دیکھ کر سیدِ سجادؑ کو بولا وہ شریر
سرکشی کرکے نہ سربر ہوئے مجھ سے شبیرؑ
شکر کرتا ہوں کہ خالق نے کیا تم کو حقیر
بیٹھنے کا کہیں دنیا میں سہارا نہ رہا
پنجتن اُٹھ گئے اب زور تمہارا نہ رہا

کس کے ناموس لٹے کس کا ہوا گھر تاراج
کون بے سر ہوا اور کون ہوا صاحبِ تاج
ایک چادر کے لئے کس کی بہن ہے محتاج
کون کمزور ہے اور کون زبردست ہے آج
خلق میں کس کے لئے مرتبۂ عالی ہے
کس کا اقبال ہے اور کس کی بد اقبالی ہے

نہر پہ بازوئے شبیرؑ کو مارا کس نے
جنگ میں اکبرؑ دلگیر کو مارا کس نے
تیر سے اصغرؑ بے شیر کو مارا کس نے
شاہؑ سے صاحبِ شمشیر کو مارا کس نے
فوت بے سر ہوئے سلطانِ حجازی نہ رہے
جن کی تلوار کا شہرہ تھا وہ غازی نہ رہے

سن کے یہ آ گیا بنتِ شہِ مرداں کو جلال
تھرتھرا کر کہا کیا بکتا ہے او بد اقبال
صاحبِ عزت و توقیر محمدؐ کی ہے آل
کبھی ہم لوگوں کی عزت پہ نہ آئے گا زوال
ہم کو بے قدر جو سمجھا تو خطا کرتا ہے
دیکھ مصحف میں خدا کس کی ثنا کرتا ہے

ہاں بتا آیۂ تطہیر کسے آیا ہے
دوست اپنا کسے اللہ نے فرمایا ہے
ہل اتیٰ کس کے لئے روح امیں لایا ہے
کس نے معراج کا دنیا میں شرف پایا ہے

قرب ایسا کسے اللہ کی درگاہ میں ہے
فرق قوسین بتا کس میں اور اللہ میں ہے

زور اپنا کسے اللہ نے امداد کیا — خانۂ کفر کو کس شیر نے برباد کیا
حق نے قرآن کے سورہ میں کسے یاد کیا — کس کو اکملت لکم دینکم ارشاد کیا
کس سے ہر جنگ میں عاجز صف کفار آئی
بدر میں کس کے لئے عرش سے تلوار آئی

آل احمد کو حقارت سے نہ دیکھ او مقہور — سب پہ روشن ہے کہ ہم لوگ ہیں اللہ کے نور
مار کر سبط پیمبرؐ کو یہ نخوت یہ غرور — خیر ہم دور نہ تو دور نہ حشر ہے دور
حق کا دریائے غضب جوش میں جب آئیگا
باندھنا ہاتھ کا سادات کے کھل جائیگا

فخر کیونکر نہ کرے تو کہ یہ ہے فخر بجا — تو نے اللہ کے محبوب کا کاٹا ہے گلا
ہو گئے سرخ لہو میں حسن سبز قبا — فاطمہ ذبح ہوئی شیر خدا قتل ہوا
آگ دی خیمہ کو اور زیور و زر لوٹ لیا
جس کے درباں تھے ملک تو نے وہ گھر لوٹ لیا

تیرے ناموس تو ہیں پردہ نشیں اے اظلم — بال بکھرائے کھڑے ہیں ترے دربار میں ہم
ہائے بے پردہ ہو بانوئے امام عالم — ہے سکینہ پہ وہ ظلم اور یہ کبرا پہ ستم
ننگے سر قید میں اک رات کی بیاہی آئی
تجھ کو شادی ہوئی اور ہم پہ تباہی آئی

کئے زینبؑ نے فصاحت سے یہ جس وقت کلام — کانپے سینوں میں جگر ملنے لگے لوگ تمام

تخت کے نیچے دھرا تھا جو سرِ پاک امام
متوجہ ہوا شرما کے اودھر حاکمِ شام
اور ان ظلم رسیدوں پہ جفا کرنے لگا
لبِ فرزندِ پیمبرؐ پہ چھڑی دھرنے لگا

کھول کر چوب سے لب ہائے شہنشاہِ عرب
کہتا تھا پارۂ یاقوت سے بہتر ہیں یہ لب
در دنداں ہیں یہ تاباں کہ خجل ہیں کوکب
پیٹ کر سینہ کو زینبؑ نے کہا ہائے غضب
نہ محمدؐ سے نہ حیدر سے حیا کرتا ہے
قطع ہو جائے ترا ہاتھ یہ کیا کرتا ہے

اس چھڑی کو مرے بھائی کے لبوں سے سرکا
بوسے لیتے تھے انھیں ہونٹوں کے محبوبِ خدا
بہرِ امت انھیں ہونٹوں سے دعا کی ہے سدا
انھیں دانتوں پہ گہر کرتی تھی صدقے زہرا
تجھ کو پیارے نہیں گو ہم کو تو پیارے ہیں یہ
عرش تک جنکا ہے شہرہ وہ ستارے ہیں یہ

یہ ستم بھائی پہ کن آنکھوں سے دیکھے ہمشیر
اے ستمگر سرِ بے تن کی بھلا کیا تقصیر
یہ چھڑی ہائے غضب اور لبِ پاکِ شبیرؑ
نہ ستا مجھ کو میں ہوں بنتِ شہِ خیبر گیر
ان کھلے بالوں کو اب ہاتھوں پہ دھرتی ہوں میں
لے شکایت تری اللہ سے کرتی ہوں میں

کہہ کے یہ غیظ میں آئی جو علیؑ کی جائی
آسماں آگئے جنبش میں زمیں تھرائی
سرِ شبیرؑ سے ناگاہ صدا یہ آئی
تھام لے غصہ کو زینبؑ ترے صدقے بھائی
نہ بلا طلم میں کہیں قہرِ الٰہی آجائے
کہیں امت کی نہ کشتی پہ تباہی آجائے

سرِ شبیرؑ تھے زینب سے جو یہ کی تقریر　　آ کے غصہ میں لگا کانپنے حاکم بے پیر
شمر سے بولا کہ بس اس کی یہی ہے تعزیر　　سب کو لیجا کے تو کر سخت خرابے میں اسیر

بس نہیں اب جگر و قلب پھٹا جاتا ہے
حال زنداں کا نہیں منہ سے کہا جاتا ہے

زنداں کا ایک منظر

آفت میں گرفتار ہیں ناموسِ محمدؐ　　مجبور ہیں ناچار ہیں ناموسِ محمدؐ
سرور کے عزادار ہیں ناموسِ محمدؐ　　اور جینے سے بیزار ہیں ناموسِ محمدؐ

زنداں کی صعوبت ہے غریب الوطنی ہے
غل ہائے حسینا کا ہے اور سینہ زنی ہے

کھانا ہے نہ پینا ہے نہ راحت ہے نہ سونا　　ہے خاک کا فرش اور نہ تکیہ نہ بچھونا
یاد آتا ہے جب وارثوں کی جان کا کھونا　　چھٹتا نہیں مظلوموں سے منہ ڈھانپ کے رونا

نورانی بدن خاک سے بیبیوں کے اٹے ہیں
عریاں ہیں سر اور سب کے گریبان پھٹے ہیں

اکبرؑ کی جوانی کا کسی رانڈ کو غم ہے　　اصغر کے لیے چشم کسی بی بی کی نم ہے
عباس کی فرقت کا کسی دل پہ الم ہے　　دولھا کو کوئی روتی ہے سر تا تو پہ خم ہے

کرتی ہے کوئی یاد محمد کے پسر کو
دیوار سے رو کر کوئی ٹکراتی ہے سر کو

کہتی ہے کوئی لوٹا گیا باغ ہمارا　　ہے ہے مرے بچے کو ستم گاروں نے مارا

مجھ رانڈ کا پیری میں رہا کچھ نہ سہارا　　　دنیا سے مرا لال جواں ہو کے سدھارا

شادی بھی ہوئی تھی نہ مرے لخت جگر کی
میں مر نہ گئی ہائے بلا لے کے پسر کی

کہتی تھی کوئی حال بہت غیر ہے میرا　　　لوگو کسی گھر میں نہیں دیکھا یہ اندھیرا
کہتی تھی یہ کبرا مجھے زحمت نے ہے گھیرا　　　منہ مجھ کو سکینہ نظر آتا نہیں تیرا

میں کاہے کو واقف تھی اسیری کی محن سے
گھٹ گھٹ کے بس اب جان نکل جائیگی تن سے

ہر شام و سحر شور یہ تھا ہائے حسیناؑ　　　اب تک نہ کفن تم کو ملا ہائے حسیناؑ
کاٹا ترا ظالم نے گلا ہائے حسیناؑ　　　کنبہ ترا آفت میں پھنسا ہائے حسیناؑ

تم چھٹ گئے کٹوا کے گلا رنج و الم سے
اب کون چھڑاویگا ہمیں قید ستم سے

ہند کا زنداں میں جا کر حرم اہلبیت سے ملاقات کرنا

جب سنی ہند کے آنے کی خبر زینبؑ نے　　　یاس سے کی سوئے افلاک نظر زینبؑ نے
شرم سے ناقو پہ تھوڑا لیا سر زینبؑ نے　　　کہا ایک ایک سے با دیدۂ تر زینبؑ نے

خاک لے کر مرے چہرے پہ لگاؤ لوگو
ہند آتی ہے کہیں مجھ کو چھپاؤ لوگو

ف ہند یزید بن معاویہ کی ام ولد تھی اس کو جب اسیروں کا حال معلوم ہوا تو وہ قید خانہ میں اسیروں کو دیکھنے گئی۔ ۱۲ مولف

اب یہ دکھلانے کے قابل نہیں صورت میری
اب نہ وہ رتبہ ہے میرا نہ وہ عزت میری
بھائی کے ساتھ گئی دولت و حشمت میری
اس لئے پہچانا جو آکر تو ہے ذلت میری

گو کہ نورِ نظرِ صاحبِ معراج ہوں میں
ایک چادر کے لئے آج تو محتاج ہوں میں

اس نے دیکھا ہے مدینہ میں مرا جاہ و حشم
گھر تھا آباد سلامت تھے شہنشاہِ امم
قید اب خانۂ زنداں میں ہوں میں کشتۂ غم
نیل بازو پہ ہیں رسّی کے اور آنکھوں پہ ورم

چاک ماتم میں گریباں۔ کھلے سر ہوں میں
شرم آتی ہے کہ شبیرؑ کی خواہر ہوں میں

اب نہ وارث کوئی سر پہ ہے نہ کوئی والی
ہو گیا فاطمہ زہرا کا بھرا گھر خالی
سخت جاں رہ گئی ہوں ایک میں رونے والی
اقتدار اس کو ہے اور یاں ہے پریشاں حالی

آج ہر طرح مجھے ہند سے ذلت ہو گی
نام لوں گی تو بزرگوں کی خجالت ہو گی

منہ چھپانے کی یہ ہے وجہ یہ باعث یہ سبب
گر کہا میں نے کہ ہوں بنتِ شہنشاہِ عرب
طعن سے وہ یہ کہیں گی کہ نہایت ہی عجب
بھائی تو قتل ہوا اور رہی جیتی زینبؑ

نام رہتا جو یہ آوارہ وطن مر جاتی
بھائی سے پہلے مناسب تھا بہن مر جاتی

وہ تو ہے تخت نشین اور میں ہوں خاک نشیں
بہ رہ جائے جو ہو جاؤں میں پیوند زمیں
اس خرابے میں تو لوگو کوئی حجرہ بھی نہیں
کیا کروں ہائے کہاں جا کے چھپوں میں غمگیں

اے اجل آ کہ نہ رسوائے جہاں ہو زینبؑ

اے زمیں تھوڑی دہل جا کہ نہاں ہو زینبؑ

کہہ کے یہ خاک کو چہرے پہ ملا آخر کار — پیچھے سب بیبیوں کے جا کے چھپے وہ ناچار
رکھ کے سر زانو پہ رونے لگی جوں ابر بہار — ناگہاں آن کے ڈیوڑھی پہ پکارے خونخوار

اٹھو اے قیدیو کیا بیٹھے ہو تعظیم کرو
زوجۂ حاکم شام آتی ہے تسلیم کرو

حال یہ تھا کہ ہوئی ہند کی آمد اک بار — روشنی آگے تھی اور پیچھے کنیزیں دو چار
مہندی ہاتھوں میں ملے پہنے لباس زرتار — ہند بھی غرق جواہر تھی بصد عزو وقار

واں یہ ساماں تھا اسیروں کے دکھانے کیلئے
یاں ردائیں بھی نہ تھیں منہ کے چھپانے کیلئے

جوں قدم ہند نے دروازۂ زنداں میں رکھا — تب نگہبانوں نے گھبرا کے خواصوں سے کہا
عرض کر دو کہ ٹھہر جائیں حضور ایک ذرا — ایک جواں بھی اسی زنداں میں ہے محبوس بلا

یا تو بیمار کی آنکھیں اُسرا بند کریں
یا ہم آ کر کسی حجرے میں جدا بند کریں

ہند ٹھہری تو یہ رو کر کسی عورت نے کہا — دیکھ آئی ہوں میں بیمار سا ہے اک لڑکا
نہ پرستار ہے کوئی نہ دوا ہے نہ غذا — فاقہ کش بیکس و مظلوم غریب الغربا

کھول سکتا ہے نہ آنکھیں نہ اٹھا جاتا ہے
آہ آتی ہے جو لب تک تو غش آ جاتا ہے

ہند کے دل پہ یہ سنتے ہی کیا غم نے اثر — کہا بتلاؤ کہ وہ خاصۂ باری ہے کدھر
اللہ زمانے میں ہیں ایسے بھی بشر — ہائے اس حال کی پہلے سے نہ تھی مجھ کو خبر

یہ سخن کہہ کے جو آگے بڑھی تو دیکھا یہ حال
خاک پر ایک جواں بیٹھا ہے خورشید جمال
بال ہیں سر کے بڑھے ضعف ہی چہرے پہ کمال
طوق کے بوجھ سے گردن کا اٹھانا ہی محال
ٹکڑے ٹکڑے تن پہ نور میں ایک جامہ ہی
نہ ردا دوش پہ نہ فرق پہ عمامہ ہے

ہے نشاں سجدے کا اختر کی طرح سے روشن
جا بجا طوق سے مجروح ہے نازک گردن
نہ تو ابرو پہ گرہ ہے نہ جبیں پر ہے شکن
طوق گردن سے یہ پیدا ہے کہ ہے چاند گہن
نیر برج شرف خاک پہ افتادہ ہے
شان و شوکت سے ہے ظاہر کہ نبی زادہ ہے

دل سے وہ بولی یہ کیا سانحہ ہے یا اللہ
کس کا گھر لٹ گیا کشتی ہوئی کس کی یہ تباہ
کس سے پوچھوں میں یہ ہی کون سی اقلیم کا شاہ
ایسا سرزد ہوا کیا اس تری بندے سے گناہ
کس طرح کہیئے کہ یہ صاحب توقیر نہیں
آئی آواز کہ اس کی کوئی تقصیر نہیں

سامنے ہند گئی اور کیا جھک کے سلام
جوڑ کر ہاتھ یہ کی عرض کہ اے عرش مقام
ترک آداب ہے ہر چند یہ بتلائے نام
کہا مولا نے کہ مظلوم و غریب و ناکام
قید ہوں ظلم رسیدہ بھی ہوں نادار بھی ہوں
اس لٹے قافلہ کا قافلہ سالار بھی ہوں

بولی وہ کون سی بستی تھی جہاں تھا مسکن
رو کے فرمایا غریب الوطنی اب ہے وطن

باپ کو پوچھا تو بولے شہ بے گور و کفن — کہا ہمدرد بھی ہے کوئی کہا طوق و رسن
دل کے جلنے کا سبب داغِ پدر بتلایا
اس لئے پوچھی جو غذا خونِ جگر بتلایا
بولی وہ کوئی عزیزوں میں بھی تھا اے غمگین — رو کے فرمایا کہ سب تھے مگر اب کوئی نہیں
ایک بھائی تھا کہ مشہور تھا یوسف سا حسین — سرو قد مہر لقا غنچہ دہن ماہ جبیں
چار گیسو رخِ انور پہ پڑے رہتے تھے
لوگ ہر وقت زیارت کو کھڑے رہتے تھے
نہ وہ بھائی ہے نہ عمو ہیں نہ سر پہ ہے پدر — اک ہمیں باقی ہیں سب کر گئے دنیا سے سفر
سترہ شخص ہوئے آنکھوں کے آگے بے سر — ان کا دھیان آتا ہے جس وقت تو پھٹتا ہے جگر
اب کئی بیبیاں ہیں ساتھ کہ جی کھوتی ہیں
اپنے بچوں کے لئے آٹھ پہر روتی ہیں
ہند کے دل پہ یہ سن کر ہوا اندوہ و قلق — کہا حضرت کی غریبی پہ جگر ہو گیا شق
آپ نے حال مفصل نہ سنایا مطلق — دور رانڈوں میں جانیکی اب اے خاصۂ حق
دیکھے پرسا انھیں کچھ حرف و حکایات کروں
آرزو ہے کہ اسیروں کی ملاقات کروں
سر کو نہوڑا کے یہ سجاد نے ارشاد کیا — فائدہ دکھ زدی رانڈوں کی ملاقات سے کیا
نہ کسی پاس قصابہ ہے نہ سر پہ ہے ردا — کھول کر بالوں کو چہروں کا کیا ہے پردا
بخدا صاحبِ غیرت ہیں وہ شرمائیں گی
پوچھو گی نام و نسب کو تو وہ مر جائیں گی

اس نے اصرار کیا آپ نے سر نہوڑا یا گئی رانڈوں کے قریں ہند تو رونا آیا
سر جھکائے ہوئے ہر ایک کو روتا پایا ہاتھ مل مل کے خواصوں سے یہی فرمایا

ایسی شہزادیوں کی ہائے یہ توقیریں ہیں
کس کے ماتم کے مرقع کی یہ تصویریں ہیں

اتنے میں جا پڑی اسکی رخ زینبؑ پہ نگاہ منہ سے بیساختہ نکلا کہ زہے عزت و جاہ
گو کہ یہ خاک پہ بیٹھی ہیں یہ احوال تباہ یہ عجب نور عجب شان ہے سبحان اللہ

غیر زہرا کسی بی بی کا یہ رتبہ کب ہے
میں قسم کھاتی ہوں یا فاطمہؑ یا زینبؑ ہے

کہہ کے یہ بیٹھ گئی سامنے آکر فی الفور بال سر کا کے نظر کی رخ اقدس پہ بغور
دل سے کہنے لگی سب ہے وہی نقشہ وہی طور بس یقیں ہو گیا زینبؑ ہے نہیں یہ کوئی اور

پھر یہ کہتی تھی کہ وہ صاحب توقیر کہاں
یہ خرابہ کہاں اور زینبؑ دلگیر کہاں

جوڑ کر ہاتھ کہا سر تو اٹھاؤ بی بی کیوں جھکی جاتی ہو شکل اپنی دکھاؤ بی بی
کیا مصیبت ہوئی روداد سناؤ بی بی میں موئی جاتی ہوں آنسو نہ بہاؤ بی بی

منہ سے کچھ بات کرو دل پہ قلق ہوتا ہے
آپ کے رونے سے سینہ مرا شق ہوتا ہے

گر ردا سر پہ نہیں کون سی ہے شرم کی بات صدقے جاؤں میں نہ ملنے کے یہ ہیں مکروہات
نہ تو دولت کو نہ حشمت کو ہے دنیا میں ثبات رو نہ دو اسطے نیکوں کے ہے اے نیک صفات

رنج دنیا میں ہے خاصان خدا کی خاطر

سب سے افزوں ہے بلا اہل ولا کی خاطر

رتبہ حضرتِ زہراؑ سے تو ہوگی آگاہ زوجہ شیر خدا سیدۂ عالی جاہ
جن کی توقیر تھی مریم سے فزوں پیش الہ تم کو لازم ہے کرو ان کی مصیبت پہ نگاہ
ایسی بی بی پہ یہ دنیا میں پریشانی تھی
فاقہ پر فاقہ تھا اور آسیہ گردانی تھی

نہ میسر تھی بجز نان جویں اور غذا کھانا اک دن جو بہم پہنچا تو دو دن نہ ملا
اور ملبوس یہ تھا چھال کی تھی ایک ردا اس میں بھی سیتی تھیں پیوند پہ پیوند سدا
شکر حق کرتی تھیں تکلیف اٹھا لیتی تھیں
دن کو تو اوڑھتی تھیں شب کو بچھا لیتی تھیں

اب نہ زہراؑ نہ پیمبرؐ ہیں نہ حیدرؑ نہ حسنؑ ایک شبیرؑ کے دم سے ہے مدینہ روشن
ایک زینبؑ ہیں کہ سب جن میں ہیں زہراؑ کے چلن صد و سی سال سلامت رہیں وہ بھائی بہن
مری آنکھوں کے تلے پھرتی ہے صورت انکی
پھر وہ دن ہو کہ کروں جا کے زیارت انکی

عسرتِ فاطمہؑ زہرا کا جو احوال سنا دم بخود سب رہیں پر ضبط نہ فضہ سے ہوا
کوٹ کر چھاتی کو کہنے لگا چلا چلا ہائے بی بی تری مظلومی پہ لونڈی ہو فدا
ایسے دکھ پائے کہ بچوں سے بھی منہ موڑ گئیں
قید ہونے کو بڑھاپے میں مجھے چھوڑ گئیں

سن کے فضہ کا بیاں رونے لگے اہل حرم تب کہا ہند سے زینبؑ نے یہ با دیدۂ نم
اے بہن وجہ یہ ہے جو ہوئے قیدی اس قسم زیر دیوار رسولِؐ دوسرا رہتے تھے ہم

رتبہ فاطمہؑ کو یوں سبھی پہچانتے ہیں
انپہ جو گذرے مصیبت وہ ہمیں جانتے ہیں

ساتھ اس بی بی کے محسن کا کیا غم ہم نے — دل سے کی خدمتِ مخدومۂ عالم ہم نے
ساتھ بیماری میں چھوٹا نہیں یکدم ہم نے — مرگئیں جب تو بچھائی صفِ ماتم ہم نے
غمِ محسن کے سوا داغ یہ تازہ دیکھا
شب کو اٹھتے ہوئے بی بی کا جنازہ دیکھا

ہند بولی کہ ہے کس گھر کے قریب آپ کا گھر — اللہ الحمد کہ اب پاؤں گی آقا کی خبر
یاد میں ان کے گذرتی ہے مجھے شام و سحر — کہئے کس طور سے ہے حضرت زہرا کا پسر
یاں تو مدت سے یہ چرچا ہے کہ اب آتے ہیں
چھوڑ کر روضۂ احمدؐ کو وہ کب آتے ہیں

کہئے کے بیٹیاں کے بیٹے ہیں اب نام خدا — حسن ہمشکلِ پیمبرؐ کا بہت ہے شہرا
سن میں اٹھارہ برس کا ہے وہ خورشید لقا — ہیں مسیں بھیگتی آغاز ہوا ہے سبزہ
روح مادر ہے دلِ جانِ شہِ والا ہے
کہتے ہیں حضرت زینبؑ نے اسے پالا ہے

اس کی شادی بھی کہیں شاہ نے ٹھہرائی ہے — ابھی بن بیاہا ہے یا گھر میں دلہن آئی ہے
گھر کی زینت ہی رہی اور وہی زیبائی ہے — پسرِ فاطمہؑ نے کیسی بہو پائی ہے
مثل گل بیٹے کو ہنستا جو وہ پاتی ہوگی
ماں تو خوشوقتی سے پھولوں نہ سماتی ہوگی

جب سے اس گھر سے مقدر نے چھڑایا مجھکو — کوئی خط حضرت زینبؑ کا نہ آیا مجھکو

جائے شکوہ کی یہاں تک ہے بلایا غیر کو — بیاہ میں بیٹوں کے جھوٹوں نہ بلایا مجھ کو

ابھی ہوں دور بعید شہر گئی تو کیا ہووے گا
کبھی قسمت نے ملایا تو گلہ ہووے گا

شہربانو کو بھی ہے دیکھنے کا شوق کمال — بیٹی سلطان عجم کی ہے وہ فرخندہ فال
خوش صفتی یوں کہ رکھتی ہے عجب حسن و جمال — اس پہ شیدا ہے نہایت اسد اللہ کا لال

اس کے بچے بھی بنیں اور وہ سدا شاد رہے
کوکھ آباد رہے مانگ بھی آباد رہے

سن کے یہ ہو گئی بیتاب علیؑ کی جائی — تھا یہ نزدیک کہ پھٹ کے ہے بہ جائی
مردنی سی رخ بانوئے حزیں پہ چھائی — اڑ گیا رنگ مگر آہ نہ لب تک آئی

پھر دل زار نے سینے میں نہ آرام لیا
یک بیک ہائے لپک کر کے جگر تھام لیا

آہ سے بانو کی تھرا گیا سینے میں جگر — ہند کہنے لگی زینبؑ سے مخاطب ہو کر
ذکر پہ شادی اکبرؑ کے یہ ہے کیوں مضطر — بولی زینبؑ کہ جواں مر گیا ہے اس کا پسر

دردِ دل ہے کوئی دم چین نہیں لیتی ہیں
ذکر اولاد جب آتا ہے تو رو دیتی ہیں

جب کئی بار کیا ہند سے زینبؑ نے کلام — منہ تو ڈھکی تھی مگر تھا اسے عبرت کا مقام
شان زہراؑ کی سراپا سے عیاں تھی جو تمام — ہو گیا صاف یقیں ہے یہی ہمشیر امام

بولی صدقے تو ذرا ہو لئے دو قربان گئی
بس تمہیں حضرت زینبؑ ہو میں پہچان گئی

کہا زینبؑ نے کہ اے ہند یہ بیجا ہے گماں دختر حیدرؑ کرار کہاں اور میں کہاں
ہو نہیں جس حال میں زینبؑ کی یہ تھی شوکت و شاں اس کے بازو پہ کبھی دیکھے تھے رسی کے نشاں
کبھی زنداں میں کھلے سر بھی اسے دیکھا تھا
کبھی بے مقنعہ و چادر بھی اسے دیکھا تھا

دختر فاطمہؑ اور شام کے زنداں میں اسیر بیٹی محتاج ردا باپؑ دو عالم کا امیر
کیا محمدؐ کی نواسی کی یہی تھی توقیر قید کیونکر وہ ہوئی قتل ہوئے کیا شبیرؑ
رتبہ دختر زہراؑ کے برابر کب ہوں
گر حسینؑ اٹھ گئے دنیا سے تو میں زینبؑ ہوں

کہہ کے یہ غش ہوئی وہ دختر سلطان عرب بیبیاں اٹھ کے لگیں سینہ و سر پیٹنے سب
فضہ چلائی کہ ہے ہے مری بیکس زینبؑ کون بہلائے تمہیں ہو گئیں بن بھائی کی اب
قتل شبیرؑ کا احوال سنایا نہ گیا
قید میں نام بھی غیرت سے بتایا نہ گیا

ہند بولی ہوئی معلوم حقیقت ساری ہے غضب لٹ گئی زہراؑ و علیؑ کی ساری
میں تو کہتی تھی کہ زینبؑ ہے یہی دکھیاری ارے لوگو کہو کیا ظلم ہوا اک باری
کس نے بے جرم شہ جن و بشر کو مارا
کس نے خاتون قیامت کے پسر کو مارا

آنکھیں تلووں سے جو ملنے لگی با درد و بکا ہوش میں آن کے یہ حضرت زینبؑ نے کہا
میں عزادار ہوں اے ہند مجھے دے پرسا کٹ گیا فاطمہؑ کے لال کا خنجر سے گلا
دونوں حیدرؑ کے نواسوں کو بھی رو بیٹھی ہوں

علی اکبرؑ کو بھی ان ہاتھوں سے دکھو بیٹھی ہوں

ہاتھ رکھے ہے کلیجہ پہ جو با درد و الم
شہر بانو ہے یہی دختر سلطان عجم
یاد اکبرؑ کی نہیں بھولتی اس کو اک دم
کبھی داماد کا غم ہے کبھی وارث کا الم

علی اصغرؑ کو جو راتوں کو یہ چلاتی ہے
ساتھ زہرا کے بھی رونے کی صدا آتی ہے

پھینک دی مہندی نے یہ سنتے ہی سر پہ سے ردا
پیٹ کر چھاتی کو چلائی کہ ہے ہے آقا
مرے سید مرے مظلوم و غریب و تنہا
تیری غربت کے تصدق تری تربت پہ فدا

صف بچھا کر تمہیں پلنگ نہ روئے آقا
قید کنبہ ہوا تم قبر میں سوئے آقا

کہا منہ پیٹ کے زینبؑ نے بصد آہ و فغاں
پسر فاطمہؑ نے پائی ابھی قبر کہاں
سر تو شہروں میں پھرایا گیا بالائے سناں
دھوپ میں جلتی ہے واں لاش امام دو جہاں

کون بیکس کی حمایت کا اٹھانے والا
طوق و زنجیر میں ہے قبر بنانے والا

گر ردا سر سے مرے چھین نہ لیتے دشمن
شہ مظلوم کو دیتی اسی چادر کا کفن
لاش سے ہوتی تھی رخصت جو میں آوارہ وطن
آئی دو بار صدا چھوڑ چلیں ہم کو بہن

یہ تو کہتا نہیں تم قبر بناتی جاؤ
ایک چادر مرے لاشہ پہ اڑھاتی جاؤ

ہندؑ اور یزید بن معاویہ کا مکالمہ

یہ حالِ پیمبرؐ کا نظر آیا جو اک بار ‏ تھرایا دلِ ہندؑ ہوئی خواب سے بیدار
سر پیٹتے آئے تھے جہاں احمدِ مختار ‏ اس حجرے میں روتی گئی با دیدۂ خونبار
دیکھا کہ لگن میں سرِ شبیرؑ دھرا ہے
اور تا بہ فلک روشنیٔ نورِ خدا ہے

پہچانی جو وہ خوں بھری شبیرؑ کی صورت ‏ بیتاب تھی اک دم میں ہوا جوشِ محبت
اس سر پہ گری رو رو کے با صد رہ حسرت ‏ کہتی تھی کہ اے دلبرِ خاتونِ قیامت
جیتا تمہیں قسمت نے نہ اک بار دکھایا
جب مر گئے تب آخری دیدار دکھایا

عہ بیان کیا جاتا ہے یزید کی ام ولد ہندؑ نے عورتوں سے مدینہ کے قیدیوں کا حال سنا اور اس نے یزید سے اجازت حاصل کر کے ان سے ملاقات کی اور پھر یزید سے ان کے بارہ میں گفتگو کی اور بعض کا بیان یہ ہے کہ وہ خرابہ یا قید خانہ جس میں اہلِ حرم اہلبیتؑ نظر بند تھے محلِ شاہی سے ملا ہوا تھا ہندؑ نے آہ و زاری کی آوازیں سنیں اور عورتوں سے دریافت کیا تو معلوم ہوا مدینہ کے قیدی ہیں یہ ان سے ملنے گئی اور واپس آ کر خواب دیکھا اور پھر سرِ حسینؑ کی زیارت کی اور اس کے بعد یزید سے گفتگو کی بعض کہتے ہیں، ہندؑ نے خواب میں حضور صلعم کو یہ فرماتے دیکھا امت نے تجھے حیف مجھا نا مرا پیارا تھا مجھ کو تو ہرگز نہ ترا رنج گوارا۔ اے پیارے نواسے مرے آخر تجھے مارا کس ظالم نے بٹیا ترا سر تن سے اتارا بے جرم و ستم قتل کیا فوج شقی نے۔ پانی نہ دم ذبح دیا تجھ کو کسی نے۔ اس خواب سے ہندؑ بے قرار ہو گئی اور جس حجرہ میں حضور تشریف لائے تھے اس میں جا کر سرِ حسینؑ کی زیارت کی اور اس نے یہ محسوس کیا کہ گویا سرِ حسینؑ اس کو مخاطب کر کے اپنی مظلومی بیان کر رہے ہیں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سرِ حسینؑ نے ہندؑ کو بتایا کہ تیرے شوہر نے مجھ کو قتل کرایا اور حرم اہلبیت کو قید کیا ہے یہ سن کر وہ یزید کے پاس گئی اور اس سے قیدیوں کی رہائی کے موضوع پر گفتگو کی ۱۲ مؤلف

اعجاز سے فرمانے لگا یوں سر شبیرؑ — میں کیا کہوں اے ہندہ نہ تھی کچھ میری تقصیر
ناحق مری گردن پہ چلی ظلم کی شمشیر — مہماں نہیں یاں قید ہوں میں بیکس و دلگیر
کیا خلد میں آرام ہو زہراؑ و علیؑ کو
شوہر نے ترے قتل کیا آلِ نبیؐ کو

فرما چکا جب یہ سر سبطِ شہِ لولاک — تب ہندہ نے رو رو کے گریبان کیا چاک
عالم کا تفحص لگی پھر کرنے وہ غمناک — اک حجرۂ تاریک میں بیٹھا تھا وہ سفاک
کہتا تھا کہاں منہ کو چھپاؤں میں نبیؐ سے
محجوب ہوں میں قتلِ حسینؑ ابن علیؑ سے

سن کر یہ سخن ہند گئی حجرے کے اندر — رو کر کہا کیا قہر کیا تو نے ستمگر
یہ خواب ابھی دیکھ کے اٹھی ہوں میں مضطر — گھر میں مرے سر پیٹتے آئے ہیں پیمبرؐ
مخدومۂ عالم کا سر پاک کھلا ہے
اور احمدؐ مرسل کا گریبان پھٹا ہے

قیدی ہیں کہاں اہل حرم اے ستم ایجاد — شہزادیاں کرتی ہیں کہاں نالہ و فریاد
ہیں طوق و سلاسل میں کہاں حضرت سجادؑ — کر بہر خدا قید سے جلدی انہیں آزاد
گر جانتی رونے کا ہے شور اہل حرم میں
میں ان کے عوض بیٹھتی زندانِ ستم میں

اس نے کہا نادم ہوا ہوں اب تو یہ تقصیر — بیجا ہے کہ نہ تھا کاٹنا تن سے سر شبیرؑ
سر غم سے زانو پہ جھکا کی یہ جو تقریر — تا صبح رہا سوچ میں وہ ظالم بے پیر
اک بار دیا حکم یہ دربار میں آ کے

زنداں سے گرفتاروں کو لا دے کوئی جا کے

حرم اہلبیت کی دربار یزید میں آمد اور رہائی

دربار میں زنداں سے طلب ہوتے ہیں قیدی
بیتاب ہیں بے صبر ہیں جی کھوتے ہیں قیدی
منہ گرد بھرے آنسوؤں سے دھوتے ہیں قیدی
بچوں کو لئے گودیوں میں روتے ہیں قیدی
فاقوں میں بکھرے ہوش کی طاقت نہیں تن میں
دہشت سے ستمگاروں کی لرزہ ہے بدن میں

تھا شور کہا سے قیدیو دربار میں جاؤ
کیا بیٹھے ہو زنداں میں قدم جلد اٹھاؤ
خالق نے کیا رحم اب آنسو نہ بہاؤ
حلقے رسن ظلم کے ڈھیلے کریں آؤ
حاکم کو دعا دو کہ تمہیں شاد کرے گا
اب قتل نہیں کرنے کا آزاد کرے گا

سن کر یہ سخن کہنے لگی زینبؑ ناچار
اکبار تو ہو آئے ہیں مجلس میں گنہگار
کیا کام ہے اب کیوں ہے بلایا سر دربار
نے سر پہ ردائیں ہیں نہ ہے طاقت رفتار
لے جاؤ نہ بلوے میں اسیران ستم کو
گھل گھل کے اسی قید میں مر جانے دو ہم کو

بتلاؤ خوشی چھوٹنے کی قید سے اب کیا
بیٹے ہیں کہ پھر جن سے ہو ملنے کی تمنا
قاسم ہیں کہ دکھلائیں گے آکر مجھے سہرا
اکبر ہیں جنھیں دیکھ کے ٹھنڈا ہو کلیجا
لاشے بھی ابھی تک نہیں پیاروں کے گڑے ہیں
آباد تھا گھر جن سے وہ جنگل میں پڑے ہیں

کہدو مجھے دربار میں حاکم نہ بلائے   خلقت کو دوبارہ نہ مری شکل دکھائے
گر قتل ہو منظور تو قاتل یہیں آئے   موجود ہوں خنجر مری گردن پہ پھرائے
فکر غم عابد سے آزاد ہو زینبؑ
سر تن سے جدا ہو تو بہت شاد ہو زینبؑ

فرمانے لگے رو رو کے تب عابد بیمار   اسوقت پھوپھی جان مناسب نہیں تکرار
کیا بس ہے اسی طرح چلو سوئے دربار   دیکھیں تو کہ کیا کہتا ہے اب حاکم غدار
کب سے نہیں کی سبطؑ پیمبر کی زیارت
شاید ہو میسر سر سرور کی زیارت

رو کر کہا زینبؑ نے جو مرضی ترے پیارے   مختار ہو تم اب تو ہوں میں ساتھ تمہارے
سن کر یہ سخن خاک سے قیدی اٹھے سارے   پر سب کے قدم کانپتے تھے ضعف کے مارے
نورانی بدن گرد غریبی سے اَٹے تھے
بکھرے ہوئے تھے بال گریبان پھٹے تھے

اس حال سے پہنچے جو وہ بیکس سر دربار   تعظیم کو مسند سے اٹھا حاکم غدار
کاٹی گئیں جب بیڑیاں اور طوق گرانبار   گردن کو جھکا رونے لگے عابد بیمار
صدمے سے جو اشک شہ خوشخو نکل آئے
اس وقت تو حاکم کے بھی آنسو نکل آئے

بعد اس کے یہ عابد سے لگا کہنے وہ جلاد   محجوب نہایت ہوں میں اسے سید سجاد
تھا دشمن شہ ابن زیاد ستم ایجاد   میں خانۂ زہرا تو نہ کرتا کبھی برباد
بیکس کو گے ستانے میں مجھے فائدہ کیا تھا

لیکن وہ ہوا جو کہ مقدر میں لکھا تھا

عابدؑ نے کہا گو کہ ہیں ہم بے سر و سامان — پر یہ نہیں منظور کہ لیں غیر کا احسان
سب مشکلیں پل میں کی خدا کرتا ہے آسان — چھٹنے کی خوشی ہے نہ وطن جانے کا ارمان

اک گھر ملے وہاں ماتم شبیرؑ کریں ہم
سامان عزائے شہ دلگیر کریں ہم

اور دوسرے ہمیں آل نبی بار سر عریاں — لوٹا ہوا اسباب منگا دے ہمیں اس آں
میں اپنے بزرگوں کی تبرک کا ہوں خواہاں — بس ہے وہی ہم بے سر و سامانوں کا ساماں

حیدرؑ کا عمامہ ہے. محمدؐ کی عبا ہے
اور کہنہ سی اک فاطمہؑ زہرا کی ردا ہے

لوٹا ہوا اسباب جو حاکم نے منگایا — تب قمر لباس شہ دیں کشتی میں لایا
سجاد کا دل سینے میں اس وقت بھر آیا — سر پیٹ کے یہ زینبؑ بے کس نے سنایا

اس وقت مری چھاتی پھٹی جاتی ہے لوگو
بھائی کے مجھے خون کی بو آتی ہے لوگو

حاکم نے جو دیکھی شہ مظلوم کی پوشاک — ٹکڑے ہوا اک جامہ تھا وہ ملبوس تن پاک
عابدؑ سے یہ کہنے لگا تب حاکم سفاک — یہ خستہ کہیں پہنے تھے سبط شہ لولاک

حیرت ہے مجھے جامۂ شاہ شہدا پر
دعویٰ تھا خلافت کا اسی کہنہ قبا پر

رو کر کہا عابد نے کہ او حاکم غدار — معراج میں پہنے تھے اسے احمد مختار
ایسی نہ تھی واللہ قبائے شہ ابرار — یہ تیروں کے اور نیزوں کے کیے وزن میں ستمگار

تلواروں سے ٹکڑے جسدِ پاک ہوا ہے
یوں ہی مرے بابا کا بدن چاک ہوا ہے

جب وہ سے چکا لوٹا ہوا اسباب ستمگر — عابد سے کہا اب تو عمامہ رکھو سر پر
اور حضرت زینبؑ سے کہا اوڑھ لو چادر — عابد نے کہا سر پہ عمامہ رکھوں کیونکر

ہے چاک گریباں علیؑ بیٹے کے غم میں
سر ننگے محمدؐ ہیں نواسے کے الم میں

ملبوس نہ درکار ہے اب نے زر و زیور — بہر حسنؑ و حیدرؑ و زہراؑ و پیمبرؐ
منگوا دے مجھے میرے پدر کا سرِ انور — تا دفن کروں قبر میں لاشہ سے ملا کر

بابا سا مرا کوئی بھی مظلوم نہیں ہے
جس کا سر پر نور کہیں لاش کہیں ہے

سُن کر یہ صدا کانپ گیا حاکم ظالم — عابد کو دیا اس نے سر سرور عالم
بیٹے نے لیا باپ کا سر ہاتھ پہ جس دم — دربار سے قیدی چلے کرتے ہوئے ماتم

دل غم سے انیسؔ جگر افگار طپاں ہے
دفن شہداء لکھنے کی اب تاب کہاں ہے

حرم اہلبیتؑ کی مدینہ میں واپسی

جینے سے غم شاہ میں بیزار تھی صغرا — تنہائی کی آفت میں گرفتار تھی صغرا

ع۵ یزید بن معاویہؓ نے دمشق سے محافظ جماعت کے ساتھ حرم اہلبیت کو مدینہ روانہ کر دیا کوفہ پہنچکر حرم اہلبیت نے شہداء کربلا کی تکفین و تدفین کی اور پھر مدینہ کو روانہ ہوئے مدینہ میں حضرت امام حسینؓ چھوٹی بچی صغرا کو بیمار چھوڑ

غش رہتا تھا اس طرح کی بیمار تھی صغرا ؑ ہوش آتا تو کرتی یہی گفتار تھی صغرا ؑ
کہتے تو ہیں سب کہ طعنی ہو گیوں آئینگے بابا
غم یہ ہے کہ جیتا نہ ہمیں پائیں گے بابا

جی چاہتا ہے دیکھ لوں باباکا میں دیدار اماں کے گلے سے لگوں اصغر کو کروں پیار
بھائی علی اکبرؑ کی بلائیں لوں میں ہیبار پھر مر بھی اگر جاؤں تو کچھ نہیں غم زنہار
جیتے جی موئی جاتی ہوں میں یاد پدر میں
لے لے کے مرا نام کو سب روئیں گے گھر میں

یہ کہتی تھی اور روتی تھی منہ ڈھانپ وہ بیمار نانی نے کہیں سن لی نواسی کی یہ گفتار
تب آکے سرہانے لگی کہنے وہ دل افگار کیا باتیں پڑی کرتی ہو دل سے مری دلدار
میں تو سنوں مجھ سے تو کرو پیار سے باتیں
کرتے نہیں بی بی در و دیوار سے باتیں

یہ کہتی تھی جو شور ہوا شہر کے اندر آئے سفر کوفہ سے ناموس پیمبرؐ
ام سلمہ دوڑی گئیں سنتے ہی در پر کیا دیکھا کہ روتے ہیں کھڑے عابد مضطر
اونٹوں کو بٹھایا ہے یہ فریاد و فغاں ہے
جو بی بی اتری ہے سو یہ کرتی بیاں ہے

ہم جیتے پھرے مارا گیا فاطمہؑ کا لال حیدرؑ کا چمن باغیوں نے کر دیا پامال
تلوار علی سے منہ چاند سے سب خون میں ہوئے لال پیاسوں پہ چلیں برچھیاں کیا ان کا کہیں حال

لٹے تھے اس کی حالت اور حرم اہلبیتؑ کی مدینہ میں واپسی کے واقعات بندوں میں بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۲ مؤلف

ہم جیتے ہیں قبروں پہ انھیں رو کے ہم آئے
اب ان کو کہاں پائیں جنھیں کھو کے ہم آئے

اس گھر سے سدھارے تھے جو ہمراہ ہمارے — دیکھا کیے ہم سامنے سب وہ گئے مارے
نیزوں پہ چڑھا دینے کو سر تن سے اتارے — پیاسوں کی بنیں تربتیں دریا کے کنارے
مر کر نہ ملا چین کسی تشنہ دہن کو
چالیسویں تک سب رہے محتاج کفن کو

بانو کی جو رانڈوں کی سی صورت نظر آئی — اور رونے کی دھوم اہل محلہ نے اٹھائی
ام سلمہ سن کے لگی دینے دھائی — اسباب اٹھا۔ ماتمی صف جلد بچھائی
صغرا سے کہا۔ کر لو گریبان کو پارا
دل کھول کے اب روؤ کہ بابا گیا مارا

آگے تو تمہیں رونے کو میں منع تھی کرتی — بیمار تھی تم اور میں غم کھانے سے ڈرتی
اب منع بھی کرنے میں ہے تشویش گذرتی — بن روئے تو مر جاؤ ابھی۔ گر نہ ہو مرتی
تم لڑکی ہو اور داغ یتیمی کا بڑا ہے
بیمار کو غم کھانے سے رونا ہی دوا ہے

یہ سنتے ہی گھبرا گئی وہ بےکس و مضطر — سر پیٹ کے رونے لگی۔ پلہ لیا سر پہ
رو رو کے یہ کہنے لگی اے خالق اکبر — فریاد ہے فریاد لٹا فاطمہؑ کا گھر
تو مالک و مختار قضا اور قدر ہے
میں کس لئے جیتی ہوں مری موت کدھر ہے

پھر بولی کہ بابا سے ملا دو مجھے لوگو — یہ سنتے ہی زینبؑ لگی سر پیٹنے رو رو

بانو سے کہا بیٹی کی صورت کو تو دیکھو — بابا کو طلب کرتی ہے گودی میں ذرا سے لو

دم شدت گریہ سے الٹ جائے گا اس کا

ننھا سا کلیجہ ابھی پھٹ جائے گا اس کا

لے گود میں بانو سے رو رو کے پکاری — بابا کہاں ہیں حسین کو دکھاؤں تجھے واری

ماں ہو گئی قربان یتیمی پہ تمہاری — ننھی تاک سے قسمت لٹنا تو دائی ہماری

پردیس میں جنت کو سفر کر گئے شبیرؑ

اے فاطمہ میں رانڈ ہوئی مر گئے شبیرؑ

قاسم بڑے عمو کا لیے مر گیا بیٹی — عباس جہاں سے سوئے کوثر گیا بیٹی

پانی کو ترستا علی اکبرؑ گیا بیٹی — جنت کو مری گود سے اصغرؑ گیا بیٹی

اس گھر کی جو آبادی تھی سو بس گئی رن میں

میں لوٹی لٹائی ہوئی آئی ہوں وطن میں

صغراؑ تو یہ سنتے ہی لگی پیٹنے سر کو — رو رو کے سنانے لگی چلا کے پدر کو

ایسے گئے بابا کہ نہ جیتے پھرے گھر کو — مایوس کیا دختر مجروح جگر کو

اب آس ہے اتنی کہ جو مر جائے گی صغراؑ

اے سید بیکس تمہیں تب پائے گی صغراؑ

بے آپ کے بلوائے ملاقات ہے دشوار — مقتل ہی تلک جا نہ سکی جبکہ میں بیمار

پھر آپ تلک مجھ کو پہنچنے کی کہاں بار — بہنوں سے ملی ماں سے ملی میں جگر افگار

کیا کیا ستم اے سید ابرار نہ دیکھا

صغراؑ نے مگر آپ کا دیدار نہ دیکھا

سنتی ہوں کہ حضرت کے ہی ہاں اکبر بھی ہیں ہمراہ
عباس وہیں اور وہیں قاسمؑ نوشاہ
چھوٹا مرا بھیا علی اصغر بھی وہیں آہ
اس بچے سے ملنے کی زیادہ ہے مجھے چاہ

اس دکھ سے رہائی تمہیں دلواؤ گے بابا
کب سے ہوں میں بچھڑی تمہیں ملواؤ گے بابا

صغرا تو یہ کرتی تھی بیاں باتن رنجور
جو کرنے لگی مادرِ عباس یہ مذکور
اے صاحبو یہ شک تو مرے دل سے کرو دور
بیٹا جو مرا عاشق شبیرؑ تھا مشہور

شفقت تھی بہت اس پہ حسینؑ ابن علیؑ کی
کچھ اس سے بھی خدمت ہوئی فرزند نبیؑ کی

زینبؑ نے کہا کیا کہوں عباس کی جرأت
کچھ شہؑ کے علمدار کی پوچھو نہ حقیقت
قاسم سے بھی پہلے وہ طلب کرتا تھا رخصت
پر ابن حسنؑ پا چکا جس وقت شہادت

اس وقت عجب بیکسی تھی شاہِ امم پر
رخصت کے لئے گرتا تھا عباس قدم پر

زینب سے یہ سن مادرِ عباسؑ پکاری
شرمندہ کیا تم نے حسن سے مجھے واری
کلثوم نے تب لیلیٰ کہا با گریہ و زاری
اس نے تو رضا مرنے کی مانگی کئی باری

کیا کرتا کہ مغموم بہت ہوتے تھے شبیرؑ
منہ دیکھتے تھے بھائی کا اور روتے تھے شبیرؑ

جب حال سکینہ کا ہوا پیاس سے تغیر
بس اس گھڑی ناچار ہوئے حضرت شبیرؑ
بھائی سے کہا کچھ کرو اب پانی کی تدبیر
کچھ بس نہیں اب تم سے جدا کرتی ہے تقدیر

یہ سن کے لگا رونے وہ شیدائے سکینہؑ

اور لے کے گیا مشک وہ سقائے سکینہؑ

واں فوج سے لڑ بھڑ کے بھر لی مشک میں پانی
اور گھر کو چلا حیدرؑ کرار کا جانی
پھر ٹوٹ پڑے پیاسے پہ وہ ظلم کے بانی
چھانا اسے بھی تیروں سے اور مشک بھی چھانی

پانی بھی بہا تن سے گرے ہاتھ بھی کٹ کر
اور گر پڑا عباس بھی گھوڑے سے الٹ کر

اس خوبی سے مارا گیا فرزند تمہارا
وہ وعدہ اس کو نہ بخشا تھا تو اب بخشو خدارا
پھر فاطمہؑ زہرا کو وہ کیونکر نہ ہو پیارا
واللہ سر اس نے قدم شاہ پہ وارا

دکھلائی وہ جاں بازی شہ تشنہ دہن کو
راضی کیا حیدرؑ کو محمدؐ کو حسنؑ کو

یہ سنتے ہی بس مادر عباس دلاور
قبلہ کی طرف گر پڑی سجدے کو زمیں پر
جب کر چکی سجدہ تو وہ کہنے لگی رو کر
سب مل کے کرو ماتم فرزند پیمبرؐ

یہ جو کہا غل ہونے لگا سینہ زنی کا
اور ذکر تھا شبیرؑ کی تشنہ دہنی کا

بولی کوئی جیتے نہ رہے قاسم مضطر
بولی کوئی بے جاں ہوئے عباس دلاور
بولی کوئی سر پیٹ کے ہے ہے علی اکبرؑ
بولی کوئی مارا گیا پیاسا علی اصغرؑ

وہ رانڈیں تھیں اور ماتم شاہ شہدا تھا
کیا کہیے انیس اس کو جو کچھ حشر بپا تھا

(رحمتی رستم سہارنپوری)
اکتوبر ۱۹۵۸ء